دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

نمبر ۱ جلد ۱۵

جنوری سنہ ۱۹۱۳ء مطابق دلو سنہ ۱۳۳۱ محمدی

ایڈیٹر

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

مینیجر و پبلشر

خاکسار حکیم سراج الحق عفا اللہ عنہ

جو

دلگداز پریس میں چھپ کے لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان

سے شائع ہوا

سنہ ۱۹۱۳ء کا آغاز

دوستو سنہ ۱۹۱۲ء گزر گیا اور ہم زندہ ہین - فاروق مرحوم جن کی زندگی سے ہمین کو نہین دلگداز کو بڑی بڑی امیدین تھین سال مذکور کے ماہ فروری مین دنیا سے رخصت ہوگئے مگر ہم اُن کی مفارقت کا صدمہ برداشت کرنے کے لیئے عالم مین موجود ہین اور سنہ ۱۹۱۳ء کا خیر مقدم ادا کر رہے ہین - مرنا جینا کوئی غیر معمولی چیز نہین - سب ہی کے لیے ہے - دنیا کا کارخانہ ہی یہ ہے کہ ہستی کے ساتھ موت اور موت کے ساتھ ہستی ہے - "تولج الحی من المیت و تولج المیت من الحی" - مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہم دنیا کی اور تمام چیزون کی طرح بے حس کیون نہین ہین - سارا غم والم اسی ظالم حس کی وجہ سے ہے - نہ ہمین رنج وغم کی حس ہوتی نہ حرف شکایت زبان پر آتا نہ چوٹ سے دکھ معلوم ہوتا اور نہ یہ فریاد و بیتابانہ ہوتی - شجر وحجر اور دنیا کی لاکھون کروڑون چیزین محض ایک بے حسی کی برکت سے کس لطف وآرام اور کیسی بےفکری کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہین ؟ آفات وحوادث سے انھین بھی سابقہ پڑتا ہے - بقا وفنا انکے لیے بھی ہے زمانہ انھین بھی بناتا اور مٹاتا ہے - بجلیان اُن پر بھی گرتی ہین - پتھر اُن پر بھی پڑتے ہین - باد مخالف انھین بھی اُٹھا اُٹھا کے پھینکتی ہے اور سیل حوادث انھین بھی بہالے جاتی ہے - غرض کون آفت ہے جو اُن کے سر پر نہین آتی - اور کون سی مصیبت ہے جس سے انھین سابقہ نہین پڑتا مگر بے حسی ایک ایسی نعمت عظمیٰ مل گئی ہے جس کے باعث انھین خبر بھی نہین ہوتی کہ دنیا مین کیا ہو رہا ہے -

اور کوئی ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے - یہان سے اُٹھا کے وہان پھینک دو اُنھین خبر نہین۔ پاؤن سے ٹھوکر مارو اُنھین پروا نہین - خدا بھلا کرے بجیبی کا کہ یہ تمام آفتین جھیل جاتی ہین اور زبان سے آہ نہین نکلتی۔ اور ایک ہم ہین کہ کمبخت حس کی بدولت انکی ونے چوٹ پرروتے - اور ذرا ذرا سی تکلیفون پر داویلا و وامصیبتا کا شور مچا دیتے ہین۔ خداوندا! اگر غم ہی دینا ہے تو بجیس بنا۔ اگر قسمت مین یہی لکھ دیا ہے کہ ستائے جائین تو پتھر کا دل بھی دے جس پر کسی بات کا اثر ہی نہ ہو۔ کیا فائدہ کہ تو نے اپنی کسی مصلحت سے ہمین مبتلاے آلام کیا اور ہماری زبان سے شکایت نکل گئی - ایذا پہونچی اور ہم صبر نہ کر سکے۔

مگر نہین یہ حس جس کا ہم دکھڑا رو رہے ہین بالکل بُری ہی نہین۔ دلِ صد چاک پر جو سخت سے سخت چوٹین کھائی ہین اُن سے متاثر ہو کے ہم شکایت کرنے لگے ورنہ یہی ایک بڑی بھاری رحمت و نعمت بھی ہے - اسی حس سے جس طرح تکلیفین پہونچتی ہین اُسی طرح اس سے راحت مین مزہ بھی آتا ہے۔ کیسی کیسی لذتون سے ہم بہرہ یاب ہوتے ہین؟ اور عالم کی دلچسپیون سے کیسے کیسے لطف اٹھاتے ہین؟ مانا کہ بعض غم ایسے ہوتے ہین جو ساری لذتون اور مسرتون کو خاک مین ملا دیتے ہین۔ مگر اُن کے مقابل بعض مسرتین بھی ایسی ہین جو سارے المون کو ایک دم بھر مین نسیاً منسیا کر دیا کرتی ہین۔

بیشک ہم فاروق مرحوم کے غم مین مبتلا ہو کے ایسے مغموم ہوئے کہ اپنے فرائض کو بھول گئے - یہان تک کہ دلگداز کو بھی نہ سنبھال سکے - اُن کی بیماری و صحت کی فکر اور تنگ دو سے جو بدنظمی دلگداز کی اشاعت مین پیدا ہوئی تھی اُن کی وفات سے اور بڑھ گئی - چند پرچے نہایت مُردہ دلی سے ستم زدہ دل کو اُبھار اُبھار کے نکالے بھی تو بے مزہ تھے - یہان تک کہ سنہ ۱۹۱۲ع کے چھ نمبر نکلنے کے بعد دلگداز کی اشاعت کا سلسلہ ایسا رُکا کہ زمانے کو خیال ہوا شاید دلگداز نے بھی اُن مرحوم کا ساتھ دیا - اور وہ بھی وہین گیا جہان وہ گئے ہین -

لیکن نہین - دلگداز اُن کی زندگی کے ساتھ نہ تھا ہماری زندگی کے ساتھ ہے بلکہ امید کہ ہمارے بعد باقی رہے - ہماری قسمت مین تھا کہ وہ ہمارے لیے سامان مسرت فراہم کرے - اور اُن تمام آلام و حوادث اور آفات و مصائب کے بعد ہمارے لیے اُن سچے دوستون

اور عزیز ترین احباب سے دوبارہ ملنے کا ذریعہ ہے جن سے ملنا سچ یہ ہے کہ ہمیں اپنے اُس مرحوم بخت جگر کی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔ اور جن سے ہم صحبت ہونے اور بذریعہ تحریر ملاقات کرنے کی مسرت ہماری تمام کلفتوں کو دور کر کے ہمیں بہت ہی مسرور کر دیتی ہے لہذا اے ہماری حسن۔ اے اعلےٰ ترین نعمت ربّانی۔ ہم تیرے شاکی نہیں۔ بلکہ نہایت شکر گزار ہیں۔ تیری وجہ سے ہمیں کیسے کیسے مزے ملتے ہیں؟ اور کیسی کیسی شادکامیوں کی دولت نصیب ہوتی ہے؟ تو نہ ہوتی تو نہ پرانے احباب سے ملنے کی مسرّت اور سخن سنج قدردانوں کی عنایتوں سے بہرہ مند ہونے کی نعمت کیونکر حاصل ہوتی؟ اور ان رحمتوں سے ہم کیونکر لطف اٹھا سکتے؟ یہ ہماری پیاری اور ہماری مایۂ زندگی حسن ہی کا فیض ہے کہ آج ختم سال پر ہمیں گزشتہ کے غم و الم اور منحوس سنہ ۱۹۲۱ع کے مصائب و افکار بھول گئے۔ اُسی سینہ کو جو کل تک آتش الم کا تنور بنا ہوا تھا آج ٹٹولتے ہیں تو حسرت کا کہیں نام و نشان نہیں۔ اور اُن گذشتہ افکار و آلام کی جگہ نئے ولولے اور حوصلے آ کے بیٹھے ہیں۔ اور امید نے اپنا چراغ روشن کر دیا ہے۔ اُنھیں مزہ دار اور پُر لطف امیدوں کے ہجوم سے جوش میں آ کے ہم اپنے تمام احباب تمام قدردانوں اور سارے خریداران دلگداز کو سال نو کی مبارکباد دے رہے ہیں اور وہ نہایت ہی ذوق و شوق سے ہمیں مبارکباد دیتے ہیں۔ پیاری حسن۔ تو نہ ہوتی تو یہ مبارکبادیاں ہوتیں؟ اور ان حوصلوں اور ولولوں میں مزہ آتا؟

جن کی زندگیاں بلطف عیش و تنعم اور آرزو مندی و بامرادی میں گزرتی ہیں انھیں بے شک انقلاب سال کے موقع پر غم کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ افسوس راحت و آرام کا ایک سال گزر گیا اور شادکامی کی زندگی کا ایک برس کم ہوا۔ جن کا شباب جوش جوانی کے مزے دکھا رہا ہے انھیں صدمہ ہونا چاہیے کہ جوانی کے محدود و قیمتی برسوں میں سے ایک گیا اور پھر نہ آئے گا۔ جن کی راتیں اس سال کسی وفاکیش ناز آفرین کے پہلو میں جام پیتے گزریں وہ خوشنود ہو سکتے ہیں کہ دیکھیے آئندہ سال بھی ایسی ہی لطف و مسرت کی راتیں نصیب ہوتی ہیں یا نہیں۔

مگر جنھیں سارا برس غم ہی میں گزر گیا۔ جو سال گزشتہ کو اپنی زندگی کا منحوس ترین برس خیال کرتے ہوں انھیں غم کس بات کا ہے؟ انھیں تو خوش ہونا چاہیے کہ بڑے

موذی سے پیچھا چھوٹا اور یہ نیا سال شاید ہمارے حق مین مبارک ہو۔ لیکن خیال کیون اور کس وجہ سے ہے؟ صرف حسن کے صدقے مین۔ حسن ہی ہے جس کے آغوش مین یہ امید و آرزو کی خوشیان اور حوصلہ مندی کی مسرتین پلتی اور نشو و نما پاتی ہین۔

لہذا ناظرین اس امیدون کی گھڑی اور نئے دور ارضی کے آغاز مین ہم اپنے آنسو پونچھ کے اور غم ایام پر خاک ڈال کے آپ سے خوشی خوشی ملتے ہین۔ اور آپ کی محبت و عنایت کے سہارے پر پھر ویسے ہی تازہ دم اور مستعد ہو کے لٹریری خدمتون کا سلسلہ چھیڑتے ہین تاکہ جوانی و شباب کے دل و دماغ رخصت ہو گئے اور جس قدر دم باقی تھا اُسے بھی ہجوم آلام نے مٹا دیا مگر الحمد للہ کہ ہمت اب تک جوان ہے۔ اور آپ کی محبت و عنایت نے ہمارے دل مین کچھ ایسا جوش پیدا کر دیا ہے کہ حسرتین آرزو بن گئی ہین۔ اور مایوسیون نے امید کی صورت اختیار کر کے پہلو مین گدگدانا شروع کر دیا ہے۔

بہر حال دلگداز نے بڑی امیدون اور آرزوٴن کے ساتھ نئے سال کے آغوش مین قدم رکھا۔ اور آپ کی نظر عنایت کا امیدوار ہے۔ چودھوین جلد مکمل ہوئی اور پندرھوین جلد کا آغاز ہوتا ہے۔ پُرانا لٹریری قرض ادا ہو گیا جس کی ندامت سے ہم سر نہ اُٹھا سکتے تھے اور سنہ ۱۹۱۲ع کے پورے پرچون کے ساتھ یہ جنوری سنہ ۱۹۱۳ع کا پہلا نمبر بھی ہمارے کرم فرماؤن کے ملاحظہ مین پیش ہوتا ہے۔

اب کی سال ہم اُس ناول کو بہت جلد پیش کر دین گے جو خریداران سنہ ۱۹۱۲ع کی نذر کیا جائے گا۔ لوگ بہت کہا کرتے تھے کہ تاریخی ناولون کے ساتھ ایسے اخلاقی ناول بھی لکھے جائین جو موجودہ زمانہ کی معاشرت سے علاقہ رکھتے ہون۔ اسی قسم کا ناول "غیب دان دولھن" تھا جو سنہ ۱۹۱۰ع کے خریداران دلگداز کے ملاحظہ مین سنہ ۱۹۱۱ع مین پیش کیا گیا تھا اور اسی قسم کا ناول یہ بھی ہے جو ہمین امید ہے کہ اُس سے زیادہ نتیجہ خیز اور نفع بخش ہوگا۔

اسکندر اعظم

ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ اردو لٹریچر کے نامورون کے حالات سے جہان

تک بنے اُردو دان پبلک کو واقف کرتے ہین۔ اس قسم کے بہت سے نامورون کے حالات زندگی دلگداز کے مضمون پہ شائع ہوچکے ہین مگر ابھی تک سکندر اعظم کی لائف مستقل طور پہ لکھ کے نہین پیش کی گئی۔ ہمارے مشرقی شعرا مین سے کوئی ہوگا جس نے تشبیہات مین سکندر کے نام سے فائدہ نہ اُٹھایا ہو۔ سکندر کا آئینہ کو ایجاد کرنا۔ خواجہ خضر کے ساتھ آب حیات کی تلاش مین جانا اور ناکام واپس آنا۔ یاجوج ماجوج کے روکنے کے لیے سد سکندری بنوانا۔ سارے عالم کو فتح کرلینا۔ اور اسی قسم کی چند اور باتین اُس کی جانب منسوب ہین جن کا شعرا کے کلام مین بار بار اعادہ ہوتا ہے اور ہر موقع پر اُس کا نام لیا جاتا ہے۔

لیکن افسوس کہ سکندر اعظم وہ شخص نہین ہے جس کی جانب اِن مین سے ایک بات کو بھی منسوب کیا جا سکے۔ قرآن مجید مین ذوالقرنین نام ایک بادشاہ کا تذکرہ ہے جس کا ساری دُنیا مین گزر ہوا تھا اور جس نے یاجوج وماجوج کی روک تھام کے لیے اژدھات کی ایک دیوار بنوائی تھی۔ قیاس یہ چاہتا تھا کہ وہ بادشاہ کوئی یمن کا بادشاہ ہو جہان کے سلاطین کے نام اکثر "ذو" کے لفظ سے شروع ہوا کرتے تھے۔ کسی قدیم زمانے مین یہ بڑے سطوت وجبروت کے تاجدار تھے اور عربون کی قومی روایتون مین موجود تھا کہ اُن مین سے کسی بادشاہ نے ساری دنیا فتح کرلی تھی۔ لہذا قرآن مجید مین ذوالقرنین سے یقیناً وہی تاجدار یمن مراد ہے۔

مگر مقدونیہ کے بادشاہون کا شعار اور مارکہ بکرا تھا۔ جس کی بنا پر توراۃ مین سکندر کی نسبت حضرت دانیال کی پیشین گوئی "بکرے" ہی کے لفظ سے کی گئی تھی۔ اور چونکہ بکرے کے دو سینگ ہوتے ہین اس لیے بعض مسلمان مورخین کو خیال گزرا کہ ذوالقرنین سے مراد سکندر بن فیلقوس یونانی ہے۔ یہ خیال اسلامی پبلک مین مشہور ہوا۔ شہرت نے اُسے نامورانِ لٹریچر مین جگہ دلوائی اور یون ساری مشرقی دنیا مین سکندر کا نام اس قدر مشہور ہوا کہ بچہ بچہ اُس کے نام سے واقف ہے۔ اور صدہا بچون کے نام اُسی کے نام پر رکھے جاتے ہین۔ مگر سچ یہ ہے کہ مشرقی دنیا مین سکندر کو جو شہرت ومقبولیت عامہ حاصل ہوگئی اُس کا اصلی باعث قرآن مجید کی ایک آیت اور اُس کے متعلق مسلمانون کی ایک غلط فہمی ہے۔ لیکن سکندر اپنے حالات

و واقعات کے لحاظ سے ایسی شہرت کا مستحق ضرور تھا۔

اُس کا اصلی نام "الکسانڈر" یا "الکسندر" تھا۔ جو انگریزون مین تو مغربی لب و لہجہ کے اثر سے "الگزانڈر" ہو گیا مگر عربون کو جیسی غلط فہمی اُس کے انتخاب مین ہوگئی تھی ویسی ہی اُس کے نام مین بھی ہوئی۔ وہ سمجھے کہ نام کے اول کے "الف لام" عربی زبان کے حروف تعریف ہین۔ اس کے بعد کاف کا سین سے پہلے ہونا چونکہ عربون کی زبان پر ثقیل تھا اس لیے سین کاف کے قبل کر دیا گیا۔ اس طرح یہ نام عربی مین "سکندر" ہو گیا۔ بعض نے سین کو ساکن خیال کر کے اول مین ایک ہمزہ وصل بھی بڑھایا اور اُس کا نام "اسکندر" بنا دیا۔

اکثر مشرقی مصنفین اُسے سکندر رومی کہہ دیا کرتے ہین حالانکہ اُسے روم کے ملک سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ اُس کے زمانے تک دنیا مین رومۃ الکبریٰ کی عظمت نہین مانی گئی تھی۔ اہل روم اپنے وطن مین گرد و نواح کی قومون سے لڑتے اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اہل یونان کی مہذب دنیا مین اُن کا شمار بالکل جاہل و وحشی اور غیر متمدن قومون مین تھا۔ لیکن سکندر کے بہت زمانے کے بعد جب رومیون کا کوکب اقبال چمکا۔ انگلستان سے عراق تک سارے ممالک ارض اُن کے زیر نگین ہوگئے اور جزیرۂ روم اُن کی قلمرو کے درمیان مین ایک جھیل بن گیا تو مغربی حصہ ایشیاے کوچک بھی جسے ترک لوگ "اناطولیا" کہتے ہین صدہا رومی خاندانون کے آبسنے کی وجہ سے روم مشہور ہو گیا خصوصاً جب سلطنت روم کی تقسیم ہوئی اور جو قلمرو قسطنطنیہ کے زیر حکومت تھی مشرقی سلطنت روم کے نام مشہور ہوئی تو یہ ملک ساری دنیا مین روم ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ لہٰذا اسی ملک کی نسبت سے بعد والون نے سکندر کو رومی مشہور کر دیا ہے۔

اصل مین جزیرہ نماے بلقان کا درمیانی علاقہ مقدونیہ اُس کا وطن تھا جس صوبے کی وجہ سے آج کل دولت عثمانیہ پر آفت نازل ہے اور جس کے ریاستہاے بلقان باہم تقسیم کر لینے کی آرزو مند ہین۔ اسی علاقہ کے شہر پلا مین ۳۵۶ قبل مسیح مین پیدا ہوا۔ مقدونیہ مین سکندر اعظم سے پہلے اُس کے نام کے دو اور بادشاہ گزر چکے تھے۔ پہلا سکندر ۴۸۰ قبل مسیح مین مقدونیہ پر حکومت کرتا تھا۔ اور اُسی کے زمانے

مین دارائے عجم کیخسرو نے مملکت یونان پر چڑھائی کی تھی۔ وہ مقدونیہ کا آٹھوان تاجدار تھا۔ اُس کے بعد دوسرا اسکندر اسی ملک کا سولھوان سریر آرا تھا جس کا زمانہ ۳۵۶ قبل مسیح مین تھا۔ لیکن اُس وقت تک تاجداران مقدونیہ کا شمار وحشی حکمرانون مین تھا اور یونانی اُن کی کچھ وقعت نہین خیال کرتے تھے۔ تیسرا ہی سکندر ہے جس کے حالات ہم لکھنا چاہتے ہین۔ اُس کے باپ سے پہلے پہل عروج پکڑا۔ اور چونکہ اب یونانیون کا زوال شروع ہو چکا تھا لہذا اُس نے سارے یونان کو فتح کر کے اپنے زیر فرمان بنا لیا۔

فیلقوس کو اہل مغرب "فلپ" کہتے ہین۔ اُس نے قوت حاصل کرتے ہی کوشش کی کہ مقدونیہ شان و شوکت اور علم و فضل یعنی تمام باتون مین ایتھنز (اثینیہ) اور اسپارٹا کا ہم پلہ بن جائے۔ لیکن اُس کی تمام اقبال مندیون سے یہ خوش نصیبی بدرجہا زیادہ بڑھی ہوئی تھی کہ وہ سکندر اعظم کا باپ تھا۔ مغربی ایشیا مائنر کے شہر "افسوس" مین ڈیانا دیوی کا ایک بڑا بھاری مندر تھا جہان عبادت و زیارت کے لیے تمام بت پرستان یونان جایا کرتے تھے۔ اور سارے یونان والون کو اس سے بڑی عقیدت تھی۔ جس سال سکندر پیدا ہوا اُسی سال اتفاقاً ایسی آگ لگی کہ وہ بڑا بت خانہ منہدم ہو گیا۔ اور مورت بھی خاک مین مل گئی۔ جس امر کو اہل مقدونیہ اور سکندر کے مورخون نے اُس کی بے روک فتوحات اور سرزمین ایشیا پر اُس کے غالب آنے کا ایک قدرتی اشارہ تصور کیا۔ اور شاید مقدونیہ والون کے دل مین خیال گزرا ہو کہ "اس مندر کی بربادی سکندر کے لیے ایک شگون نیک ہے۔ اور یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اس شاہزادے کی کوئی بڑی شان ہونے والی ہے"۔

فیلقوس نے سکندر کی تعلیم و تربیت کے لیے بڑے بڑے اعلے درجہ کے استاد اور فلسفی منتخب کیے۔ پہلے تو اُسے اُس عہد کے مشہور فلسفی "لائی ماچوس" کے زیر تربیت رکھا۔ پھر چند روز بعد دنیا کے مشہور ترین فیلسوف ارسطاطالیس کو اُس کا اُستاد اور اتالیق مقرر کیا۔ ارسطو نے سکندر کی تعلیم و تربیت مین بے انتہا کوششین کین۔ اور اُس کے اخلاق کے درست کرنے مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا۔ اور لوگون کا خیال ہے کہ بچپن ہی مین جو حوصلہ مندی کی باتین سکندر کے طرز عمل سے اکثر ظاہر ہو جایا کرتی تھین وہ ارسطو ہی کی تعلیم و تربیت کی برکتین تھین۔

ایک بار فیلقوس کی ایک فتح کا مژدہ سُنکے وہ حسرت کے لہجے مین بول اٹھا "ابا جان تو کسی ملک کو چھوڑتے ہی نہین پھر مین کس سرزمین کو فتح کرون گا؟"

اُن دنون یونان مین "اُلمپک گیم" ہوا کرتے تھے جن مین تمام مشہور سپہ گر اور بڑے بڑے بہادر سورما آکے سپہ گری کے ہنر اور شہسواری کے کرتب دکھایا کرتے تھے سکندر نے چونکہ اُن کھیلون مین کبھی دلچسپی نہین ظاہر کی تھی اس لیے ایکدن فیلقوس نے تعجب سے کہا کہ "سکندر ان کھیلون مین نہین شریک ہوتا!" سکندر سُنتے ہی بیساختہ کہہ اٹھا "مجھے مقابلہ کے لیے بادشاہون کو تیا کیجئے تو اپنا ہنر دکھاؤن۔ ان کھیلون مین تو مجھے مزہ نہین آتا"

اُس کا گھوڑا "بُوقے فالوس" عجیب وغریب گھوڑا تھا۔ ایسا منہ زور اور سرکش تھا کہ کبھی کسی شہسوار کی ران اُس کی پیٹھ پر نہین جم سکی تھی۔ جب کسی نے سواری کا ارادہ کیا اُس نے دے پٹکا۔ مگر سکندر بچپن ہی مین اُسے اپنے قابو مین لے آیا اور اُسے ایسا عزیز ہو گیا تھا کہ دنیا کے تمام معرکون مین وہی اُس کے زیر ران تھا۔

ہومر شاعر کی مشہور مثنوی "ایلیڈ" جو یونانی شاعری کا اعلےٰ ترین نمونہ اور یونانیون کی مہابھارت تھی سکندر کو بے انتہا پسند تھی۔ اور جب دل گھبراتا اُسی کو مزہ لے کے پڑھنے لگتا۔ جس کی وجہ سے یونان کے تمام شجاعان سلف کے کارنامے ہر وقت اُس کے پیش نظر رہتے۔ اور یونان کا رستم وستان "ایچلیز" سکندر کی نظر مین شجاعت و ملک گیری کی ایک ایسی نظیر بن گیا جسے وہ ہر وقت اپنے خیال کے سامنے رکھتا اور کوشش کرتا کہ اپنے آپ کو ویسا ہی بنائے۔

سنہ ۳۳۶ قبل محمد مین جب فیلقوس کسی سفاک کے خنجر خونریز سے مارا گیا اور یہ بھی پتہ نہ چلا کہ اُس کے قاتل کا اصلی مقصود کیا تھا اُسوقت سکندر کی عمر صرف بارہ برس کی تھی۔ لیکن اُس کے ذاتی جوہر کو ارسطو کی تعلیم نے ایسا بنا دیا تھا کہ بڑے بڑے سن رسیدہ لوگون سے اچھا تھا۔ اور حکمرانی و ملک گیری کے لیے انتہا سے زیادہ موزون تھا۔ چنانچہ سریر شہریاری پر قدم رکھتے ہی اُس نے اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا جن کی بدولت اُسے دنیا مین ناموری حاصل ہوئی ہے۔ اس مین شک نہین کہ فیلقوس نے مرنے سے پہلے سارے یونان کو اپنا مطیع فرمان اور باجگزار

بنا لیا تھا۔ مگر وہ لوگ اِس اطاعت و فرمان برداری کو دل سے نہین پسند کرتے تھے۔ اور یونان کی کئی ریاستین تو آمادہ ہی تھین کہ جس قدر جلد ممکن ہو مقدونیہ کی غلامی سے نجات حاصل کریں۔ اُن کے ان ارادون کی خبر سنتے ہی سکندر جوش و خروش کے ساتھ اُن کے سر پر جا پہونچا اور انھین پورا پورا مطیع و منقاد بنانے کے بعد اُن سے خواہش کی کہ ایک اسپارٹا کو تو چھوڑ دو جہان کی سپہ گری کا سب لوہا مانتے ہین باقی ماندہ تمام اضلاع و ریاستہاے یونان کا سپہ سالار اعظم مجھے تسلیم کر جس طرح کہ میرے والد فیلقوس کو تسلیم کرتے تھے۔ اُن لوگون نے جب دیکھا کہ نہ لڑتے بنتی ہے اور نہ کسی طرح پیچھا چھوٹتا ہے تو اُسے سپہ سالار اعظم یونان تسلیم کر لیا جس کے معنے یہ تھے کہ انھون نے اُس کے آگے سر اطاعت جھکا دیا۔ اور ہاری مان لی۔

ان لوگون کو سیدھا کرنے کے بعد اُس نے علاقہ تھریس پر چڑھائی کی۔ اور چند لڑائیون کے بعد اسے بھی اپنے قبضہ مین کر لیا۔ تھریس ہی کے انتظام مین لگا ہوا تھا کہ ناگہان خبر آئی قلمرو یونان مین شہر تھیبیا والون نے علم بغاوت بلند کیا ہے۔ سنتے ہی یونان کی طرف پلٹ پڑا۔ اور بلاے ناگہان کی طرح تھیبیا والون کے سر پر جا پہونچا اور پہلے ہی دھاوے مین اُسے فتح کر لیا۔ اُن لوگون کی بے وقت سرکشی سے کچھ ایسا غصہ مین بھرا ہوا تھا کہ شہر کے بہت سے لوگون کو قتل کر ڈالا۔ اور وہان کی تمام عمارتین منہدم کرا دین۔ صرف ایک پندار شاعر کا گھر تو چھوڑ دیا باقی سارے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

سکندر کی اس سخت گیری نے یونان کے سارے سرکشون کے حوصلے پست کر دیے۔ تمام ریاست ہاے یونان کے ہوش ٹھکانے ہو گئے۔ اور کسی مین بھی اب چون و چرا کی مجال نہین باقی تھی یہان تک کہ ایتھنز مین بھی کوئی دم نہ مار سکا جہان کے لوگ سکندر کی مخالفت پر آمادہ ہو چکے تھے اور علم مخالفت بلند کرنے کی تیاریان کر رہے تھے۔ اس طریقہ سے اُس نے کل ریاست ہاے یونان کو اپنا مطیع و منقاد بنا کے سارے جنوبی حصۂ جزیرہ نماے بلقان کو اپنے زیر فرمان کر لیا۔ اور ہر طرف سے پورا پورا اطمینان کر کے مقدونیہ مین واپس آیا۔ جب یون خوب فارغ البالی حاصل ہو گئی تو اُس نے ارادہ کیا کہ سرزمین

ایشیا مین گھس کے دارائے ایران کو شکست دے جس کی سلطنت سے زیادہ زبردست بادشاہی ساری دنیا مین نہ تھی۔ درۂ دانیال سے لے کے حدود ہند تک کل ممالک تاجداران عجم کے زیر نگین تھے۔ اور کبھی یونانیون کے وہم وگمان مین بھی یہ بات نہین گزری تھی کہ ہم اپنے حدود سے باہر نکل کے شہنشاہ ایران کے ملک پر حملہ کر سکین گے۔ اس مین شک نہین کہ جب وہ چالیس ہزار یونانی جو دھوکے دھوکے مین دریائے فرات کے اس پار آ گئے تھے جانون پر کھیل کے دریا کنارے کنارے چل کھڑے ہوئے اور صدہا طرح کی سختیان اور مصیبتین جھیل کے اپنے وطن مین پہنچ گئے تو یونانیون میں سفر سے گونہ اُنس پیدا ہو گیا۔ اور اسی سلسلہ مین انھیں اس بات کا بھی تجربہ ہو گیا کہ اگر کوئی لشکر بہادری سے لڑے تو ایرانی باوجود اپنی سطوت وجبروت کے اُس کا کچھ نہین بگاڑ سکتے۔ انھین چیزون نے سکندر کو اس مہم پر آمادہ کیا اور انھین خیالات کی وجہ سے یونانی سپاہی اُس کا ساتھ دینے کو تیار ہو گئے۔

الغرض سکندر اپنی عمر کے بائیسوین سال چالیس ہزار جانبازون کا زبردست لشکر لے کے ہلسپانٹ (درۂ دانیال) سے اُتر کے ایشیا مین داخل ہوا۔ یہان آتے ہی اُس نے جو پہلا کام کیا یہ تھا کہ اپنے دوست ہیفاسطیون کے ساتھ اُس گاؤن مین گیا جو قدیم شہر ٹرائے کے مقام پر آباد تھا۔ جہان قدیم یونانی رستم "ایکلیز" کی قبر تھی۔ یہی یونان کا وہ تاریخی اور مذہبی ناموَر تھا جس کے حالات سکندر ایلیڈ مین بار بار پڑھتا رہا تھا۔ اور جس کے کارنامون کو اُس نے اپنے لیے عمدہ نظیرین قرار دے رکھا تھا۔ یہان اُس نے ایکلیز کی قبر پر چڑھاوے چڑھائے۔ اپنی ڈھال بھی وہان چڑھا دی۔ وہان کی ایک ڈھال جو دیوار پر آویزان تھی اُتار لی اور آگے روانہ ہوا۔

شہر غراقون کے میدان مین دارا کے لشکر سے اُس سے پہلی لڑائی ہوئی جس مین اُس نے لشکر عجم کو شکست دی اور گرد و نواح کے علاقون پر قابض و متصرف ہو گیا۔ اسی نواح مین پرانا شہر "گورڈیم" تھا۔ جو فریجیہ کے علاقہ مین تھا۔ یہان کے ایک اگلے ناموَر بادشاہ گوردیوس نے ایک گرہ لگا رکھی تھی جو کسی کے کھولے

نہ کھلتی- اور مشہور ہو رہا تھا کہ جس کسی نے اس گرہ کو کھول لیا اُس نے جانیے کل ایشیا کو فتح کر لیا؛ سکندر نے یہان پہونچ کے اس گرہ کو اپنی تلوار سے کاٹ ڈالا گویا یہ بتا دیا کہ مین ایشیا کو یون فتح کرون گا-

اب سکندر یہان سے آگے بڑھ کے شہر قلیقیہ مین پہونچا- اور دریاے قدنوس مین ایسے وقت نہایا جبکہ اُس کا پانی بہت گرم ہو رہا تھا- نہاتے ہی بخار چڑھ آیا اور ایسا بیمار ہوا کہ جان کے لالے پڑ گئے- حکیم فلپ اُس کا پرانا معالج تھا جو سفر مین ہم رکاب تھا- اسی کا علاج شروع ہوا- اثناے علاج مین سکندر کو اپنے ایک معتبر دوست "پارمے نیو" کا ایک خط ملا جس مین لکھا تھا کہ "فلپ کا علاج ذرا سوچ سمجھ کے کیجیے گا- وہ دشمنون سے ملا ہوا ہے اور اس بات کی رشوت لے چکا ہے کہ آپ کو زہر دے دیگا" سکندر نے اس خط کو پاس رکھ لیا- اور جب فلپ ایک قوی الاثر دوا کا جام تیار کر کے لایا تو سکندر نے وہ خط فلپ کے ہاتھ مین دیا کہ اسے پڑھیے اور دوا کا کٹورہ اُس کے ہاتھ سے لے کے منہ سے لگا لیا- فلپ نے خط پڑھ کے نظر اُٹھائی تو سکندر دوا پی چکا تھا- دیکھتے ہی دنگ رہ گیا- اس واقعہ کا حکیم فلپ اور سارے حاضرین کے دل پر بڑا اثر ہوا- پھر اُس کے بعد جب سکندر کو صحت حاصل ہوگئی تو فلپ کو بہت کچھ انعام دیا اور اُس کی عزت افزائی کی-

اب داراے عجم کا زبردست لشکر قریب آگیا تھا- شہر اِسّوس کے قریب سنہ ۳۳۳ قبل مسیح مین دوسری لڑائی ہوئی دارا کے زیر علم بڑی بڑی زبردست اور بہادر قومون کے سپاہی تھے مگر اقبال اُس کا ساتھ چھوڑ چکا تھا- پھر شکست ہوئی- اور ایسی شکست کہ دارا تو اپنی جان بچا کے بیک بینی و دو گوش بھاگ گیا مگر اُس کا خزانہ مال و دولت اور ساز و سامان سب یونانی فاتح کے ہاتھ لگا- بہت سے ایرانی اسیر ہوے جن مین داراے عجم کی مان- بی بی اور بچے بھی تھے- ان شاہی گھرانے کے معزز اسیرون کے ساتھ اُس نے ایسا شریفانہ برتاؤ کیا کہ داراے ایران کی مان کو سکندر کی سعادتمندیون کے سامنے اپنا پیٹ کا بیٹا بھول گیا- اور سکندر کو وہ اپنے بیٹے سے زیادہ سمجھنے لگی- غرض کہ ان محترم و معزز اسیرون کے ساتھ اُس کا برتاؤ دنیا مین شریف النفسی- فیاضی اور اخلاقی تہذیب

کا اعلیٰ ترین نمونہ خیال کیا جاتا ہے -

اس فتح کے نتیجہ مین ممالک فینقیہ - دمشق اور چند دیگر ممالک اس کے زیر فرمان ہوگئے - اب چونکہ دارا کی طرف سے کسی تازہ فوج کے آنے کی اُمید نہ تھی اس لیے اُس نے شہر طائر یا صُور پر حملہ کیا - یہ لوگ دنیا کے اول درجہ کے جہازران تھے ساری دنیا کی تجارت اُن کے ہاتھ مین تھی - اور اپنی بحری قوت سے دولت عجم کو بہت بڑی مدد دیتے تھے - طائر والون نے مقابلہ کا سامان کیا - اور سکندر نے اُن کے شہر کا محاصرہ کر لیا جس مین کئی مہینہ لگ گئے - یہ چھ مہینہ کی مدت سکندر کی بیقرار طبیعت نے بڑی بیتابی کے ساتھ برداشت کی - اور اُسی کا غصّہ تھا کہ فتح کرتے ہی اہل شہر پر اُس نے ایسے وحشیانہ مظالم کیے جو اُس کی شان سے بعید تھے

پورے ملک شام پر قابض ہو جانے کے بعد اُس نے ارض یہودا اور بیت المقدس کی طرف کوچ کیا جہان ابھی اسرائیل کی پُرانی سلطنت باوجود کمزوری کے تقدس اور دینی آن بان کے ساتھ قائم تھی - یہود کے مقتدائے اعظم کو جو اُس زمانے کا نبی تھا الہام ہوا کہ شہر سے نکل کے سکندر کا استقبال کرے - چنانچہ سکندر کے قریب آ پہونچنے کی خبر سنتے ہی وہ اپنا مقتدائی کا لباس پہن کے مذہبی جلوس کے ساتھ باہر نکلا - اس مقدس و محترم شخص کی صورت دیکھتے ہی سکندر نہایت بے اختیاری کے ساتھ تعظیم کے لیے جھکا - اور اس قدر جھکا کہ اس سے پہلے کبھی کسی کے سامنے نہین جھکا تھا - یہ دیکھ کے اُس کے رفیق سفر پارمے نیو کو حیرت ہوگئی جسے نقش حیرت دیکھ کے سکندر نے کہا " اس مہم پر روانہ ہونے سے پہلے مقدونیہ مین مین نے اُنھین بزرگ مقدس کو خواب مین دیکھا تھا جنھون نے مجھے دعا کے ساتھ بشارت دی تھی کہ مین اپنی تمام مہمون مین کامیاب و فتحمند رہون گا " سکندر یہ کہہ ہی رہا تھا کہ مقتدائے بنی اسرائیل نے توراۃ کھول کے حضرت دانیال کی یہ پیشین گوئی سنائی کہ ایک یونانی بادشاہ سلطنت عجم کو درہم و برہم کر دے گا " ان باتون کا یہ نتیجہ ہوا کہ یہود کی حقانیت کا نقش سکندر کے دل پر جم گیا - چنانچہ شہر مین اور خاص حرم مین داخل ہو کے اُس نے اپنی طرف سے قربانی کی اور چڑھاوے چڑھائے -

بیت المقدس سے بڑی بڑی آرزوؤن اور امیدون کو دل مین لیے ہوئے …

مصر کی طرف روانہ ہوا۔ پہونچتے ہی اُس قدیم سرزمین کو بھی فتح کر کے اپنے زیر نگین کیا۔ یہان اُس نے شہر اسکندریہ کو آباد کیا پھر جیوپٹر آمون دیوتا کے مندر سے اپنے حق مین فال طلب کی۔ وہان کے پوجاری نے اُس کا حوصلہ اور بڑھا دیا۔ یہی نہین۔ اس نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ "آپ ہمارے دیوتا جیوپیٹر کے فرزند دلبند ہین" جس سے زیادہ خوش نصیبی کی کوئی سند ایک بت پرست بادشاہ کے لیے نہین ہوسکتی تھی۔

اب دارا نے پھر ایک بڑا بھاری زبردست لشکر جمع کر لیا تھا جسے لے کے مقابلہ پر روانہ ہوا تاکہ اپنی سلطنت کو یونانی فاتح کی دست برد سے بچائے۔ اس کی (خبر) سنتے ہی سکندر مصر سے چلا۔ اور جلد جلد کوچ کرتا ہوا اربیلہ (اردبیل) مین پہونچا۔ یہان ۳۳۱ قبل مسیح مین وہ دارا سے تیسری لڑائی لڑا دارا نے بہت ہاتھ پاؤن مارے مگر قسمت سے کون لڑ سکتا ہے؟ اب کی بھی شکست ہوئی۔ اور ایسی شکست کہ ایران کے خاص شہرون اور دارالسلطنتون شوسا اور پرسی پولس (اصطخر) پر بھی سکندر کا قبضہ ہوگیا۔

اس فتح کے بعد اصطخر کے ایوان شاہی مین وہ خوشی کے جشن منا رہا تھا اور مے تند کے نشہ مین مست تھا کہ تھائس نام ایتھنز کی ایک پری جمال رنڈی نے جو یونانی مذاق مین دلبری کے تمام فنون مین کامل اور اعلیٰ درجہ کی معشوقہ تھی۔ اور اس مہم مین سکندر کے ساتھ آئی تھی اُسے ایک ایسے کام پر آمادہ کر دیا جو اُسے نہ کرنے کا تھا۔ یونانیون کے دلون مین ایرانیون کا بغض بھرا ہوا تھا۔ اور اپنی قدیم تباہیون کو یاد کر کے کف افسوس ملا کرتے تھے۔ اس سنگدل حسینہ نے سکندر کو فتح مندی کے نشہ کے ساتھ شراب ارغوانی کے نشہ مین بھی چور دیکھ کے یونان پر ایرانیون کی دست درازیان۔ اور اہل یونان کی تباہیان یاد دلائین اور کہا "اس وقت موقع ہے کہ یونانی اپنا بدلہ لین اور دارالسلطنت جمشید مین آگ لگا دی جائے۔" نشہ کے جوش مین سکندر نے اسی بات کا حکم دے دیا۔ اور اصطخر مین ہر طرف آگ لگا دی گئی۔ تمام عمارتون پر شعلہ بلند ہوے۔ اور شہر جل کے خاک سیاہ ہوگیا۔ اور اسی کے ساتھ ایرانیون کا قدیم علمی ذخیرہ اور پارسی لٹریچر بھی خاک مین ملگیا۔

اب دارا سب طرف سے مایوس ہو کے باختر کی طرف بھاگا اور سکندر اُس کے

تعاقب میں آگے بڑھتا چلا جاتا تھا کہ ناگہاں خبر آئی دارا کو اُس کے ایک معزز سردار اور معتمد علیہ درباری نے جس کا نام بسُوس ہے دغابازی کے ساتھ مار ڈالا اور پارتھیا کے دشت میں اُس کی لاش خاک پر پڑی ہوئی ہے - یہ سن کے سکندر کو نہایت افسوس اور بڑا صدمہ ہوا۔ نمک حرام اور دغاباز ایرانی بسُوس کو فوراً گرفتار کرا کے قتل کر ڈالا اور خود دارا کی لاش پر دوڑ گیا۔ تاجدار عجم کی بے کفن لاش کو کمال بیکسی کی حالت میں خاک و خون میں لتھڑا اور زمین پر پڑا دیکھ کے اُسے نہایت عبرت ہوئی دنیا کی بے ثباتی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ فوراً اپنی عبا اُتار کے اُس کی لاش پر ڈال دی۔ چند آنسو بہائے۔ اور حکم دیا کہ دارا کی لاش اصطخر میں لیجا کے نہایت شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ اس کے آبائی دخمہ میں رکھی جائے جس پر پورا پورا عمل کیا گیا۔

اب سکندر کے سامنے فتح کرنے کے لیے کوئی ملک نہیں باقی تھا۔ کیونکہ یہاں سے آگے مشرق کی طرف اس زمانے سے پہلے نہ کبھی کسی تاجدار عجم نے قدم اُٹھایا تھا۔ اور نہ کسی مغربی فرمانروا کو اس کا حوصلہ ہوا تھا مگر انہی فتحوں کے حاصل ہونے سے فتحمندی کا شوق سکندر کی طبیعت ثانوی بن گیا تھا۔ چنانچہ پہلے تو اُس نے تمام اضلاع و ممالک ایران کو اپنے زیر نگین کیا۔ اور جب اور کوئی میدان حوصلہ مندی کا جوش دکھانے کے لیے نہیں باقی رہا تو ہندوستان پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر دیں۔

۳۲۶ قبل مسیح کے آغاز ہی میں وہ دریائے اٹک کے پار اترا۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ جس مقام پر وہ اس دریا سے پار ہوا تھا وہ موجودہ شہر اٹک کے کہیں قریب ہی تھا۔ اٹک سے اس پار آتے ہی وہ اُس خطہ میں تھا جو فی الحال پنجاب کہلاتی ہے۔ یہاں دریائے جہلم کے کنارے اُس سے راجہ پورس سے لڑائی ہوئی جو اُس کے مقابلہ کو بڑا زبردست لشکر لے کے آیا تھا جس میں ہاتھی بھی تھے۔ مگر سکندر کے کارآزمودہ اور صدہا میدانوں کا مزہ چکھے ہوئے سپاہیوں سے لڑنا آسان نہ تھا راجہ کو شکست ہوئی جو گرفتار کر کے سکندر کے سامنے لاکے کھڑا کر دیا گیا۔ مگر ایسی شجاعت سے لڑا تھا اور لڑائی میں اُس سے ایسے شریفانہ خودداری کے ... ہوئے تھے کہ سکندر اُس کے حال پر مہربان ہو گیا۔ اور اُس سے [illegible]

خوش ہوا۔ یا یون کہیے کہ اس ملک مین سکندر کی پالسی ہی یہ قرار پائی کہ کسی ایک کو اپنا دوست بنا لے۔ غرض خلعت و انعام کے ساتھ اُس کا ملک اُسے واپس کیا۔ اور کوشش کی کہ اُس کی قلمرو کو اور وسیع کر دے۔

راجہ پورس سے دوستی کر کے سکندر آگے بڑھا۔ اور دریاے چناب کے کنارے پہونچا۔ اس کے بعد دریاے چناب اور دریاے راوی کے درمیان کے ایسا اُوسر علاقہ ملا جس کے فتح کرنے مین اُسے کسی قدر دشواریان پیش آئین۔ یہین اُسے ایک قوم سے مقابلہ کرنا پڑا جس کا نام یونانی مورخین "کتھائی" بتاتے ہین۔ غالباً یہ جاٹ لوگ تھے جن کی اصلیت کا پتہ وخطائی ہی سے چلتا ہے اور کیا عجب کہ اُس قدیم زمانے مین اپنے اصلی وطن کی نسبت سے خطائی کہے جاتے ہون۔ سکندر نے اُنھین بھی شکست دی۔ اور ان کا ملک اُن سے چھین کے اپنے دوست راجہ پورس کو دے دیا۔

اس مہم کے بعد راوی کے پار اتر کے دریاے ستلج کے کنارے آ پہونچا جہان سے قدم آگے بڑھاتا تو وادی گنگا کے علاقہ مین داخل ہو جاتا۔ مگر اُس کی فوج مصائب سفر سے تنگ آ گئی تھی جس کے انکار نے سکندر کی اولوالعزمی کی باگ یہین پر روک دی۔ مجبوراً واپسی کا ارادہ کر کے اپنی فتوحات کی یادگار مین یہان اُس نے بارہ برج تعمیر کرائے۔ اور پنجاب کا جتنا ملک فتح کیا تھا سب راجہ پورس کے حوالے کر دیا۔

واپسی کے وقت اُس نے کشتیون کا ایک بیڑہ بنوایا۔ اور اپنے ایک افسر نیارخوس کو اپنا امیر البحر مقرر کر کے ان کشتیون کو اُس کے زیر کمان سمندر کی طرف روانہ کیا۔ اور خود بھی جنوب کی راہ لی۔ یہان راستہ مین اس سے ایک دوسری بہادر قوم سے مقابلہ ہوا جو "ملی" کے نام سے مشہور تھی۔ ان لوگون کے شہر کا جو یقیناً موجودہ ملتان تھا اُس نے محاصرہ کر لیا۔ اور بڑی سختی سے دھاوا کیا۔ یہ لڑائی اُس کی زندگی کی تمام مہمون سے سخت تھی جس مین اُس نے شجاعت بھی ایسی ظاہر ہوئی جیسی کہ کبھی نہین ظاہر ہوئی تھی۔ اور زخمی بھی ایسا ہوا کہ زندگی بھر نہین ہوا تھا۔ سچ یہ ہے کہ قضا کے چنگل سے بمشکل بچ کے چھوٹا۔ اور موت کے منھ سے پھرا۔ مگر اقبال اب بھی رکاب تھامے ہوے تھا۔ آخر ملی لوگون کو شکست ہوئی اور وہ ملتان کو فتح کر کے سندھ کے انتہائی سرحد پر پہونچا۔

یہاں سے اُس نے بیڑے کو تو کنارے ہی کنارے خلیج فارس کی طرف روانہ کیا۔ اور خود خشکی کے راستہ سے مکران ہوتا ہوا مغرب کی طرف چلا۔ اس بے آب وگیاہ ملک کے سفر میں اُسے ایسی سخت دشواریاں پیش آئیں کہ کبھی نہیں پیش آئی تھیں۔ اکثر منزلوں میں وہ اور اُس کا سارا لشکر ایک ایک قطرۂ آب کو ترس گیا۔ آخر بھوک پیاس کی تکلیفیں برداشت کرتا خدا خدا کرکے ارض فارس میں پہونچا۔ جہاں ہر قسم کا سامان راحت مہیا تھا۔ دار السلطنت سوسا میں پہونچ کے اُس نے ایک عظیم الشان دربار کیا جس میں اپنے اعلےٰ ترین اوج وعروج کی آخری تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ اور نظر آیا کہ ساری دُنیا اُس کے علم اقبال کے آگے سر نیاز جھکائے ہے

اس دربار کے بعد سوسا سے روانہ ہوکے بابل میں پہونچا۔ یہاں ایک قسم کی سمّی ہوا چلا کرتی تھی جس کے اثر سے لوگ بمشکل جانبر ہو سکتے تھے سکندر کو بابل پہونچے چند ہفتہ ہوے تھے کہ اُس سمّی ہوا کا وہ بھی شکار ہوا۔ شدت سے بخار چڑھ آیا۔ جیسے میخواری کی کثرت نے اور بڑھا دیا۔ اطباے حاذق نے کوئی تدبیر اُٹھا نہیں رکھی۔ مگر کوئی دوا کارگر نہ ہوئی اور آخر سنہ ۳۲۳ قبل مسیح میں یہیں راہی عدم ہوا جب کہ اُس کی عمر ۳۳ برس کی تھی۔ ۱۲ برس کی حکومت میں اُس نے جو کچھ کر لیا بڑی بڑی قومیں صدیوں میں نہیں کر سکی ہیں۔ اگر زیادہ جیتا تو خدا جانے کیا کرتا۔

نزع کے عالم میں وصیت کر دی تھی کہ میری لاش میرے بسائے ہوے شہر اسکندریہ میں لیجا کے دفن کیجائے۔ چنانچہ جنازہ بڑے اہتمام کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا گیا۔ اور اسکندریہ میں پہونچتے ہی بطلمیوس لاغوس نے جو مملکت مصر میں سکندر کی حکومت کا جانشین قرار پایا تھا ایک سونے کے تابوت میں رکھ کے اُسے آغوش لحد کے سپرد کیا۔ ایک مدت کے بعد بطلمیوس کی نسل کے کسی جانشین نے سکندر کی ہڈیاں اُس طلائی تابوت میں سے نکال کے ایک شیشہ کے تابوت میں رکھدیں اور وہ طلائی تابوت اپنے قبضہ میں کیا۔

سکندر کی چار بیبیاں تھیں۔ اور اُن کے ناموں اور حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ چاروں عجمیہ اور ایرانی نژاد تھیں۔ پہلی "بارسینا" جو ارطابادیس کی بیٹی تھی اُس کے باپ کا نام بول رہا ہے کہ کوئی ایرانی الاصل رئیس تھا۔ دوسری

رَوشنا جو عجمیہ شاہزادی تھی اور اُسی کے بطن سے اُس کا بیٹا سکندر پیدا ہوا تھا۔ جسے کساندر نے جو مقدونیہ یونان مین سکندر کا وارث بنا تھا مع اُس کی ماں کے نہایت سفاکی اور کور نمکی سے مار ڈالا۔ تیسری پری ساتیس" (پری زاد) جو ارتا زیرس (اردشیر) کی بیٹی تھی۔ اور چوتھی ستاتیرا جو آخری تاجدار عجم تدما نوس کی بیٹی تھی۔

سکندر کے حالات اور اُس کی اخلاقی حالت کو دیکھیے تو عجب متضاد باتین نظر آتی ہین بعض موقعون پر وہ بڑا رحم دل اور بعض موقعون پر سخت ظالم ثابت ہوتا ہے آخر مین اُس کی سرشت مین سے یونانی سادگی بالکل جاتی رہی تھی۔ ایرانی دربار اور امراے عجم کی خوشامدون نے اُسے باور کرا دیا کہ مین دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ ہون۔ یونانیون نے اُسی کے اصرار سے اُس کو دیوتاؤن کی فہرست مین درج کر لیا۔ اور خود اُس کو بھی یقین آ گیا کہ مین انسان نہین دیوتا ہون۔

شراب بہت کثرت سے پینے لگا تھا۔ اور اکثر پیتے پیتے اس قدر بدمست ہو جاتا کہ نہ اپنے نیک و بد کی خبر رہتی اور نہ اپنے پرائے کا امتیاز باقی رہتا۔ اسی نشہ مین ایک یونانی رنڈی کے کہنے سے اُس نے ایران کے قدیم دارالسلطنت اصطخر مین آگ لگوا دی اور سارا مشرقی لٹریچر فنا کر دیا اور اسی نشہ مین ایک دن اپنے جانی دوست فلیطوس کو خود ہی چھریان بھونک بھونک کے مار ڈالا۔ اور جب ہوش مین آیا تو اپنے کیے پر بہت پچھتایا۔

لیکن اُس کے ساتھ لائق اور کام کے آدمیون کا بڑا قدردان اور علم و فن کا بڑا مربی تھا۔ ہمیشہ اُس کے دربار اور اُس کی صحبت مین بڑے بڑے عالمون فاضلون فلسفیون حکیمون اور خیال آفرین شاعرون کا مجمع رہا۔

یہ تھا وہ سکندر جو ہمارے لٹریچر مین مشہور رہے۔ مگر ہمین افسوس ہے کہ اپنے شعرا کے خیال کے مطابق نہ ہم اُسے حضرت خضر سے ملا سکے۔ نہ اُس کو چشمۂ آبحیات کی تلاش مین ارض ظلمات مین سرگردان پھرا سکے۔ اور نہ اُس کے ہاتھ سے سد سکندری کو تعمیر کرا سکے۔

عثمانی سطوت کا خاتمہ

سنہ ۱۳۱۹ کی سب سے بڑی اور کبھی نہ بھولنے والی یادگار یورپ مین سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہے

دنیا مین صرف یہی ایک سلطنت باقی تھی جس کی طرف مسلمانون کی نظرین اُٹھ جایا کرتی تھین۔ اور جس کے دم سے اُن کی تمام امیدین وابستہ تھین۔ افسوس اِس سال یورپ نے اُس کا خاتمہ کر دیا۔ اور آلِ عثمان کا سارا عروج و اقبال ایک خواب و شکن ہو گیا۔

دنیا تغیر پذیر ہے۔ اور ناکام و نامراد اپنی آرزوؤن مین تھک کے اور ہر طرف سے مایوس ہو کے کہا کرتے ہین کہ اگر ہم مٹ گئے ہین تو ہمارے مٹانے والے بھی ہمیشہ نہ جیین گے۔ ایک دن آئے گا اور ضرور آئے گا جب اُن کی ہستی بھی یونہین مٹ جائے گی۔ مگر ہمین کیا۔ ہم تو مٹ گئے۔ اور اس کے بعد وہ مٹے تو کیا اور رہے تو کیا۔ بعد از سر من کن فیکون شد شدہ باشد۔ لیکن افسوس اس بات کا تھا کہ ہم بے ہاتھ پاؤن ہلائے مٹ گئے۔ مسلمان درکنار یورپ کا بھی شاید یہ خیال نہ ہو گا کہ سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ایسی آسانی سے ہو سکے گا۔ لیکن ترکون نے خراب زندگی دکھا دی اس عثمانی سلطنت کے عروج کے آغاز مین پہلے عثمان خان کے اُس خواب کو یاد کرو جب اُس نے دیکھا تھا کہ اُس کے جھنڈے کے نیچے ایک طرف دجلہ و فرات ہین۔ دوسری طرف دریاے نیل ہے۔ اور تیسری طرف دریاے ڈینیوب ہے۔ پھر اس کے بعد اس سلطنت کی تدریجی ترقیون کو دیکھو۔ اور اُس گھڑی کو یاد کرو جب سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو خشکی مین کشتیان چلا کے فتح کیا تھا کنیسۂ سینٹ صوفیا تثلیث کے مرکز سے توحید کا گھر اور کلیساے یونان کے معبد سے مسلمانون کی جامع مسجد بنا تھا۔ اور اُس کے بعد اس سلطنت کے روز افزون انحطاط کو دیکھو۔ صاف نظر آ جاتا ہے کہ کسی قسم کا عروج کیونکر تنزل کی صورت اختیار کرتا ہے۔

اس سے کسی کو انکار نہ ہو گا کہ ترکی کے زوال کا اصلی باعث یورپ کی جدید متمدن قومون کی ترقی ہے۔ جن کو گوارا نہ تھا کہ یہ پرانی اسلامی سلطنت دنیا مین باقی رہے۔ سب کے پہلے نویرینو کی بحری لڑائی مین اس کی ساری بحری قوت فنا کر دی گئی۔ اور ملک یونان کو اس کے قبضہ سے زبردستی نکال کے جنوبی بلقان مین ایک نئی آزاد مسیحی ریاست قائم کرائی گئی جس کی پیٹھ پر یورپ کا دست

شفقت تھا۔

اس کے ایک مدت بعد ۱۸۷۶ء مین روس نے اندرونی ریشہ دوانیان کر کے ممالک بلقان مین شورشین اور بغاوتین کرائین۔ اور جب باغیون کا زور نہ چلا تو خود اشتہار جنگ دے کے لڑائی چھیڑ دی۔ جس کا خاتمہ اس پر ہوا کہ سوا رومیلیا مقدونیہ اور البانیا کے تمام صوبجات ترکی کی قلمرو سے نکال کے خودسر ریاستین بنا کے گئے۔ اور ان سب کی پشت پناہی یورپ نے اپنے ذمہ لی۔ صوبجات بوسینا اور ہرزی گوونا برائے نام ترکون کے مقبوضہ قرار بھی دیے گئے تو اُن کا انتظام آسٹریا کے سپرد کیا گیا۔ جزیرہ قبرس (سائپرس) کو انگلستان نے اپنے زیر حکومت لے لیا اس کے چند روز بعد مغربی و جنوبی رومیلیا جو کوہستان بلقان کے اس پار تھا وہ بلغاریہ کو اور البانیا کا ایک ساحلی ٹکڑا زبردستی مانٹی نگرو کو دلوایا گیا۔ پھر جزیرہ کریٹ مین جھگڑے پیدا ہوے۔ اور گو بظاہر یونان کو نہین دیا گیا اور یورپ نے اپنا مجموعی قبضہ رکھا مگر یہ صرف دکھانے کے لیے ہے اصل مین وہ یونان ہی کا ہو گیا۔ اس سے پیشتر مصر پر انگریزون کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اب بلقانی ریاستون نے اتنی قوت پکڑ لی کہ حامیان یورپ کے سہارے پر ترکی کے خلاف ہتھیار اٹھا سکین چنانچہ پیشتر سلطان عبدالحمید خان کے عہد مین یونان نے سر اٹھایا مگر عبدالحمید خان کے تدبر اور اُن کی بیدار مغزی نے اُس کا سر کچل دیا۔ اور ٹرکی کی فوری کامیابی پر یورپ متحیر ہو گیا۔

لیکن اب یورپ ہی کے بھروسے پر ناتجربہ کار نوجوانان ترک نے اپنے بوڑھے مدبر سلطنت اور اپنے دانائے عصر تاجدار کو تخت سے اُتار کے جمہوری سلطنت قائم کی۔ عبدالحمید کا تخت سے علٰحدہ ہونا گویا آل عثمان کی سلطنت کے زوال کا دیباچہ تھا۔ شاہی خاندان کا ایک بیکار محض شخص تخت پر بٹھایا گیا۔ نوجوانون نے جمہوریت کا غل مچانا شروع کیا۔ اور قوم کی آزادی پر خوشیان منائی جانے لگین یہ نوجوان جوش مسرت مین باہم بغلگیر ہو رہے تھے کہ آسٹریا نے بلقان کے صوبجات ہرزگوونا اور بوسینا کو اپنی سلطنت مین شامل کر لیا۔ اس پر ترکون نے لاکھ غل مچایا کچھ نہ سنی گئی۔ مجبوراً صبر کر کے بیٹھ رہے۔ لیکن چین سے نہین بیٹھنے پائے تھے کہ یکایک اٹلی نے جا کے طرابلس الغرب پر قبضہ کر لیا جو کہ افریقہ مین ٹرکی کا

ایک بڑا بھاری صوبہ تھا۔

ترکون کے پاس کسی قسم کی بحری قوت نہ تھی۔ طرابلس مین نہ فوج بھیجی جا سکی۔ نہ اُن کی کسی قسم کی مدد کیجا سکی۔ وہان کے عرب یا دو چار ترکی افسر جو چھپ چھپا کے وہان پہنچ گئے جوش و خروش کے ساتھ لڑتے رہے اور ترکون کی بیچارگی پر بھی اٹلی سے ملک پر قابض ہونے کی کوئی صورت نہین بن پڑتی تھی۔ یکایک بلقان کی ریاستون نے اشتہار جنگ دے دیا۔ اور ترکون کو سوا اس کے کہ طرابلس سے دست بردار ہو کے اٹلی سے صلح کر لین کسی بات مین مفر نہ تھا۔

لیکن اب بلقان مین لڑائی چھڑ چکی تھی۔ ایک طرف سے بلغاریہ دوسری طرف سے سرویا۔ تیسری طرف سے مانٹی نگرو۔ اور چوتھی طرف سے یونان نے اپنی فوجین بڑھائین۔ اور ترکون کے بنائے کچھ نہ بنتی تھی۔ وہ لوگ برابر بلاد مقبوضہ پر قبضہ کرتے جاتے تھے اور یہان لڑائی کے لیے ابھی تیار نہ تھے۔ کافی فوجین سرحد پر موجود نہ تھین۔ غرض روک تھام نہ ہو سکی اور جب تک قسطنطنیہ سے نئی فوجین روانہ ہوئین سارے مقدونیہ اور البانیہ اور رومیلیا پر دشمنون کا قبضہ تھا۔ اب ترکی لشکر اتنا جمع ہو چکا تھا کہ امید تھی وہ سب کو مار کے ہٹا دے گا اور پھر اپنے شہرون پر قبضہ کر لیگا مگر اب یورپ کی دراندازی سے صلح کی گفتگو چھڑ گئی۔ اور جب ترکون کی جانب سے لڑائی پر قطعی آمادگی ظاہر کی گئی تو دول یورپ نے یہ دیکھ کے کہ اب لڑائی ہوئی تو ریاست ہاے بلقان کو نقصان پہنچ جائے گا۔ یہ دھمکی دی کہ اگر ایڈریا نوپل کو کو نہ چھوڑو گے اور ہماری تجویز کے مطابق فیصلہ منظور نہ کرو گے تو تمھاری ایشیائی قلمرو مین بھی ہنگامہ پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ روس اُس ملک پر فوج کشی کرنے کے لیے تیار بیٹھا تھا سابق کی ذلیل وزارت عثمانی ہر طرح کی ذلت گوارا کرنے کو تیار ہو گئی تھی مگر غیور نوجوانان ترک اُٹھ کھڑے ہوے۔ اور سر بکف ہو کے سارے یورپ کے سامنے کھڑے ہو گئے کہ تمھارا جو جی چاہے کرو ہم جان دین گے مگر عزت نہ دین گے۔

حال کی گزشتہ لڑائیون مین ترکون کو بیشک بُری طرح کی شکستین ہوئین مگر اس کا الزام سابق کے ناپاک و نالائق وزرا پر ہے پھر بھی ایک بڑی حد تک ترکون کو الزام دیا جاتا ہے۔ اور یورپ خوشیان منا رہا ہے کہ جس شیر سے ہم ڈر رہے تھے وہ

بڑھا ہو گیا۔ مگر مسلمانان ارض ترکون کی شکستون سے بہت ہی متاثر ہو کے انھین ملزم ٹھہراتے ہین۔

ترک بیشک ملزم ہین۔ مگر اِس الزام کے ملزم نہین کہ انھون نے اچھی طرح دشمنون کا مقابلہ نہین کیا۔ بلکہ اِس الزام کے کہ باوجود دنیا کی حالت دیکھنے اور دوسرے ملکون کی ترقیون سے واقف ہونے کے انھون نے اپنی اور اپنے ملک کی کبھی اصلاح نہین کی۔ یورپ کو یا کسی کو الزام دینا بیکار ہے۔ دنیا کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ زبردست کمزور کو کھا جائے گا۔ ہم اُسی وقت تک زندہ رہنے اور زندہ رہنے کے مستحق ہین۔ جب تک اپنی حفاظت کر سکتے ہین۔ اور جس دن ہم اپنی حفاظت نہ کر سکین گے اُسی روز فنا ہو جائین گے۔ ترکون ہی پہ منحصر نہین ساری دنیا کے مسلمانون مین اس بلا کا جمود ہے اور ترقی سے وہ اس قدر بھاگ رہے ہین کہ کسی قسم کے فلاح کی امید نہین کیجا سکتی۔

ان واقعات کے بعد غالباً ترکون کے پاس یورپ مین صرف مشرقی رومیلیا رہجائیگا مگر ایشیا مین ابھی بہت بڑا وسیع ملک باقی ہے۔ سارا ایشیاے کوچک شام۔ یمن۔ عراق اور عرب انھین کی قلمرو مین ہین۔ مگر کیا یہ صلح اس کی ذمہ دار ہے کہ یورپ کی ہوس ملک گیری موقوف ہو گئی؟ ہرگز نہین۔ یورپ مین اُن پر دست برد حاصل کرنے کا جوش اب اور بڑھ جائے گا قسطنطنیہ اب ترکون کے پاس صرف چند روز کا مہمان ہے۔ اور اُن کے قبضہ مین اس کے چھوڑ دینے کے اصلی معنے یہ ہین کہ ہم تم کو یکبارگی جلاوطن کرنا نہین چاہتے۔ ایشیا کے کسی شہر مین اپنے مکان بنا لو۔ اور نقل مکان کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ وقت آگیا جب سینٹ صوفیا جامع آیا صوفیہ سے پھر کنیسۂ سینٹ صوفیا بنے گا۔

گھڑی بھر کو ہم نے مان لیا کہ قسطنطنیہ کو بھی یورپ نے چھین لیا اور ترکون نے اُسے ٹھنڈے دل سے قبول کیا۔ کیونکہ اُن کو اس سے مفر نہین ہو سکتا۔ تو اس کے بعد کیا وہ ایشیاے کوچک مین چین سے بیٹھ سکین گے؟ ہرگز نہین۔ اب اُنھین ایک گھڑی کے لیے بھی چین نہین نصیب ہو سکتا۔ بیشک یورپ کا ایسٹرن کوئسشن (مشرقی مسئلہ) ختم ہو گیا مگر اب "کوئسشن آف دی ویسٹ ایشیا" مسئلہ

مغربی ایشیا) پیدا ہوگا - اور سارا یورپ جب اور فکرون سے خالی ہوگا اسی امر پر طبع آزمائیان کرنے لگے گا کہ ایشیاے کوچک کا کیا انتظام کیا جاے - اور ہوتے ہوتے چند روز مین عراق پر برطانیہ عظمی شمالی ایشیاے کوچک ارض روم کردستان اور ارمینیہ وغیرہ پر روس - اور شام و فلسطین پر فرانس اپنے حقوق ثابت کرینگے اور اس کی تقسیم و تجزیے کی کارروائیان چھڑینگی -

یہ سب کیون ہوا اور ہوگا اس لیے کہ ترکون نے باوجود موقع پانے کے کبھی اپنی اصلاح نہ کی - محمود خان کے زمانے مین باوجود قوی مخالفتون کے اتنا تو ضرور لیا گیا تھا کہ فوجون کا لباس اُن کی ترتیب - اور اصول جنگ یورپ کی ترقی یافتہ قومون کے مطابق ہو گئے - اور فوج جرمن افسرون کی زیر تعلیم رکھی گئی - اور اسی کی برکت تھی کہ دولت عثمانیہ کی زندگی دوسری اسلامی سلطنتون سے زیادہ ہوئی - اور پامال ہونے مین وہ سب سے پچھلی اسلامی سلطنت ہوگی -

لیکن فوجی ترقی مین بھی بہت سے فنون اور اصول سائنس کی پیروی لازمی ہو گئی ہے - بحری قوت آج کل سلطنت کی نگہداشت کے لیے بہت ہی ضروری ہے - یون تو ہر سلطنت اس کی اہمیت کو تسلیم کر رہی ہے اور جس کے پاس جتنے جنگی جہاز ہین اتنی ہی وہ زبردست سمجھی جاتی ہے مگر ایک اسلامی سلطنت کے پاس بحری قوت کا نہ ہونا تو اُس کی موت کی قطعی علامت تھی - مسلمان دنیا کے دور دراز ممالک مین پھیلے ہوے ہین - اور سب کی دلی خواہش اور آرزو یہ ہے کہ جہاد کرین اور توحید کی حمایت مین جان دین - مگر بغیر بحری قوت کے اُن کی مدد اور ہمدردی سے کس قسم کا فائدہ نہین اُٹھایا جا سکتا - اور جو جہان ہے وہین پڑا سر دُھنا کرتا ہے اور کچھ نہین کر سکتا - اگر جنگی جہازون کے ذریعہ سے ترک فوج کو اپنی قلمرو تک پہونچا سکتے تو ایک مہینے کے اندر کروڑون مسلمان پہونچ جاتے سارا عرب کوہسار بلقان کے دامن مین ہوتا - اور دوسرے ملکون سے بھی لاکھون مسلمان جا پہونچے ہوتے جو اپنا سامان جنگ اور کھانا پینا بھی اپنے ساتھ لاتے - لیکن دریا کا راستہ بند ہونے کے باعث نہ کسی غیر ملک کا ایک متنفس اُن کی مدد کو پہونچ سکتا ہے اور نہ خود اپنے ممالک سے وہ سپاہیون کو میدان مین پہونچا سکتے ہین -

موجودہ زمانے مین تمدن ہی کے لحاظ سے نہین بلکہ فوجی ضرورتون اور اپنی حفاظت کے خیال سے بھی ملک مین کثرت کے ساتھ ریلون کا جاری ہونا لازمی ہے - ریلون کے ذریعہ سے ملک کی آمدنی بیس گنی ہو جاتی ہے - تمدن بڑھتا ہے - امن و امان قائم ہوتا ہے - اور سرحد پر دنون اور ہفتون مین لاکھون فوجین پہونچا دی جا سکتی ہین لیکن ترکون کو باوجودیکہ اِن ضرورتون کو بخوبی سمجھ سکتے تھے اور بڑے وس ہی مین یورپ کی ترقیون سے اصلی اسباب ترقی کا مشاہدہ کر سکتے تھے - مگر اُنھین اس کی کبھی فکر نہین ہوئی - اُن کا مقتضاے حکومت یہ ہی رہا کہ ملک مین جہان تک ممکن ہو ریلین نہ جاری ہونے پائین - اور متمدن ممالک یورپ کی کمپنیون کو بعض ریلون کی اجازت باب عالی سے دی بھی گئی تو نہایت ناگواری کے ساتھ اور سخت مجبور ہو کے۔

یورپ کی یہ دھمکی کہ "اگر اڈریانوپل نہ دوگے تو ایشیاے کوچک مین ہنگامہ برپا ہو جائے گا اور اُس کے ذمہ دار تم ہوگے" ترکون کے لیے اس قدر خطرناک کیون ہے؟ اور اس کے خلاف کرنا ترکون کے حق مین خودکشی کیون خیال کیا جاتا ہے؟ ذرا ایشیاٹک ٹرکی کا نقشہ سامنے رکھ کے غور کرو - کوہ ارارات (جودی) جہان ترکون روسیون اور ایران کی سرحد ملی ہے وہان سے لے کے ساحل بحر اسود تک ترکون کا سرحدی صوبہ ارض روم ہے - ارض روم سے قسطنطنیہ تقریباً ۵۰۰ میل بغداد تقریباً ۵۰۰ میل دمشق تقریباً ۴۰۰ میل ہے - لہذا اگر فوج کی رفتار یومیہ ۲۰ میل کی رکھی جائے تو قسطنطنیہ سے پچیس دن مین بغداد سے ساڑھے بارہ دن مین اور دمشق سے ۲۰ دن مین ترکی فوج سرحدی صوبہ مین پہونچ سکتی ہے - کیونکہ ریل گئی ہنین ہے - جہاز پاس ہین نہین اور دو چار ہین تو حریف کی زبردست بحری قوت کے اندیشہ سے اُن سے کام ہنین لیا جا سکتا - اِس کے مقابل روسیون کی ریل سرحد کے قریب تک جاری ہے - جو چند ہی روز مین لاکھون سپاہی پہونچا دے سکتی ہے۔

ترکون کے صوبجات طرابزند اور قسطمونیہ بحر اسود کے کنارے ہین جن مین روسی جہاز جس وقت جہان چاہین فوج اُتار سکتے ہین - نتیجہ یہ کہ جب تک ترک ان سرحدی اور ساحلی صوبون مین لشکر پہونچائین پہونچائین روس اُن کے ایک بڑے

حصّہ پر قبضہ کر چکے گا - اور اگر اُس نے تھوڑے حصہ پر بھی قبضہ کر لیا تو دول یورپ مین ایشیاے کی تقسیم کا مسئلہ چھڑ جائے گا - اور ترکون کو اس کا موقع بھی نہ مل سکے گا کہ اپنے لشکر سے کام لین - اور جان بازی کا حوصلہ بھی نکال سکین -
افسوس اب وقت ہاتھ سے نکل گیا - اور گذشتہ غفلت کا خمیازہ لازمی چیز ہے جس سے مفر نہین ہو سکتا -

حضرات ناظرین

یہ جنوری سنہ ۱۹۱۲ع کا دلگداز بھی جناب کی خدمت مین پہونچتا ہے - فروری کا زیر طبع جو عنقریب حاضر ہوگا - اور اُمید ہے کہ مارچ کے دلگداز سے پہلے یا اُس کے ساتھ ہی ہم وہ نیا ناول ہدیہ جو خریداران سنہ ۱۹۱۲ع کی خدمات مین پیش کیا جانے والا ہے حسب معمول عہ پر وی پی حاضر ہوگا - امید ہے کہ آپ اُسے قبول فرمائین گے - اب وقت آگیا ہے کہ آپ مستعدی سے توجہ فرمائین - اور اپنے خادم دیرین دلگداز کی اعانت دستگیری کے لیے تیار ہون -

فلورا فلورنڈا

اس ناول کا پہلا ایڈیشن مدت ہوئی ختم ہو گیا اور بازار مین جو ایڈیشن ملتا ہے نہایت ہی ناقص اور خراب ہے - مگر ملک نے اس ناول کو اسقدر پسند فرمایا ہے کہ ہمیشہ خطوط آتے رہتے ہین کہ اچھا چھپا ہوا نسخہ بھیجا جائے - انھین ضرورتون سے دلگداز نے اس کا لائبریری ایڈیشن تیار کیا ہے جس کی قیمت باوجود سفید چکنے ولایتی کاغذ پر ہونے - اور بہت صاف اور واضح چھپنے کے وہی ڈیڑھ روپیہ (عہ) ہے - چونکہ دلگداز کے ذریعہ سے تمام حضرات کو اطلاع دے دیگئی اس لیے مکرر کارڈ بھیجنے کی ضرورت نہین - جنوری سنہ ۱۹۱۲ع کے دلگداز کی اشاعت کے دس بارہ روز بعد تمام خریداران لائبریری ایڈیشن کی خدمت مین عہ۱۱ پر وی پی روانہ ہوگا -

خادم قوم منیجر دلگداز

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

نمبر ۲ جلد ۱۵

فروری سنہ ۱۹۱۳ء مطابق حوت سنہ ۱۳۳۱ ہجری

ایڈیٹر

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

مینیجر و پبلشر

خاکسار حکیم سراج الحق عفا اللہ عنہ

جو

دلگداز پریس میں چھپ کے لکھنؤ [illegible]

سے شائع ہوا

کنج عزلت

دُنیا کے جھگڑو! تم سے نجات پانے اور تمھاری تکلیفون سے بچنے کے لیے کوئی مقام بھی ہے؟ جہان ہم اطمینان سے بیٹھ سکین۔ اور کوئی ہمین نہ ستائے۔ فارغ البالی کی زندگی بسر کرین۔ اور کوئی ہمارے عیش کو بے مزہ نہ کرے۔ کسی فکر کو پاس نہ پھٹکنے دین اور کسی تردد کی ہم تک رسائی نہ ہو۔ اگلے کہہ گئے ہین "ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را" لیکن وہ "گوشۂ تنہائی" کہان ہے؟ ہم نے تو ہزار ڈھونڈھا کہین نہ پایا۔ لاکھ سر مارا کہین پتہ نہ چلا۔ آخر وہ کدھر ہے؟ کس جگہ ہے؟ کس سرزمین مین ہے؟ اور کس اقلیم مین واقع ہے؟ جہان جاتے ہین اور جس طرف نظر اُٹھا کے دیکھتے ہین اُس سچے "امن اور حقیقی جاے پناہ" کا سُراغ نہین لگتا جہان تک فکرین نہ پہونچنے پاتی ہون۔ اور خیالات پریشان کی رسائی نہ ہوتی ہو۔

کیا وہ ظلمات مین ہے جہان آبحیات ہے؟ جس کی تلاش مین اگلے ہزارہا سرگردان رہے مگر نہ پایا۔ جس کی جستجو مین بڑے بڑے سیاحون نے دنیا کی خاک چھانی اور نہ پہونچ سکے۔ لوگ کہتے ہین کہ حضرت خضر سکندر کو آب حیات کے چشمہ پہ لے گئے۔ جام حیات پیا۔ اور چاہا کہ سکندر کو بھی پلائین مگر اُس چشمہ کے کنارے اس قدر جاندار زندگی کے ہاتھون سے عاجز اور موت کے آرزومند دکھائی دیے کہ سکندر کو جینا بلاے جان نظر آیا۔ اور یہ خیال کر کے کہ ایسے جینے سے مرنا بہتر ہے آبحیات کے پینے سے انکار کر دیا۔ مگر

خضر نے سیر ہو کے پیا۔ جس کے پیتے ہی وہ موت سے آزاد اور ملک الموت کی پہونچ سے باہر ہو گیا۔ مگر ناکام و نامراد سکندر جس نے بہادری کے ساتھ زندگی و موت کی کشمکش میں پڑنا گوارا کر لیا تھا فکروں کا ناقابل برداشت بوجھ اپنے سر پر لادے ہوئے واپس آیا۔ اس سے بحث نہیں کہ دونوں میں سے کون اچھا رہا۔ مگر بظاہر ہمیں تو دونوں برابر نظر آتے ہیں۔ آج ہماری آنکھوں کے سامنے نہ خضر ہی موجود ہیں اور نہ سکندر۔ خضر نے اگر آبحیات پی کے ابدی زندگی حاصل کی تو سکندر کو بھی اُس کے کارناموں نے آج تک مرنے نہیں دیا۔ دونوں کے نام رہتی دُنیا تک رہیں گے۔ اور کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتے۔ موت و زندگی نے اُن کے جسموں کے ساتھ جو سلوک چاہے کیا ہو مگر اُن کے ناموں پر موت کا زور بالکل نہیں چل سکا چنانچہ زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔

یہ مانا کہ سکندر دُنیا سے رخصت ہو گیا اور خضر موجود سُنے جاتے ہیں مگر خضر و سکندر میں اصلی فرق زندگی و موت کے لحاظ سے نہیں بلکہ ایک دوسری حیثیت سے ہے سکندر نے چاہے خضر کے آبحیات کو نہ پیا ہو۔ مگر اُسے آبحیات کا ایک دوسرا چشمہ مل گیا جس کی وجہ سے اُس نے بھی ابدی و سرمدی زندگی حاصل کر لی مگر جو چیز خضر کو ملی اور سکندر کو نہ مل سکی وہ کنج عزلت یا گوشۂ تنہائی ہے۔ بدنصیب سکندر کو وہ کنج عزلت نہیں مل سکا۔ حسرتوں اور آرزوؤں۔ ہوسوں اور تمناؤں کا ایک بار عظیم سر پر لیے ہوئے وہ چاروں طرف پھرا اور کہیں وہ خموشی اور بے فکری کا مامن نہ مل سکا جہاں اپنے سر کے بوجھ کو پھینک کے وہ بے پروائی اور آرام کی زندگی بسر کرتا۔ لاکھ سر مارا۔ اگر کچھ زور نہ چلا اور آخر اُسی بوجھ کے دباؤ سے بیمار پڑ کے بابل میں مر گیا۔

مگر خضر کو وہ گوشۂ عزلت مل گیا۔ جہاں نہایت اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ کوئی فکر پاس نہیں پھٹکنے پاتی۔ کسی آفت کا سامنا نہیں ہوتا۔ کوئی خطرہ دل میں نہیں آتا۔ اور کوئی سودا دماغ میں نہیں سماتا۔ دُنیا میں ہیں مگر کوئی اُن تک پہونچ نہیں سکتا۔ زندہ ہیں مگر زندگی کی الجھنوں سے آزاد۔ ایک کونے میں خاموش و بے غرض بیٹھے ہیں۔ اور دُنیا کے تغیرات ایک دائمی تھیٹر بن کے اُنھیں روز ایک نیا تماشا دکھاتے اور عالم تخلیق کے ایکٹر ہر لحظہ اُن کے سامنے نیا کھیل کھیلتے ہیں۔ بچوں کی اُس سیر بین کی طرح جس میں شیشے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہر گھڑی پہلا نقشہ بگاڑتے اور نیا بناتے ہیں دُنیا کا جغرافیہ روز

بدلتا ہے۔ پل پل مین پُرانا کارخانہ غائب اور نیا قائم ہوتا ہے۔ ہر روز ایک نیا بہادر میدان مین آکے جوہر شجاعت دکھاتا۔ ہزارون اور لاکھون نبرد آزماؤن کو مغلوب کرتا۔ شہرت و ناموری حاصل کرتا۔ اور خاک مین مل جاتا ہے۔ بڑے بڑے متبحر عالم۔ فاضل حاذق طبیب و معالج۔ کامل فن صنّاع و مہندس ناموری کے اسٹیج پر آتے اور اپنے کمالات و ہنر دِکھانے کے بعد نہایت ہی حسرت و ناکامی کے ساتھ دوسرون کے لیے جگہ چھوڑ کے چلے جاتے ہین گمنام اور کم مایہ مُلک عروج پکڑتے۔ دولت و حشمت مین نمود حاصل کرتے اور پھر ذلت مین پڑ جاتے ہین۔ سلطنتین بنتی اور بگڑتی ہین۔ اور قومین ناموری کے ملاءِ اعلے پر پہونچ کے گرتی اور حضیض ادبار کے تحت الثرٰی مین پہونچ جاتی ہین۔ ان تمام انقلابات عالم سے سب متاثر ہوتے۔ ہنستے اور روتے۔ خوشیان مناتے اور مبتلاے الم ہوتے ہین۔ مگر اکیلا ایک شخص اپنے خاموشی کے گوشۂ عزلت سے اِن چیزون کا تماشا دیکھتا اور لطف اُٹھاتا ہے۔ وہ کون ہے؟ حضرت خضر۔ شعرا اُن پر جا بے جا جیسی آڑی ترچھی آئین۔ آج کل کے انگریزی دان اور پُرانے اہل حدیث چاہے اُن کی زندگی سے انکار ہی کیون نہ کر دین۔ مگر اُنھین پروا نہین۔ ہماری طرح ناتجربہ کار ہوتے تو لوگون کے تاننے اور شاعرون کے چھیڑنے سے کبھی نہ کبھی برافروختہ ہو کے اپنے کنج عزلت سے باہر نکل آتے۔ مگر نہین اُن پر کسی بات کا اثر نہین ہوتا۔ وہ پروا ہی نہین کرتے کہ دنیا والے اُن کی نسبت کیا کہتے ہین۔

خضر نے سکندر کو آب حیات کے چشمہ تک پہونچا دیا مگر اپنا وہ عزلت کدہ اور حوادث روزگار سے بچنے کا مامن نہ دکھایا کہ اُسے جینے مین مزہ آنے کی اُمید ہوتی۔ اور یہ اندیشہ نہ پیدا ہوتا۔ کہ زندگی عذاب ہو جائے گی۔ اُسے اگر خضر کا وہ مامن مل جاتا تو پھر وہ اُس بڑھاپے کی بے دست و پائی کا ذرا بھی خیال نہ کرتا اور ہوس ملک گیری سے بھی دست بردار ہو جاتا۔

سچ یہ ہے کہ دُنیا مین کنج عزلت ہی وہ زبردست قلعہ ہے جہان تک حوادث روزگار کی رسائی نہین ہوتی۔ اور دست بُرد زمانہ جس کا کچھ نہین بگاڑ سکتی بڑی بڑی سلطنتون اور بڑے بڑے فاتحون نے دُنیا مین سیکڑون ایسے مضبوط اور زبردست قلعے بنائے ہین جن پر لوگون کو بڑے دعوے تھے۔ بابل و نینوا کے ایسے قدیم شہرون

سے زیادہ محفوظ اور عمدہ سے کے شہر اور قلعہ کون ہون گے؟ مگر زمانے کے بے درد ہاتھون نے سب کو مٹا دیا۔ اس مین شک نہین کہ آج کل کے قلعے پرانے قلعون سے زیادہ محفوظ اور ناقابل گزر ہوتے ہین جن کے قریب تک بھی دشمن کا گزر نہین ہو سکتا۔ مگر اس مین بھی کسی کو شک نہ ہوگا کہ زمانے کا دستِ ستم کبھی نہ کبھی اُن کو مسمار کر ہی دے گا۔ اور آفاتِ ارضی و سماوی کی فوجین اور مرورِ ایام کے حملہ آور انھین مٹا کے رہین گے۔

لیکن کنج تنہائی کے سیدھے سادے اور بے تکلف قلعہ تک نہ کوئی دنیا کا زبردست سے زبردست فاتح پہونچ سکتا ہے۔ اور نہ ان قدرتی حملہ آورون کی رسائی ہو سکتی ہے جو دنیا کی ہر چیز کے مٹانے پر تیار رہا کرتے ہین۔ فلک بے مہر کے ستم ساری دنیا پر ہوتے ہین مگر اس گوشۂ عزلت تک اُس کا ہاتھ بھی نہین پہونچ سکتا۔

الغرض کنج عزلت ہی وہ مقام ہے جہان ہم ہر قسم کے آزار اور ہر طرح کے آلام و حوادث سے نجات پا سکتے ہین مگر افسوس اُس کا پتہ نہین۔ اور نہ کوئی پتہ دینے والا ہے۔ خضر نے سکندر کے ایسے نامی دوست کو آب حیات کا چشمہ بتا دیا مگر اُس گوشۂ عزلت کا پتہ نہ دیا جہان وہ کمال فارغ البالی کی زندگی بسر کر رہے ہین تو بھلا ہمین یا کسی اور کو کیا پتہ دین گے؟ بعض بعض بزرگون سے کبھی کبھی خضر سے ملاقات بھی ہو جایا کرتی ہے مگر افسوس ہمین کہین نہ ملے۔ ورنہ اُن سے پوچھتے اور التجا کرتے کہ کبھی ہمین بھی اپنے عشرت کدے کی سیر کرا دیجیے۔ دیکھین تو سہی وہان کیا ہے اور کیسے کیسے سامان عیش مہیا ہین کہ کسی قسم کی فکر پاس نہین پھٹکنے پاتی اور آلام و ہموم دور ہی دور رہتے ہین۔

لیکن ایسا نہین۔ جس گوشۂ عزلت مین افکار و آلام سے نجات ملتی ہے وہان کچھ ہی نہین۔ نہ کوئی عیش کا سامان ہے۔ نہ کسی قسم کی دلچسپیون کے کھیل ہین نہ ہمارے مذاق کا ولایتی فرنیچر ہے۔ نہ جدید آلات و ذرائع عیش ہین جو سائنس کے معجزات سے ان دنون پیدا ہو گئے ہین۔ نہ وہان بادۂ احمر کے دور چلتے ہین اور نہ کسی زہرہ جبین کا وصال ہوتا ہے۔ بلکہ بڈھا کے خیال کا نروان ہے جس مین عدمی کیفیتون کی سوا ہستی کا کوئی کرشمہ نہین۔ وہان جو کچھ لذت و مسرت ہے اسی بات کی ہے کہ کوئی چیز نہین۔ بلکہ

وہاں پہونچنے کے بعد شک پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم بھی ہیں یا نہیں۔

اِس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنجِ عزلت کہیں گور غریبان کے پاس ہوگا۔ بیشک یہ خوابگاہِ عدم کے مست خواب جس بےفکری کے ساتھ قیامت سے شرط باندھ کے بیٹھے ہیں اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنجِ عزلت میں پہونچ گئے۔ جہاں خاموش لیٹے ہیں۔ نہ کسی سے بولتے ہیں نہ چالتے ہیں۔ اور یہاں تک بےپرواہیں کہ زمانہ خود اُن کے جسم کے ساتھ جیسا سلوک چاہے کرے بُرا نہیں مانتے۔ گوشت سڑ کے خاک ہو جائے تو پروا نہیں۔ ہڈیاں گل کے مٹی میں مل جائیں تو فکر نہیں۔ ہم دو ہزار مرتبہ کسی نشترِ خرام کی ٹھوکر سے مر کے زندہ ہوئے مگر یہ کسی کی نہیں سنتے۔ اب نہ کسی کے لبِ جاں بخش کی مسیحائی چلتی ہے۔ اور نہ انھیں کسی شوخ ادا کی قیامت خرامیاں جگاتی ہیں جس رُخ پر لیٹ گئے لیٹ گئے پھر کروٹ بھی نہیں بدلتے۔ یقیناً یہ کنجِ عزلت میں پہونچ گئے ہیں۔ اور وہ لطف اُٹھا رہے ہیں جس کے جان دینے پر بھی نصیب ہونے کی ہمیں امید نہیں۔

لیکن نہیں۔ سُنتے ہیں کہ ان خاموشانِ ازل کو بھی قیامت کا دھڑکا لگا ہوا ہے چاہے ہم سے نہ بولیں۔ ہماری بات کا جواب نہ دیں۔ اور اس کے روادار نہ ہوں کہ ان کی خاموشی کی لذت کسی اور کو بھی نصیب ہو سکے مگر زندگی مابعد الموت کے جھگڑوں۔ اور ثواب و عذاب کے اندیشوں سے نہایت پریشان و متردد ہیں کھٹکا لگا ہوا ہے کہ دیکھیے آیندہ کیا ہوگا۔ اور روزِ جزا میں کیسی پیش آئے گی۔ افسوس وہ گوشۂ عزلت جہاں فکروں اور خطروں کا گزر نہ ہو یہاں بھی نہیں ملا۔

تو اُسے کہاں ڈھونڈھیں؟ کیا مایوس ہو کے بیٹھ رہیں؟ مگر ہاے فکریں اور روز روز کے آلام و حوادث بیٹھنے بھی تو نہیں دیتے۔ جب کسی آفت کا سامنا ہوتا ہے یہی جی چاہتا ہے کہ وہ کنجِ عزلت مل جاتا جس میں پہونچتے ہی دروازہ بند کر کے بیٹھ رہتے اور اس آفت سے نجات مل جاتی۔ اور جس گھڑی مصیبت سر پر آ کے پڑ جاتی ہے دل کا تقاضا شروع ہوتا ہے کہ اُسی گوشۂ تنہائی کو ڈھونڈھ نکالو جہاں حضرت خضر مسرت دارآرام اور اطمینان دامن و امان کے ساتھ جا کے بیٹھ رہے ہیں۔

جس طرح کیمیا کے متعلق ہزاروں آدمیوں پر شبہ ہوتا ہے۔ اور پھر بھی پتہ

نہیں چلتا کہ اُس کا نسخہ کسے معلوم ہے؟ اسی طرح ہمیں ہر گروہ اور ہر شخص پر دعوکا ہوتا ہے کہ اُسے گوشۂ عزلت کا راستہ معلوم ہوگا۔ لیکن جستجو کے بعد کوئی ایسا نہیں ملا جو اُدھر کا راستہ تبائے اور ہم راہ نجات کے مسافروں کے وہاں پہونچیں۔

زیادہ تر گمان تارک الدنیا لوگوں اور علماے روحانیین پر ہے کہ انھیں اس منزل نجات کا سراغ لگ گیا ہے۔ اس لیے کہ انھیں جیسا اطمینان قلب حاصل ہے۔ اور جیسا ان دنیوی کو یہ جیسی بے پروائی اور کمال استغنا کی نظر سے دیکھتے ہیں اور کسی کو نہیں دیکھا گو ان میں بھی بہت سے ایسے دنیا پرست ہیں جن کے دل میں ہمارے، لون سے زیادہ ہوسیں بھری ہوئی ہیں مگر انھیں کی وضع میں چند ایسے سچے بہادر سُورما بھی ہیں جنھوں نے نفس کشی اور جہاد نفسانی کے ذریعے سے کنج عزلت کے زبردست قلعہ کا پتہ لگا کے اُسے فتح کر لیا ہے۔ کاش اُن تک ہماری رسائی ہوتی اور اُن کے ہاتھ میں ہاتھ دے کے ہم التجا کرتے کہ ہمیں بھی وہیں پہونچا دیجیے جہاں آپ ہیں لیکن قیامت تو یہ ہے کہ جو اطمینان قلب کے سچے عزلت کدے میں پہونچ گیا اُسے ساری دُنیا سے نفرت ہو گئی۔ ہم اُسے ہزار تلاش کریں وہ ہم سے دُور ہی دُور رہتا اور ہماری صورت دیکھ کے بھاگتا ہے۔

لیکن جب اور سب راستے بند ہیں تو ہمیں ایسے ہی فاتح کنج عزلت کا انتظار کرنا چاہیے شاید کہیں مل جائے۔ ہماری التجائیں اُس کے دل پر اثر کریں اور وہ ہمیں اُس حقیقی امن میں پہونچا دے۔ گوشۂ تنہائی کے ملنے کی اگر کوئی سبیل ہے تو بس یہی ہے۔ اور اتنا سہارا ابھی ہمیں زندگی بسر کر دینے کے لیے کافی ہے۔

الپ ارسلان

زوال میں عروج کی داستان اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ لوگ کہتے ہیں کہ مرثیہ کے محل پر قصیدۂ تہنیت سُنانا بالکل بے محل ہے۔ مگر صاحبو! آخر کسی طرح ہم اپنے دل کو تسلی بھی تو دیا چاہیں۔ سچ یہ ہے کہ غم میں خوشی کو یاد کر کے تسکین ہوتی ہے۔ اور خوشی میں غم کو پیش نظر کرنے سے خمار عیش اتر جاتا ہے۔ اس سے پہلے کہا جاتا تھا کہ سلف کی یاد

مشاہدہ کرکے خلف مین اولوالعزمی وہمت کا جوش پیدا کرنا چاہیے۔ مگر اب تو وہ عالم ہے کہ بقول مولانا حالی کے "اب خوف ہے مدت سے دلون مین نہ رجا ہے" تو حوصلہ دلانا کیسا؟ اور ہمت بندھانی کسے؟ اب تو فقط اپنے ظلمتکدۂ غم مین عیش و دلنشین کی یاد کا چراغ جلاتا ہے۔ اور دل جو موجودہ مصائب وآلام کی چھریون سے صدچاک ہوگیا ہے اُس پر اِس خیال کا مرہم رکھتا ہے کہ آج اگر ہم تباہ ہین تو کیا ہوا کبھی ہم بڑے اقبال مند تھے۔

عربون کے دور کے ختم ہونے کے بعد جن بیرونی ناموران اسلام پر ہمین ناز ہے اُن مین ایک سلطان "الپ ارسلان" ہے۔ اُس کا اصلی نام محمد بن جعفر بیگ داود بن میکائیل بن سلجوق تھا۔ ابوشجاع کنیت تھی۔ عضدالدولہ الپ ارسلان لقب تھا۔ اور تاجداران آل سلجوق مین سے دوسرا فرمان روا تھا۔

اس موقع پر ضرورت ہے کہ ہم سلجوقیون کی اصلیت مختصر الفاظ مین بیان کردین۔ بخارا سے ۲۰ میل کی مسافت پر ترکون کا ایک گروہ رہتا تھا جس کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی وہ سب ترکی الاصل تھے۔ اور اپنے مقام پر قوت پکڑتے جاتے تھے۔ اُن کا سرغنا سلجوق کی نسل سے تھا جس کے نام کی وہ سب عزت کرتے اور اُسی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے تھے۔ حملہ آور اُن سے پیش نہ پاتے۔ اس لیے زیادہ تر غنادہ دشمن سے لڑتے اور جب یون زور نہ چلتا تو بھاگ کے بالو کے تودون مین چھپ جاتے۔ اور کوئی تعاقب نہ کرسکتا۔ سلطان محمود غزنوی کو سارے زابلستان اور خراسان پر مسلط ہونے کے بعد اُن لوگون کا حال معلوم ہوا۔ اور فوج کشی کرکے انھین شکستین دین۔ پھر اس کے بعد استمالت کے ذریعے سے اُن کے سردار کو اپنے پاس بلاکے گرفتار کرلیا اور کسی ایسے قلعہ مین رکھا جہان سے اُسے رہائی نہ نصیب ہوئی۔ اس کے بعد وزرا سے مشورہ کیا کہ سلجوقیون کا سردار تو پکڑ لیا گیا اب اس قوم کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ کسی نے کہا یہ سب دریائے جیحون مین غرق کردیے جائین۔ کسی نے کہا کہ ہر ایک کے ان کے ہاتھون کے انگوٹھے کاٹ ڈالے جائین تاکہ وہ نہ تیر کمان چلانے کے قابل رہین اور نہ کسی اور ہتھیار سے کام لے سکین۔ کسی نے رائے دی کہ ان کو دریائے جیحون کے اس پار لاکے علاقۂ خراسان مین مختلف جگہ آباد کرکے متمدن

بنا یا جائے تاکہ اُن کا جتھا ٹوٹ جائے اور اُن کی متحدہ قوت نہ باقی رہے۔ اور یون کمزور کر کے اُن پر سرکاری خراج مقرر کر دیا جائے۔ اِسی آخری رائے کو سلطان محمود نے پسند کیا اور اسی پر عمل ہوا۔ سلجوق لوگ بھی محمود غزنوی کے اسلحہ سے مغلوب ہو کے ایسے پریشان ہو چکے تھے کہ فوراً راضی ہو گئے۔

چند روز بعد خراسان کے حکام نے اُن پر دست تعدی دراز کیا اور وہ ایسی بے رحمی کے ساتھ ستائے جانے لگے کہ اُن کے دو ہزار خاندان خراسان سے جلا وطن ہو کے مکران مین پہونچے جہان آل بویہ کی حکومت تھی وہان کے حکمران نے اُن لوگون کو اپنی فوج مین بھرتی کر لیا۔ لیکن ان لوگون کے پہونچنے کے پندرہ ہی دن بعد حاکم مکران مر گیا اور یہ لوگ یہان سے بھی کوچ کر کے دیلم اور آذربائجان مین پہونچے۔ جہان یہ اپنے مخالفون پر غلبہ پانے لگے۔ اپنی قوم والون کا یہ عروج سن کے طغرل بیگ جو اب وطن مین ان کا اصلی سردار تھا جیحون اُتر کے خراسان مین آیا۔ اور آتے ہی پہلے شہر طوس پر قابض ہو گیا۔ اور یہی پہلا شہر ہے جس پر سلجوقیون کا تسلط ہوا۔ اب طغرل بیگ کا کوکب اقبال روز بروز زیادہ چمکتا گیا یہان تک کہ سنہ ۴۵۵ھ مین علاقۂ خراسان سے عراق تک سارا ملک اُس کے زیر نگین تھا۔ دیلمیون کا انھون نے خاتمہ کر دیا۔ اور حوصلہ یہان تک بڑھا کہ خلیفۂ بغداد القائم بامر اللہ کو اُس کی بیٹی کا پیام دیا۔ اب خلافت بغداد برائے نام تھی۔ صرف مذہبی مقتدائی کا تاج اُن کے سر پر رہ گیا تھا جس کی وجہ سے سکہ اور خطبہ اُن کے نام کا تھا اور وہ دُنیا مین امام و خلیفۂ اسلام مانے جاتے تھے۔ قائم بامر اللہ کو طغرل بیگ کا پیام نہایت ناگوار ہوا۔ مگر مجال انکار نہ تھی۔ جبراً و قہراً قبول کیا۔ مگر اُس کے ساتھ ہی خلیفہ اور خاندان خلافت کی اتنی وقعت تھی کہ سلطان کی جانب سے ایک لاکھ اشرفیان جوڑے کے بابت بھیجی گئین۔ پھر شب زفاف مین جب طغرل بیگ حجلۂ عروسی مین گیا تو دیکھا کہ عباسیہ شاہزادی سونے کا لباس پہنے تخت پر بیٹھی ہے سلطان سامنے جاتے ہی آداب شاہی بجا لایا۔ زمین بوس ہوا۔ لاکھون روپیہ کا سامان نذرانے مین پیش کیا۔ اور بغیر اس کے کہ اُس کے پنڈے مین ہاتھ لگائے یا گھونگھٹ کھولے واپس چلا آیا۔

سلطان طغرل بیگ بہترین سلاطین اسلام مین شمار کیا جاتا ہے۔ نہایت بُردبار فیاض۔ اور پابند صوم وصلوٰۃ تھا۔ ہر دوشنبہ اور جمعرات کو روزہ رکھتا۔ کثرت سے خیرات کرتا مسجدین تعمیر کراتا اور اکثر کہا کرتا کہ جب مین اپنے لیے کوئی عمارت بنواتا ہون تو جب تک اُس کے متصل کوئی مسجد نہین بنوا لیتا مجھے خدا سے شرم آتی ہے۔ یہی پہلا اسلامی بادشاہ ہے جس نے ملکہ روم تھیوڈورا[1] کے پاس سفارت بھیج کے قسطنطنیہ کی جامع مسجد مین جسے سلطانون نے فتح قسطنطنیہ سے صدیون پہلے وہان قائم کر لیا تھا نماز جمعہ قائم کرائی اور خلیفہ بغداد کا خطبہ پڑھوانا شروع کیا۔ کیونکہ اس سے پہلے اُس مسجد مین مسلمان نماز جمعہ پڑھنے کے مجاز نہ تھے۔

آخر ۴۵۵ھ مین طغرل بیگ مرگیا۔ جو کہ آل سلجوق کا پہلا تاجدار تھا۔

طغرل بیگ چونکہ لاولد تھا اس لیے مرتے وقت اپنے بھتیجے سلیمان کو ولی عہد قرار دے گیا۔ سلیمان نالائق تھا اور حکمرانی کی صلاحیت نہین رکھتا تھا۔ مگر طغرل بیگ نے چونکہ بھائی کے مرنے کے بعد اُس کی مان سے عقد کر لیا تھا اُس کی طرفداری کی۔ سلیمان کی تخت نشینی کی خبر سنتے ہی اُس کا بھائی محمد ابن جعفر بیگ جو خاندان سلجوق کے تمام لوگون مین زیادہ قابل اور شجاع تھا اپنی فوج لے کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور سلیمان کو تخت شاہی سے دھکیل کے خود صاحب تاج ودیہیم ہو گیا۔ جسے اُس کی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے لوگ الپ ارسلان (بہادر شیر ببر) کے لقب سے یاد کرنے لگے۔

سلطنت حاصل کرتے ہی الپ ارسلان نے بڑی آن بان اور شان و شوکت سے فرمان روائی شروع کی۔ اپنی قلمرو کو روز بروز وسیع کرنے لگا۔ جن ممالک کو اسوقت تک طغرل بیگ نہین فتح کر سکا تھا اُس نے وہ بھی فتح کر لیے۔ اور ملک شام پر چڑھائی کر دی۔ یہان تک کہ تمام شہرون کو فتح کرتا ہوا شہر حلب پر پہونچا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ دار حلب محمود بن نصر بن صالح بن مرداس کلابی جو عربی النسل تھا ایک مدت تک لڑتا رہا۔ اور آخر اُس نے مجبور ہو کے اطاعت قبول کر لی لیکن ارادہ کیا کہ اپنے قلعہ ہی مین رہے اور فاتح کو منھ نہ دکھائے الپ ارسلان نے کہلا بھیجا "یہ سخت ضروری اور لازمی ہے کہ تمھارے قدم میرے فرش پر آئین"۔ آخر اُس کے اصرار پر محمود ایک رات کو آیا اور اُس کی مان بھی اُس کے ساتھ تھی۔ الپ ارسلان نے دونون کی بڑی قدر ومنزلت کی۔ بہت عزت سے اپنا مہمان

[1] یہ قیصرہ ۱۰۴۲ء اور ۱۰۵۵ء عیسوی مین قسطنطنیہ کے سریر شاہنشاہی پر جلوہ افروز تھی۔

کیا۔ اور خلعت و انعام دے کے رخصت کیا۔

کہتے ہین کہ الپ ارسلان ہی پہلا ترکی فرمان روا تھا جس نے دریاے فرات سے اُتر کے مغربی ممالک ایشیا پر قبضہ کیا۔ اور اب ایشیا کا بہت بڑا علاقہ اُس کے زیر فرمان اور خراسان سے اناطولیا تک سارا ملک اُس کے زیر نگین تھا۔

ایشیاے کوچک مین جب اُس کی عظمت و شوکت بڑھی تو یونانی شہنشاہان روم کو جن کا دار السلطنت قسطنطنیہ تھا اندیشہ ہوا۔ اور شہنشاہ رومانوس ڈیوجانس عـہ نے جوش مین آکے الپ ارسلان سے لڑائی ٹھان دی۔ ابتدا تو طغرل بیگ کو خفیف سی شکستین ہوئین مگر آخر مین اُس نے رومانوس کو ایک ایسی زبردست شکست دی کہ سارا رومی لشکر تباہ ہو گیا۔ اور خود رومانوس مسلمانون کے ہاتھ مین اسیر تھا۔ جب رومانوس پابزنجیر لا کے الپ ارسلان کے سامنے کھڑا کیا گیا تو سلطان نے کہا "کہو اب تم مجھ سے کیسے سلوک کی توقع کرتے ہو؟" رومانوس نے کہا "اگر تم ظلم پسند کرتے ہو تو مجھے قتل کر ڈالو گے۔ اگر تمھارے مزاج مین غرور و تکبر اور نخوت و تمکنت ہے تو مجھے گھوڑون کی طرح جوت کے مجھ سے اپنی گاڑی کھچواؤ گے۔ اور اگر تم کو خدا نے عقل دی ہے تو مجھ سے فدیے کے طریق پر کچھ وصول کر کے مجھے چھوڑ دو گے تاکہ اپنے ملک مین واپس چلا جاؤن۔" یہ جواب سُن کے الپ ارسلان نے کہا "اچھا یہ بتاؤ کہ اگر یونہین گرفتار کر کے مین تمھارے سامنے لایا جاتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟" رومانوس بولا "اب جھوٹ کیون کہون؟ مین تو تمھین کوڑون سے خوب پٹواتا۔" قیصر شہنشاہ کی اس آزادی اور سچائی پر جواب پر الپ ارسلان پھڑک اُٹھا۔ بجاے برہم ہونے کے خوش ہوا۔ اور کہا "تم جو چاہے کرتے مین تو وہ کام نہ کرون گا جو مجھے ناپسند ہو۔ مین اپنے دشمن پر بھی ظلم و جور نہ کرونگا۔" یہ کہہ کے اُس نے رومانوس کے لیے فدیے کی ایک رقم مشخص کر دی۔ سالانہ تین ہزار اشرفیان اُس پر خراج مقرر کین۔ اور یہ شرطین بھی لگائین کہ جتنے مسلمان مسیحیون کے ہاتھ مین اسیر ہون آزاد کر دیے جائین۔ اور تم اپنی بیٹی میرے نکاح مین دو تاکہ ہم مین تم مین رشتۂ یگانگت و اتحاد قائم ہو جاے۔ رومانوس نے سب شرطین قبول کین۔ اور آزادی حاصل کر کے قسطنطنیہ مین واپس گیا۔ جس کے بعد اُس کی

عـہ یہ تاجدار سنہ ۱۰۶۸ع سے سنہ ۱۰۷۱ع تک قسطنطنیہ کا شہنشاہ رہا۔

یک بیٹی الپ ارسلان کے عقد مین آئی۔ اور تمام مسلمان اسیرون کو رہائی نصیب ہوئی۔

اب سلطان الپ ارسلان کے سطوت وجبروت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے تخت کے گرد بارہ سو فرمانروا اور شاہزادے دست بستہ کھڑے ہوتے۔ اور اس کے زیر علم دو لاکھ سوارون کا لشکر جرار تھا۔ لیکن انسان کا دل دنیا سے کبھی سیر نہین ہوتا۔ چنانچہ اسے خیال ہوا کہ اپنے آبائی وطن کو بھی اپنا مطیع و منقاد بنا لے۔ اس لیے کہ اسے اور اس کے چچا کو سلطنت خراسان ہی پا کے عزت حاصل ہوئی تھی جس کے بعد دونون دل سے آخر تک ایران اور ایشیای کوچک ہی مین اپنی قلمرو کو وسیع کرتے رہے تھے۔ الغرض ترکستان مین تسلط قائم کرنے کے لیے وہ خراسان ہوتا ہوا ترمذ مین پہونچا۔ آگے بڑھ کے دریاے جیحون پر پل باندھا۔ اور ایک مہینہ تک اس کا لشکر اس پل سے عبور کرتا رہا۔

جیحون کے اس پار دریا کنارے فربر نام ایک گاون تھا جس کا قلعہ اس عہد کے لحاظ سے نہایت ہی زبردست اور ناقابل فتح خیال کیا جاتا تھا۔ وہان کے قلعہ دار سے جو یوسف خوارزمی کہلاتا تھا سرکشی ظاہر ہوئی تھی۔ اور الپ ارسلان اس کے طرز عمل سے نہایت برافروختہ تھا۔ جس کی پاداش مین یوسف خوارزمی مفتوح و مقہور ہوا۔ اور لوگ اسے گرفتار کر کے اور زنجیرون مین جکڑ کے سلطان کے سامنے لائے۔ وہ ابھی آ نہین چکا تھا کہ الپ ارسلان نے زمین مین چار میخین خوب مضبوطی سے گڑوائین اور کہا "یوسف خوارزمی کو انھین مین چومیخا کر کے پہلے طرح طرح کے عذاب دونگا اور پھر قتل کرون گا۔"

یوسف خوارزمی نے گو کہ پابزنجیر آیا تھا یہان دربار مین اپنی سزایابی کا یہ سامان دیکھا تو کہا "مجھ سے معزز شخص کے ساتھ اور یہ برتاؤ؟" اس کا یہ جملہ سُن کے الپ ارسلان کو غصہ آگیا۔ نہایت طیش کے ساتھ لوگون سے کہا "اس کی زنجیرین کھول دو"۔ اور جیسے ہی اس کے ہاتھ پاؤن کھول دیے گئے کمان اٹھا کے ایک تیر جوڑا اور تخت پر بیٹھے ہی بیٹھے نشانہ باندھ کے پھینکا کہ تیر ترازو ہو جائے۔ اور مجرم اپنی جگہ سے ہل کے پانی بھی نہ پیے الپ ارسلان کو اپنی قادر اندازی پر دعوے تھا۔ مگر اتفاقاً تیر نشانہ خطا کر گیا۔ اس پر الپ ارسلان کو اور طیش آیا غصہ مین بھرا ہوا اٹھا اور جھپٹ کے ارادہ کیا کہ تلوار کے ایک وار سے اس کا کام تمام کر دے۔ مگر پاؤن کو ٹھوکر لگی اور تخت کے اوپر سے اترتے ہی اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔ یوسف خوارزمی کو موقع مل گیا۔ ہاتھ پاؤن کھلے ہوئے تو تھے ہی

جھپٹ کے دوڑا اور سلطان کے ناف کے نیچے چھری بھونک دی - اور تمام اہل دربار منہ دیکھتے رہ گئے - مگر ایک ارمنی فراش نے جو سلطان کے ہمراہیون مین سے تھا حق نمک ادا کر دیا - بڑھ کے یوسف کے سر پہ ایک ایسے زبردست حربے سے وار کیا کہ وہین جگہ ڈھیر ہو کے رہ گیا -

قاتل تو مارا گیا - مگر الپ ارسلان پہ بھی ایسا کاری وار پڑا تھا کہ جان بر ہونے کی امید نہ تھی - لوگ اُسے خیمہ مین اُٹھا لے گئے - ۶ - ربیع الاول ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۷۲ع کو وہ زخمی ہوا تھا - اور اُس کے پانچوین دن یوم دوشنبہ ۱۰ - ربیع الاول کو واصل بحق ہوا - جب اُسے یقین ہو گیا کہ اب زندگی کی کوئی امید نہین تو اپنے بیٹے ملک شاہ کے لیے ولیعہدی کی وصیت کی - جو اُس کے بعد دولت سلجوقیہ کا تیسرا اقبال مند جانشین ہوا -

الپ ارسلان ۴۲۴ھ مطابق ۱۰۳۲ع مین پیدا ہوا تھا - ۹ سال چند مہینہ حکومت کی - اور صرف ۴۲ سال کی عمر پائی - وفات کے بعد لوگ اُس کی لاش کو مرو مین لے گئے - اور اُس کے چچا طغرل بیگ اور باپ داؤد کی قبرون کے پاس اُسے بھی آغوش لحد کے سپرد کیا۔

الپ ارسلان بھی چچا کی طرح بڑا دیندار بادشاہ تھا - امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمہ اللہ کے مزار پُرانوار پہ اُسی نے عالیشان مقبرہ اور گنبد تعمیر کرایا ہے جس کے متصل اُس نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا - اور اُس کی تعمیر اور انتظامات مین بہت کچھ دولت خرچ کی - یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ بغداد اُس کے زیر حکومت تھا اور اُس کی آبادی مین اُس نے عمارتین بنوائی تھین مدرسہ جاری کیا تھا مگر خود اُسے کبھی اُس بارونق شہر مین جانا اور وہان کی سیر کرنا نہین نصیب ہوا -

---

خودنمائی

(یہ مضمون انگریزی کے جادوبیان ایڈیسن کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے)

کیسی حیرت کی بات ہے کہ جو شخص اپنی ساری کمزوریون اور ناقابلیتون کو جانتا ہو وہ شہرت و ناموری کی ہوس کرے ! - اور یہ ہوس اُسے اس قدر اندھا کر دے - کہ اپنی بُرائی نالائقی - جہالت اور اپنے سارے عیبون کو بھی وہ تعریف کے قابل سمجھنے لگے - اور کوشش

کرے کہ جہان تک بنے اُنھین کے ذریعہ سے شہرت اور نمود حاصل کرون اور اپنی تعریف کے قصیدے سُنتا رہون۔

انسان کی اکیلی خوبیون ہی پر اگر نظر ڈالی جائے تو وہ تعداد اور مقدار مین بُرائیون سے کہین زیادہ ثابت ہون گی۔ اس پر بھی اگر کوئی غور کرے تو صاف کھل جائے گا کہ ادنیٰ شخص بھی گو اُس مین اتنی ایک خوبیان ہین کبھی اُن پر فخر و ناز نہین کر سکتا۔ یون تو ہر شخص کو دوسرے کے مقابل اپنی ذات مین کوئی نہ کوئی خوبی مل جائے گی جو دوسرون مین نہ ہو اور جس کے لحاظ سے وہ اپنے آپ کو دوسرون سے ممتاز خیال کر سکے۔ مگر عقل والا ایسی خوبی کا خیال نہین کیا کرتا۔

عقلمند اور بے وقوف کے خیال مین بس اتنا ہی فرق ہے۔ عقلمند چاہتا ہے کہ خود مجھ مین کوئی خاص قسم کی خوبی ہو۔ اور بے وقوف یہ خیال کر کے اپنے آپ کو ممتاز سمجھتا ہے کہ مین دوسرون سے اچھا ہون۔ کیونکہ اُن لوگون مین بہتسی ایسی برائیان ہین جو مجھ مین نہین۔ عقلمند خود اپنے عیبون کو دیکھتا رہتا ہے اور بیوقوف دوسرون کے عیبون کو۔ عقلمند کی نظر فقط اپنی برائیون پر پڑتی ہے اور بے وقوف کی نظر فقط اپنی خوبیون پر۔ عقلمند اُسی وقت خوش ہو سکتا ہے جب اپنی ذات مین کوئی عیب نہ پاوے مگر بے وقوف کی خوشی فقط اس پر منحصر ہے کہ چند لوگون مین اُس کی واہ وا ہو جائے۔

مگر یہ شہرت کی ہوس چاہے کیسی ہی لغو اور بیہودہ ہو اکثر اس سے عمدہ نتائج بھی ظاہر ہو جاتے ہین۔ کیونکہ اُس سے انسان مین فقط اسی بات کا شوق نہین پیدا ہوتا کہ برائیون سے متنفر و محترز رہے۔ بلکہ یہ ہوس اُسے ہمیشہ ایسے کامون مین لگائے رکھتی ہے جو بہت اچھے اور اعلے درجہ کے ہون۔ اور اسی دُھن مین وہ اکثر بہت کچھ کر گزرتا ہے۔ الغرض یہ ہوس عام اس سے کہ معیوب ہو یا مہمل اس کے نتائج نوع انسان کے حق مین ایسے اچھے ثابت ہوے ہین کہ اُسے چھوڑ کے ضایع نہ کر دینا چاہیے۔ خسرو کے نزدیک دنیا مین جتنے بڑے لوگ گزرے ہین سب اسی بیہودہ ہوس کے طفیل مین پیدا ہوے تھے۔

غور سے دیکھو تو یہ ہوس بہ نسبت مردون کے عورتون مین زیادہ ہوتی ہے۔ عورتین شہرت کی بہت ہی طالب ہوتی ہین چنانچہ اس شوق مین اُن کے ہاتھون سے اکثر اچھے اچھے کام بھی انجام پا جاتے ہین۔ کیونکہ اُن کے دل مین ہمیشہ یہ شوق موجود رہتا ہے کہ ہماری

صفتوں نیکیوں۔ اور خوبیوں کی وجہ سے دُنیا میں ہماری تعریف ہو۔ اور صرف اسی خیال سے اُنھیں نیکیوں اور صفات حسنہ سے زیادہ اپنی عزت کا پاس ہوتا ہے۔ دُنیا میں پاکدامنی وفاشعاری۔ اور ایثار نفس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ بہت سی عورتیں اپنے بچوں کی تعلیم اپنے خاندان کی خبرگیری۔ اور اپنے شوہر کی اطاعت میں مشہور ہوتی ہیں۔ سچ پوچھیے تو یہی صفات عورتوں کا اصلی جوہر ہے۔ یہی اُن کے بڑے بڑے کارنامے ہیں۔ اور یہی اُن کی خوبیاں اور نیکیاں ہیں۔ برخلاف اُن کے مرد اپنی شہرت جنگ و جدل سے پیدا کرتے ہیں۔ تجارت کے بازاروں اور انصاف کی کرسیوں کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں)۔

لیکن شہرت کی ہوس عورتوں کے حق میں جس قدر مفید ہے اُسی قدر مضر بھی ہے۔ کیونکہ اگر وہ کسی نیک کام کے لیے ہو تو بہت ہی مفید ہے۔ لیکن اگر محض نمائش و خود نمائی پر مبنی ہو تو وہی اُن کے حق میں سخت تباہی کا باعث ہو جاتی ہے۔ میں اس موقع پر فقط اسی ہوس کی حالت دکھانا چاہتا ہوں جو صرف نمائش کے لیے ہوتی ہے۔ اور جس کا انجام سوا پچھتانے کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ بعض خاص وجہوں اور مصلحتوں سے میں نام تو نہ لوں گا۔ مگر اُس خود نما اور خود بینا نازنین کو "دلربا" کے لفظ سے یاد کروں گا۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران　　گفتہ آید در حدیث دیگران

میری اُس دلربا کو جب دیکھو بناؤ چناؤ کی فکر میں رہتی ہے اور خود آرائی و خود نمائی کے سوا کسی بات کا خیال نہیں آتا۔ جب دیکھو اُس کے چشم و ابرو و خط و خال۔ وضع لباس۔ اور چال ڈھال میں کوئی نہ کوئی ایسی ادا ضرور پائی جائے گی جسے دیکھ کے اگر کوئی شخص دل ہاتھوں سے نہ تھام لے تو زبان سے "آہ" ضرور نکل جائے گی۔ تعریف اور عام قدردانی کے شوق میں یہ کافر ماجرا "دلربا" ہر صحبت اور ہر محفل میں جا پہنچتی ہے۔ تاکہ بیتاب و بیقرار دل رکھنے والوں کو اسیر گیسو کر کے اپنا غلام اور مطیع فرمان بنالے۔ ہر شام کو وہ بڑے کروفر سے اپنی چند پری جمال اور مشق ستم کرنے والی ہمجولیوں کے ساتھ بڑی بڑی گذرگاہوں سے گزرتی اور ہجوم عشاق پر نگاہ ناز سے بجلیاں گراتی ہوئی نکل جاتی ہے۔

ان نازنینوں سے اگر کوئی بات کرنا چاہے تو لازم ہے کہ بڑے ادب سے اور نہایت ہی موزوں و مناسب الفاظ میں اُن سے خطاب کرے۔ اُن کے ناز اور تبختر سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہمارا مرنا جینا انھیں کے قبضہ قدرت میں ہے۔ عالم بالا کی خوشیاں۔ اور

تحت الثریٰ کی تکلیفین انھین کے وصال و فراق سے عبارت ہین چشمۂ حیوان اُن کے لب جانبخش ہین اور جنت الفردوس اُن کا تکیہ لگانا اور اُن کا آغوش ہے - ہماری جتنی گھڑیان اُن کی صحبت مین گذر جاتی ہین مبارک ہین - جو ہمین اپنے حق مین دائمی خوشی اور ہمیشہ کی مسرت کا سرچشمہ معلوم ہونگی یہی دیکھیے کہ ستمگر دنیا یا محبت و عنایت کا ایک لفظ زبان سے نکال دینا وہ بیش بہا خلعت و انعام ہین جو ان کے دربار حسن سے عطا ہوتے ہین - اور آہ سرد اشک گرم - اور عجز و نیاز وہ نذرانے ہین - جو ان حسن کی دیویون کے سامنے پیشکش کیے جاتے ہین - ان کے تبسم ناز سے لوگ جی اُٹھتے ہین - اور جبین ناز کی ذرا سی شکن لوگون کو خون کرتی اور باغ آرزو پر بجلیان گراتی ہے -

مختلف مذاق والون کی تمام دلربا ئون کی تصویرین دکھانا امکان سے باہر ہے - کیونکہ ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است - اور جیسے دیکھیے اُس کی روش جداگانہ ہے شعرا ان دلربا مہجبینون کو "بت" کے لفظ سے یاد کرتے ہین - کیونکہ ہر پُرشوق دل اُن کا بتخانہ بن گیا ہے - اور ہر سینہ مین اُن کی پرستش ہو رہی ہے - اہل کنعان اور اُس کے قرب و جوار مین بہت سے اصلی و حقیقی بت قائم ہو گئے تھے - جن مین سے بعضون کی عبادت آگ اور شعلون سے کی جاتی تھی - بہت سے بتون مین یہ جان ستانی تھی کہ اُن کے سامنے انسان کا خون بہایا جاتا - اور لوگ بکرے بکریون کے ذبح کیے جاتے - بعضون کے سامنے ہر شب کو ان کی دعوت کا سامان مہیا کیا جاتا - اور انھین مین چند ایسے بت بھی تھے جن کو پتھر سے مارے جاتے کہ انھون نے اپنے پوجاریون کی دعا کیون نہین قبول کی ؟

لیکن ہمارے ان دلربا بتون کے ماننے والے بت پرست اگلے زمانے کے تمام بت پرستون سے جداگانہ مذاق رکھتے ہین - وہان مختلف بت پوجے جاتے تھے - اور بتون ہی کے اختلاف سے بت پرستون مین بھی اختلاف رہا کرتا تھا - بخلاف اُن کے ہمارے ان بتون کے پوجاریون کی یہ حالت ہے کہ سب کے سب ایک ہی بت کو پوجتے ہین - اور اسی کے مطابق ہمارے بت کا شوق بھی اگلے بتون اور مورتون کے شوقون سے بالکل الگ ہے - ہمارے ظالم بت یہ چاہتے ہین کہ اُن کے بے شمار پجاری ہون - ادھر پوجاریون مین سے ہر ایک کے دل مین یہ تمنا ہے کہ یہ دلربا بت طناز ہمارے ہی قبضہ مین رہے - اور کسی اور کی اُس تک رسائی نہ ہو - ہمارے اس بت کی یہ خواہش مندرجۂ ذیل تصویر سے نہایت خوبی کے

ساتھ ظاہر ہو سکتی ہے۔

بت دلربا ناز و انداز اور عجیب تمکنت سے جلوہ افروز ہے۔ چار یا پانچ پجاری سامنے کھڑے ہین۔ ہر ایک اُس کی نظر عنایت کا امیدوار ہے۔ اور اپنا اپنا نذرانہ پیش کرتے ہین بُت کی یہ وضع ہے کہ دلربائی کے ساتھ سب کی دلداری بھی کرتا ہے۔ یہ نہین کہ اگر حسینہ دل مٹھی مین آ گیا ہے تو قبضہ سے نکل بھی جائے۔ ایک کی طرف دیکھ کے مسکرا دیا۔ دوسرے پر ایک نگاہ غلط انداز ڈال دی۔ تیسرے کا منہ چڑھا دیا۔ اور چوتھے کو اپنے مہندی لگے پاؤن سے نزاکت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ بھلا کوئی یہ پوچھ سکتا ہے کہ ہمارے اس بت مہ جبین نے چارون مین سے کس کے حال پر عنایت کی؟ سچ یہ ہے کہ کسی کے حال پر نہین۔

آہ! اس بت طناز کے ناز و انداز دیکھ کے ہمین اپنی خوبصورت معشوقہ بے نظیر کی ادائین یاد آ گئین جو آج کل کے تمام بتون مین ممتاز اور سب سے زیادہ مشہور ہے۔ ہفتہ مین ایک مرتبہ رات کے وقت اُس کی پرستش ہوتی ہے۔ ہماری صحبت کے چند نوجوان اپنے آپ کو اس کی نظر مین ممتاز بنانے کے لیے وہان جمع ہوتے ہین۔ اور وہ مشتاقون کے بیچ مین شمع محفل بن کے اُن کے دلون مین شوق کی بے شمار شمعین روشن کر دیتی ہے اپنے پجاریون کا ذوق و شوق بڑھانے کے لیے ہر ایک کے حال پر وہ کوئی نہ کوئی عنایت ضرور کرتی ہے۔ ایک کا مزاج پوچھ لیتی ہے۔ دوسرے کی طرف کنکھیون سے دیکھ لیتی ہے تیسرے پر کوئی پھبتی کہہ دیتی ہے۔ اور چوتھے کے زانو مین زور سے چٹکی لے لیتی ہے غرض حریفان صحبت مین کوئی نہین جو اپنے ظرف و ذوق کے مطابق بہرہ یاب نہ ہو جاتا ہو اس طرح سب کے دلون مین عشق کی آگ لگا کے چلی جاتی ہے۔ اور سب کو اس حال مین چھوڑ جاتی ہے کہ اپنی کامیابی پر نازان۔ اپنی خوش نصیبی پہ مسرور۔ اور اپنی حالت پر مطمئن ہین۔ پجاریون کے دلون مین شوق کی شمع پوری بھی نہین جل چکتی کہ ساتوین دن اسی وقت اور اسی ناز و انداز سے پھر آ کے وہ اپنا جمال جہان آرا دکھاتی محبت کے چراغون کو اُکساتی۔ اور دلون مین شوق کی نئی شمعین روشن کر دیتی ہے۔

بعض ایسے اسباب بھی ہین جن سے اِن بتون کی شان دلربائی مین فرق آ جایا کرتا ہے۔ جن مین سے ایک نکاح بھی ہے۔ شادی ہوتے ہی یہ کافر ادا بت اپنی تمام

اداؤین اور سارے کرشمے بھول کے محض ایک سیدھی سادی عورت رہ جاتی ہے پھر شادی کے بعد بڑھاپا تو اس بت دل رُبا کو تباہ و برباد ہی کر کے چھوڑتا ہے۔ اور بڑے بڑے پجاریون کی زبان پر یہ شعر جاری ہوجاتا ہے کہ

گیا حُسن خوبان دلخواہ کا　　　ہمیشہ رہے نام اللہ کا

افسوس! اس دلربا بُت کے لیے اپنے اُس عز و تمکنت کے تخت سے گر کے معمولی درجے پر آجانا قیامت ہے۔ نہ اس سے بڑی کوئی بدقسمتی ہوسکتی ہے۔ اور نہ اس سے بڑھ کے کوئی رنج و الم کی بات ہے۔ آہ! یہی ناکامیان اور اسی قسم کے دل دکھانے والے اسباب ہین جو ہمارے بت دلربا کو معشوقی کے شہ نشین سے گرا کے ایسا بنا دیتے ہین کہ سارے ناز و انداز ہوا ہوجاتے ہین۔ اور اُس کی جگہ فقط ایک معمولی عورت رہ جاتی ہے۔ اُس کی پہلی شان اور اگلی آن بان کا کہین پتہ نہین۔ اور حُسن و جمال خواب و خیال ہوگیا۔ اس لیے اے ناعاقبت اندیش بتو! اے بے رحم دلربا ؤ! ایسا طریقہ اختیار کرو کہ تمھاری شہرت باقی رہے۔ خوب یاد رکھو کہ حُسن صرف اچھا لباس۔ جگمگاتا زیور۔ اور معشوقانہ بانکپن نہین ہے۔ زیور سونے کا ہو یا جواہرات کا اُتر جائے گا۔ وہ باطنی زیور ہے جو مرور ایام کا ساتھ دیتا ہے۔ نہ بیماری سے جاتا ہے۔ نہ رخصت شباب سے زائل ہوتا ہے۔ نہ افلاس اُسے چھین سکتا ہے۔ اور نہ مصیبت اُسے چرا سکتی ہے۔ ہر حالت ہر وقت اور ہر زمانے مین موجود رہتا ہے۔ اور اپنے پرائے سب کی نظر مین دلفریب و خوشگوار ہوتا ہے۔

حُسن و عشق

ازل سے ابد تک جریدۂ ایام پر یہ دو نام درج ہین۔ اور رہین گے۔ ان کے حالات پر فلسفیانہ بحث مباحثے ہوچکے ہین۔ یہ امر مسلم ہے کہ علت تکوین عالم بھی یہی دو اسماے گرامی ہین۔ تمام کاروبار عالم کے تکمیل و انصرام مین بھی ان دونون مقدس حضرات کا پورا پورا دخل ہے۔ یا یون کہنا چاہیے کہ رفتار عالم کی گاڑی کے ڈرائیور بھی دونون ہین۔ ان مین فرداً فرداً بجائے خود مقناطیسی جذبات موجود

ہین۔ انھین جذبات کے حرکت سے کارخانۂ دنیا کی مشین چلتی ہے۔ غور کرو تو اس فقرے کا مطلب ان الفاظ مین صاف طور پیظاہر ہوسکتا ہے۔ کہ کسان کے دلمین کھیتی کرنے کا خیال۔ یا صناع کے ضمیر مین صنائع کے ترتیب کی خواہش اسی حضرت عشق کے دو دو لے ہین۔ نظم و نسق عالم مین بھی انھین حضرات کا دخل ہے۔ سلاطین کے دماغ مین جہانگیری کے واسطے یہی حضرت عشق چکر لگا رہے ہین۔ غرضکہ دفتر حسن و عشق مین دو جذبے کام کر رہے ہین۔ جن پر کارخانۂ دنیا و ما فیہا کا مدار ہے۔ ان دو جذبات کے نام خواہش اور لالچ ہین۔ پہلے عشق کے تحریک سے خواہش پیدا ہوتی ہے پھر لالچ دامنگیر ہوتا ہے۔ ان اسما کا مخرج اسی عشق ہی ہے مگر ان دونون جذبات سے وہ اعلیٰ درجہ کا عشق جس کو حقیقی کہتے ہین مبرا ہے۔ عشق حقیقی بمقابلۂ مجازی کے لطیف ہے۔ اور مجازی صرف لطیف۔

جذبات مذکور یعنی خواہش اور لالچ کثیف ہونے کے باعث حسب قول اطباءشئے لطیف کے دفع مضرت کے واسطے ضد بالمقابل یا علت العلل رکھے گئے ہین۔

بہرحال یہ اور بحث ہے۔ اور اس وقت میرا مطلب ان جھگڑون مین پڑنا نہین ہے۔ اب رہا حسن۔ حسن کوئی خارجی شئے نہین ہے بلکہ خواہش کنندہ کی شئی مطلوبہ کی عین ذات مین حسن کی جھلک ہے۔ جس سے خواہش کنندہ کی چاہت کا میلان عمل مین آتا ہے۔ یونانی اطبا کے نزدیک عشق ایک مرض ہے میرے خیال مین اگر اس مرض کا ازالہ ہو تو تمام کاروبار دنیا کے مسدود ہونے کا احتمال ہے خالق کائنات مصلحۃً اس مرض کو بڑھاتا ہے۔ حیوان مین ان ہر دو حضرات کا تسلط پورے طور پر ہے نباتات و جمادات بھی ان سے خالی نہین ہین۔

نیلوفر کو سورج کی کشش پانی کے نقاب سے بیحجاب کر رہی ہے۔ چاند کتان کا جامۂ صبر چاک کر رہا ہے۔ گویا تمام عالم مین یہی مرض پھیلا ہوا ہے۔ دراصل قدم مین حدوث کی شورش حضرت عشق ہی سے ہوئی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ اس کے تصرف سے کوئی نہین بچا۔ ابتدا سے انتہا تک اس کا ساتھ لگا ہوا ہے۔ مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرما گئے ہین۔ نخستین جنبش از حسن ازل خاست۔

اب امر تصفیہ طلب یہ ہے کہ حسن و عشق کے باہمی تمیز مین تفوق کس کو ہے

ورگس مین کس قدر پایدار ہے۔ پہلے حُسن کے اوصاف سُنیے بجلی کی کڑک اور چمک مین اس کا جلال وجمال ہے۔ نخلستان مین یہی شاخ ہے اور شاخ مین یہی پھول جسم مین یہی زلف ہے اور زلف مین یہی طول۔ کبھی نگاہ بنکر ڈورے ڈالتا ہے کبھی چشم سیاہ بنکر دل لیجاتا ہے۔ کسی وقت کسی پیاری جبین سے چین کے شکل مین نمود ہوتا ہے۔ کبھی مسکراہٹ کے لباس مین کسی کے عقیقی لبون پر ظاہر ہوتا ہے۔

یہ سب کچھ ہے مگر تجربے سے پایا جاتا ہے کہ بمقابلہ عشق کے اس کا وجود کچھ بھی نہین۔ عشق کا رتبہ اس سے بدرجہا زیادہ بلند ہے۔ صاف صاف یہ ہے کہ حسن بذات خود کچھ بھی نہین۔ اس کا غرور وناز بالکل بیجا ہے۔ فلاسفرون نے تحقیقات ماہیت حسن مین فیصلہ کردیا ہے کہ حسن تناسب ترتیب کا مجموعہ ہے جس کا اصلی مفہوم یہ ہے کہ شی مرکب کے اجزا اس ترتیب سے ہون کہ جس مقصود کے لیے وہ لائے گئے ہین اس کو پورا کرتے رہین۔

یہ حسن کی ذاتی تعریف ہے۔ تو اس مین بھی اس کا زمام اختیار عشق ہی کے ہاتھ مین ہے۔ جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ بعض جگہ اگرچہ شی مرکب کے اجزا بے ترتیب ہوتے ہین مگر تازک خیال اور منچلا سلطان عشق وہان بھی آکے ڈیرے ڈال دیتا ہے۔ جب یہ حالت ہے تو پھر حسن کی کیا وقعت رہی؟ علاوہ برین حسن مجازی کے عالم مین فساد بھی واقع ہوتا رہتا ہے۔ مگر باوجود اس فساد کے عشق اپنی رفتار حسن ازل کی طرف جس کی ذات فساد سے بری ہے بڑھاتا ہی رہتا ہے اور عشق کی کامیابی کی آخری ڈگری یہی ہے۔

راجہ شیر علیخان جاگیردار وترجھی پورہ سرینگر کشمیر

شمع شبستان

پردۂ فانوس سے ایک پیاری صورت کی دلربا جھلک نظر آرہی ہے جس کی دل لبھانے والی مسکراہٹ سے ساری محفل طرب مین روشنی پھیلی ہوئی ہے نورانی شعاعین جو در ودیوار پر نمایان ہین ناظرین کو محو حیرت کر رہی ہین۔

صوفیان خدا پرست کی نظر مین یہ بھی اُسی شعلۂ ازل کا ایک لمعہ ہے جس نے تجلی
عمران کا کام تمام کر دیا تھا۔ عاجز پروانہ اس پیاری صورت پر اپنی جان شیرین
کے بے تحاشہ قربان کر دینے مین بڑی مستعدی سے کوشان ہے۔

جس سے ظاہر ہے کہ کسی حسن صورت مین اس قسم کا مقناطیسی اثر نہین جیسا کہ
اس پیاری صورت مین ہے۔ پروانون کا ہجوم بتا رہا ہے کہ اس کے ایک ایک جلوۂ
ناز پر ہزارہا جانین قربان ہوتی رہتی ہین جو بات کسی اور حسین صورت کو نہین نصیب
باایںہمہ غور سے دیکھیے تو اس کی حالت بھی بجائے خود دگرگون ہوتی نظر آتی ہے۔ کمال
تبسم کے ساتھ زار و قطار رونی بھی جاتی ہے۔ اشکون کی جھڑی ہر وقت لگی رہتی ہے۔
آخر اس کا سبب کہ عین خندۂ ناز اور کمال سرور مین یک لخت رونے جاتی ہے۔
آخر اسی کی زبان خاموشی نے ایک حسرت آمیز ضبط کے ساتھ جواب دیا کہ میرا کمال ہی
میرا زوال ہے۔ خلاصہ یہ کہ شمع کا ہنسنا تو اُس کے کمال کی دلیل ہے۔ مگر اُس کے ہنسنے کے
معنی ہی دراصل سوختگی ہین۔ یعنی اُس کے کمال مین زوال اور اُس کے زوال مین
کمال ہے۔ لب پر ہنسی ہے اور سینہ مین آتش سوزان۔ اور یونہین جلتے جلتے اس کی
زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کو مولنا حافظ شیرازی نے اپنے اس شعر مین
کیا خوب ظاہر فرمایا ہے۔

بے جمال عالم آرای تو روزم چون شب است
با کمال عشق تو در عین نقصانم چو شمع۔

مگر شمع سچ پوچھیے تو عالم ہستی کی حالت کا آئینہ ہے۔ کیونکہ نظر غور سے دیکھو تو صاف نظر
آجاتا ہے کہ دنیا کی ہر شی کے کمال مین زوال اور ہر زوال مین کمال مستتر ہے۔ اور آخر
یہی زوال و کمال کا گھوارہ مخلوقات کو گھٹاتے گھٹاتے اور فنا کرتے کرتے اس نقطۂ وحدت
سے جا ملاتا ہے جو ہمارے خیال کے کمال و زوال دونون سے مبرّا و منزہ ہے۔

راجہ شیر علیخان۔ جاگیردار اُوترچھی لیدہ سرنگر کشمیر

نفطہ یا گریک فائر

دنیا مین باروت اور توپ بندوق کی ایجاد سے پہلے لوگون کو آتش بازی اور

آتش فشانی کا ایک اور طریقہ معلوم ہوگیا تھا جس کے ذریعہ سے دشمنون پر آگ برسائی جاتی تھی۔ عہد مسیحیت کے رومیون اور یونانیون کو یہ نسخہ معلوم ہوگیا تھا۔ اور اکثر محصور قلعون سے محاصرہ کرنے والون پر وہ نہایت ہی خوفناک آتش باری کر دیا کرتے تھے اس آگ کا نام ان لوگون مین "آتش یونان" "آتش بحری" یا "آتش سیال" تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت معٰویہ کے عہد مین پہلے پہل جب عربون نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا تو محصورین نے اسی آتش سیال کے ذریعہ سے عربون پر سخت آتشباری کر کے انھین پسپا کر دیا تھا۔ اور اسی آتش فشانی سے مقام قای زیقوس کے قریب عیسائیون نے عربون کے ایک بیڑے کو جلا ڈالا تھا۔

وہ ایک مرکب چیز تھی۔ جو لاکھ۔ رال۔ گندھک۔ اور دیگر مشتعل اجزا کو ترکیب دے کے بنائی جاتی تھی۔ اسے قالینیکس نام ایک مسیحی کیمیاگر نے شہنشاہ قسطنطنیہ قسطنطین پوگوناطوس کے عہد مین ایجاد کیا تھا۔ اس شہنشاہ کا عہد ۶۶۸ء مطابق ۴۸ھ سے شروع ہوا تھا جبکہ دمشق مین سریر خلافت اسلامی پر حضرت معاویہ رونق افروز تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی ایجاد اسی زمانے مین ہوئی جب عربون نے پہلے پہل قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور اسی ضرورت سے ہوئی۔ لیکن اُس کے بعد پھر پتہ نہین چلتا کہ عیسائیون نے اس سے زیادہ کام لیا ہو۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آتش سیال کے نسخہ کو بھی بھول گئے تھے۔ کیونکہ حروب صلیبی مین جب یورپ کی تمام قومون اور سلطنتون نے حملہ آوری کا کوئی ذریعہ نہین اٹھا رکھا تھا وہ اس آتش سیال سے بالکل ناواقف تھے۔ اور صرف قصہ کہانی کے طور پر انھین اگلے زمانہ کی "آتش یونان" کا نام یاد رہ گیا تھا۔

اور جب ارض شام اور بیت المقدس مین مسلمانون کے قلعون سے اُن پر آتش باری ہونے لگی تو بہت ہی گھبرا اُٹھے۔ اور اس سے بچنے کی کوئی تدبیر انھین نہین نظر آتی تھی۔ بڑے بڑے نائٹ اور سورما اس آگ کی پچکاریون اور ہانڈیون کو دور سے آتے دیکھ کے بھاگ کے کونے کونے مین چھپتے۔ اور گھبرا گھبرا کے سجدے مین گر کے پناہ مانگنے لگتے تھے۔ عکہ کے محاصرے مین جب قلعہ کی فصیل پر سے مسلمانون نے آگ برسانا شروع کی تو مدت کے بعد مسیحیون نے جگنا تھ جی کی رتھ

کی طرح کے چار دو منزلے سہ منزلے چوبی برج بنوائے اور اُن پر اوپر سے نیچے تک مٹی وغیرہ کی پھگل کر دی تاکہ آگ سے مشتعل نہ ہو سکیں۔ اور مسلمانوں کی آتش سیال اُن پر موثر نہ ہو۔ لیکن عکہ ہی میں کوئی مسلمان ھوتس موجود تھا۔ اُس نے ایک ایسا عرق ایجاد کیا جو آگ سے مشتعل ہونے کے لیے زمین کا کام دے اور آگ کی پچکاری پڑتے ہی بھڑک اُٹھے۔ چنانچہ اُس نے پچکاریوں سے اُس عرق کو پھینک پھینک کے چاروں برج بھگو دیے جسے ایک فعل عبث تصور کر کے صلیبی پہلے تو قہقہے لگاتے رہے لیکن برجوں کے بھگو لینے کے بعد اُس نے جیسے ہی آتش سیال کی پچکاریاں ماریں چاروں برج یک بہ یک مشتعل ہو گئے۔ جتنے لوگ ان پر چڑھے ہوے تھے جل مرے۔ اور وہ برج بھی جل کے خاک ہو گئے۔

مسلمانوں میں اس آتش باری کا پتہ جناب معاویہ کے تھوڑے ہی زمانے بعد چلتا ہے۔ سنہ ۷۱۲ء مطابق سنہ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم نے جب سندھ پر حملہ کیا ہے تو عرب لڑائیوں میں کثرت سے آتش باری کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سمجھے تھے کہ عربوں کے سوا کوئی اور اس فن کو جانتا ہی نہیں ہے۔ لیکن اس کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ آیا دونوں حرب اُسی نسخہ کے ذریعہ سے آتش باری کرتے تھے جو قسطنطنیہ میں ایجاد ہوا تھا یا اُن کا نسخہ دوسرا تھا۔

مسلمانوں میں اس کا موجد ابن ماجس بتایا جاتا ہے جس نے اسے خود ایجاد کر کے اُس کا نام "نفط" قرار دیا۔ ابن ماجس کا اصلی نسخہ کسی کو نہیں معلوم ہے۔ لیکن مسلمانوں میں صلیبی لڑائیوں کے زمانے میں جو آتش باری "نفط" کے ذریعہ سے کیجاتی تھی اُس کو آتش یونان کے پرانے نسخہ سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ بلکہ وہ روغن "نفط" کو جو بغداد کے قریب ملک عراق میں زمین سے بکثرت نکلتا تھا زیادہ قوی کر کے پچکاریوں میں بھر بھر مارا کرتے تھے۔ یہ آتشیں روغن جو اب "مٹی کے تیل" اور "پٹرولیم" کے نام سے ساری دنیا میں پھیل گیا ہے۔ لوگوں کو قدیم الایام سے معلوم تھا۔ سکندر اعظم جب بابل میں پہونچا ہے تو اسے ایرانی شہر اقباطنہ کے قریب اور میڈیا کی سرحد پر اس روغن کا حال معلوم ہوا جس کی نسبت تمام علماے طبیعیین کا بیان تھا کہ بہ آسانی مشتعل ہو کر پکڑ لیتا ہے۔ اور سوا راکھ۔ سرکے۔ اور پیشاب کے کسی چیز سے نہیں بجھتا۔ سکندر

کے سامنے اُس کی آزمایش بھی کی گئی - اُس کی مشعلون کی ایک قطار مین آگ دیگئی اور وہ بہت دیر تک مشتعل رہین - اور کسی طرح نہ بجھائی جا سکین - اسکے بعد ایک مسخرے کے پنڈے مین یہ تیل ملا گیا اور اُس مین بھی آگ لگا دی گئی - آگ کے مشتعل ہوتے ہی وہ بدحواس ناچنے اور اُچھلنے لگا - ہزار کوشش کی گئی کسی طرح آگ نہ بجھتی تھی - اور بڑی مشکلون سے اُس غریب کی جان بچائی گئی -

لیکن باوجود اس کا پتہ لگ جانے کے قدیم الایام مین کبھی اس روغن سے لڑائی مین نہین کام لیا گیا تھا - لڑائی مین کام لینے کی ایجاد کا سہرا ابن ماجس ہی کے سر ہے - ابن ماجس کا ٹھیک زمانہ تو ہمین نہین معلوم لیکن اس مین شک نہین کہ وہ عبدالملک کے مدتون بعد ہوا ہے - جس سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کی پہلی صدی مین عرب جس ذریعہ سے آتش باری کرتے تھے وہ یونان والون ہی کا نسخہ تھا جسے انھون نے اپنے ترقی کے دور مین یونانیون سے حاصل کر کے اپنا کر لیا - یہان تک کہ یونانی تو اُسے بھول گئے مگر عرب اُس سے کام لے رہے تھے -

پھر اُس کے بعد جب ابن ماجس نے روغن نفط کو ایجاد کیا اور وہ بغیر زحمت کے کثرت سے دستیاب ہونے لگا تو اُنھون نے پرانی "آتش یونان" کو چھوڑ کے اسی نفط سے کام لینا شروع کر دیا - جسے کبھی زوردار پچکاریون مین بھر کے قریب کے دشمنون پر آتش باری کرتے - اور کبھی ہانڈیون اور گھڑون مین بھر کے بڑی بڑی منجنیقون کے ذریعہ سے پھینکتے جو گرتے ہی پھٹتے - اور جہان گرتے وہان آگ لگجاتی -

درحقیقت عربون کی یہ پچھلی آتش باری نہ "آتش یونان" نہ "بحر آتشین" اور نہ "آتش سیال" تھی لغوی حیثیت سے ممکن ہے کہ ان مین سے بعض نام اس پر منطبق ہو جائین - مگر اصل مین یہ وہ مسیحیون کی "آتش یونان" ہرگز نہ تھی لیکن چونکہ یورپ مین "گریک فائر" کا نام بہت متعارف تھا اسلیے وہ عموماً عربون کی آتش باری کو بھی "گریک فائر" ہی کہنے لگے -

پہلے یونانی موجد قالینیکوس کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ اُس نے صرف تلنبے کی پچکاریان اور پھینکنے کی کلین ایجاد کی تھین اصل نسخہ تو لوگون کو پہلے سے معلوم تھا - لیکن یونانی مسیحی ابتداء سمجھتے تھے کہ ہمارے سوا کوئی اُسے نہین جانتا - اور اس کے چھپانے کے لیے بیحد کوشش کرتے - مگر مسلمان

نے ان سے سیکھ ہی لیا۔ اور یونانیون کی بہ نسبت اس سے زیادہ کام لینے لگے۔

خیالات و واقعات

اب کی طبی و ویدک کانفرنس دہلی مین نہایت کامیاب ہوئی۔ خصوص اس کی متعلقہ نمائش تو بڑی ہی شاندار اور بارونق تھی۔ ہمین امید ہے کہ یہ نمائش روزافزون ترقی کرے گی۔ اور ایسی ہی توجہ رہی تو بہت ہی سودمند ثابت ہوگی۔

اس سال کی کانفرنس مذکور نے کئی بڑی اہم عملی تجویزین منظور کی ہین۔ اور انھین اختیار کر کے حکیم حافظ محمد عبدالولی صاحب نے اپنے ذمہ بڑی بھاری ذمہ داریان لے لی ہین۔ حکیم صاحب نہایت ہی مستعد اور عملی طور پر کام کرنے والے بزرگ ہین۔ دیگر اطبا کی طرح فقط تجویزین نہین سوچا کرتے بلکہ کہنے سے زیادہ کرتے ہین۔ لہذا ہمین امید ہے کہ آئندہ سال ہم ان کی کوششون کو کامیاب دیکھین گے۔ اور ملک کو عنقریب ثبوت ملجائیگا کہ اس کانفرنس نے کیا کیا۔

اب وقت ہے کہ مسلمان ترکون کی ہمدردی مین جان بازی اور سچے ایثار نفس کا ثبوت دین۔ اس لیے کہ انھین کی خواہش اور آرزو کے مطابق انھون نے ساری دنیا سے جھگڑا مول لے کے لڑائی چھیڑ دی۔ اور آغاز جنگ ہی سے غاصب اتحادیون کو پسپا کرنا شروع کر دیا۔ سچ یہ ہے کہ دنیائے اسلام مین زندگی کی روح پھونکنے والا اکیلا ایک شخص ہے "انور بے" یہ نام نہین ہمارے اقبال کا روشن تارہ ہے۔ آج دنیا کی کوئی قوم ایسا ایک متنفس بھی نہین پیش کر سکتی جو انور بے کی طرح ساری دنیا کی مخالفت کی پروا نہ کرے۔ اور بغیر اس کے کہ زبردست سے زبردست قومون کی متحدہ دھمکیون کا ذرا بھی لحاظ کرے جان بازی اور قومی عزت پر شہید ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔ زبردست لشکر اور اعلی درجہ کے سامان جنگ کے ہونے پر سب لڑ لیتے ہین لیکن کمزوری مین اپنی وقعت برقرار رکھنے والے اکیلے "انور بے" ہین جو نام اسلام کی تاریخ مین ہمیشہ زندہ رہیگا

عام تصانیف مولانا شرر اور مطبع دلگداز کی دوسری کتابیں

تصنیفات مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

تاریخ و سیر وغیرہ

(۱) جنید بغدادی - حضرت جنید کے حالات عہ/

(۲) ابوبکر شبلی - حضرت شیخ شبلی کے حالات عہ

(۳) تاریخ سندھ - سندھ کی مکمل تاریخ

ہر دو جلد قیمت جلد اول عہ/ جلد دوم عہ/

(۴) حروب صلیبیہ مصنفہ مسٹر کاکس کا ترجمہ نوٹس ۶/

(۵) تاریخ بغداد - مرکز خلافت عباسیہ ۶/

(۶) ملکہ زنوبیہ ایک عربی نژاد ملکہ ۳/

(۷) الحکم الرفاعیہ مصنفہ شیخ احمد رفاعی کا ترجمہ ۳/

(۸) آغا علی حسن صاحب رئیس لکھنؤ مرحوم کے حالات عہ/

(۹) سکینہ بنت حسین - جناب سکینہ کے حالات ۶/

(۱۰) سر سید کی دینی مسکرتین ۲/

ناول

(۱۱) زوال بغداد - سب سے نیا اور دلچسپ تاریخی ناول عہ/

(۱۲) غیب دان دلہن - پاکدامن اور عفیفہ اور قابل بی بی کی تحریں اس کی حیرت انگیز غیب دانی عہ/

(۱۳) ماہ ملک - مولانا کا نیا اور اچھوتا ناول عا/

(۱۴) یوسف و نجمہ کامل - جگ بیتی نہیں آپ بیتی قیمت عہ/

(۱۵) شوقین ملکہ - پہلی اور دوسری صلیبی لڑائیاں قیمت عہ/

(۱۶) فتح اندلس - اسپین پر عربوں کا حملہ عا/

(۱۷) مقدس نازنین - ایک لڑکی کا پوپ بنانا

(۱۸) ملک العزیز ورجینا - تیسری صلیبی لڑائی

(۱۹) ایام عرب - جاہلیت عرب کے حالات ہر دو حصہ

(۲۰) فردوس بریں - جیتے جی جنت کی سیر

(۲۱) حسن انجلینا - روم و روس کی لڑائی

(۲۲) منصور موہنا - ایک عربی خاندان سندھ میں

(۲۳) شہید وفا - اسپین میں مسلمانوں کی تباہی

(۲۴) درگیش نندنی - ایک بنگالی ناول اردو میں

(۲۵) دلکش طالبعلی از دمشق دو حصہ ہر دو حصہ

(۲۶) میوۂ تلخ رضامندی اور نارضامندی کی شادیاں

(۲۷) بدر النساء کی مصیبت - سفر میں حج و بکاد کی

جلد اتحاد سنہ ۱۹۰۵ ....

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۰ عہ/ جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۰

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۱ عہ/ جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۱

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۵ عہ/ جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۱

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۶ عہ/ جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۲

معاشرت - ایک اعلیٰ درجہ کی اخلاقی کتاب انگریزی کی گلستان سر جان لبک کی پلیزرز آف لائف کا ترجمہ

اتالیق بی بی - میاں کے افعال پر بی بی کی مزہ دار نکتہ چینیاں ۱۲

رفع النقاب - مروجہ پردے کے خلاف ایک مدلل رسالہ ۴

المشتہر حکیم سراج الحق - کٹرہ بزن سنگھان لکھنؤ

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

نمبر ۳ جلد ۱۵

مارچ سنہ ۱۹۱۳ء مطابق حمل سنہ ۱۳۴۲ محمدی

ایڈیٹر

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

منیجر و پبلشر

خاکسار حکیم سراج الحق عفا اللہ عنہ

دلگداز پریس میں چھپ کے لکھنؤ محلہ گولہ گنج سے شائع ہوا

دلگداز! دلگداز!! دلگداز!!!

۱۸۸۷ء سے مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شرر کی ایڈیٹری میں نکل رہا ہے۔ مضامین جنھیں تیر و نشتر یا کسی چشم فتان کی نگاہ ناز کہیں جو دل میں اُترتی اور دل ہی دل میں رہ جاتی ہے اعلیٰ درجہ کے ادبی اور تاریخی مضامین ہوتے ہیں ختم سال پر بشرط خریداری سال مابعد مولانا شرر کا ایک نیا مکمل ناول خریداران دلگداز کو مفت دیا جاتا ہے قیمت ایک روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک۔

المشتہر منیجر دلگداز۔ کٹرہ بزن بیگ خان۔ لکھنؤ

مولانا شرر کی کتابوں کے نئے لائبریری ایڈیشن

نفیس مزاج قدردانان علم کے لیے مولانا شرر کی نئی اور پرانی کتابیں بڑے اہتمام سے صاف و واضح مسطر پر چھاپی جاتی ہیں۔ جن کی نفاست دیکھنے کے قابل ہے۔ اس سلسلۂ طبع کا نام لائبریری ایڈیشن رکھا گیا ہے۔ جو حضرات پہلے سے اجازت دے دیتے ہیں اُن کا نام لائبریری ایڈیشن [illegible] درج کر لیا جاتا ہے۔ اور تیار ہوتے ہی ہفتہ عشرہ پہلے اطلاعی کارڈ بھیج کے بلا انتظار جواب وی۔ پی۔ بھیجدی جاتی ہیں۔ مجلد کتابوں کے خریداروں سے اصل قیمت پر [illegible] کے حساب سے اضافہ کر لیا جاتا ہے۔ اگر علمی مذاق کی مربی گری منظور ہو تو فوراً لائبریری ایڈیشن کے [illegible] اپنا نام درج کرا دیجئے۔

نمبر ۱۔ افسانۂ قیس۔ مجنون عامری کی لائف جو از سر نو مکمل کی گئی ہے۔ قیمت فی جلد ۱۲؍

نمبر ۲ قیس و لبنیٰ مشہور عاشق عرب قیس بن ذریح عذری اور اُس کی معشوقہ لبنیٰ کے حالات کو ایک نہایت پُر اثر اور دلچسپ ناول کا لباس پہنایا گیا ہے قیمت ۱۲؍

نمبر ۳ حسن بن صباح۔ بانی فرقہ باطنیہ کے حالات زندگی اُس کی تعلیمیں اُس کا علم و فضل اور اُس کے سر بکف فدائی۔ قیمت ۶؍

نمبر ۴ عصر قدیم۔ ایک نہایت مکمل اور سلجھی ہوئی تاریخ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پیشتر کی تمام قوموں اسرائیلیوں۔ مصریوں۔ اسیریا و بابل والوں۔ ایرانیوں یونانیوں۔ فنیقیہ والوں۔ رومیوں [illegible] [illegible] وغیرہ کے اجمالی حالات ہیں قیمت [illegible]

نمبر ۵ آغا صادق کی شادی لکھنؤ کے دربار شاہی کی ایک مذاق کی تصویر ظرافت کے ساتھ قیمت ۴؍

نمبر ۶ فلورا فلورنڈا۔ اندلس کا آخری عہد مسلمانوں کی برداشت اور مسیحیوں کا احمقانہ تعصب نہایت دلچسپ اور پُر اثر تاریخی ناول قیمت ۱۲؍

نمبر ۷۔ خواجہ معین الدین چشتی [illegible] خواجہ اجمیری کے مستند تاریخی واقعات اور آپ کے کمالات

نمبر ۸ فلپانا مولانا شرر کا بہت ہی پُر مذاق تاریخی ناول [illegible] طرابلس الغرب پر صحابہ کرام کا حملہ حضرت عثمان غنی کا دور [illegible] کی پاکبازی و بے نفسی شاہزادی فلپانا اور عبد اللہ [illegible]

المشتہر حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز لکھنؤ

مرد چون پیر شود حرص جوان می گردد

قدرت نے باغ عالم کے میوزیم مین عجیب عجیب قسم کی متضاد چیزین پیدا کر رکھی ہین مگر موت
اے ناتوانون کو چھیننے والی۔ اور سرکشون کو خاک مین ملانے والی موت! کیا یہان کوئی تجھ سے
بھی زیادہ عجیب و غریب چیز ہے؟ بہت سے مصیبت زدہ ان کو تیری آرزو کرتے اور بہت سے
ارمان نصیبون کو تجھ پر مرتے دیکھا ہے۔ خصوصاً بیقراران عشق اور شمع رخسار کے پروانون نے
تو تیرے شوق مین بے انتہا ہائے ہائے مچا رکھی ہے۔ ایک نازک خیال مصیبت کی زندگی ہی کو
مرنے کی تمنا ٹھہراتا اور کہتا ہے

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیون جیتے ہین غالبؔ — قسمت مین ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

دوسرا انتہائے ہی جوش دل سے موت کے استقبال مین صدائے مرحبا بلند کرتا ہے

ہو چکی شہر سے شہرۂ رسوائی — اے مری موت تو بھلی آئی

لیکن غور سے دیکھو تو یہ صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ کون ہے جو موت سے نہین بھاگتا
اور مرنے کے نام سے کس کا دم نہین نکلتا؟ انسان کی عمر جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر
اس کی مسرتین کم ہوتی جاتی ہین۔ لیکن باوجود ان نامرادیون کے اس کے دل مین جینے کی ہوس
یوماً فیوماً ترقی کیا کرتی رہتی ہے۔

کسی بڑھیا کی حسین و نازنین جوان جہان بیٹی جس کا نام "ماہ رخ" تھا مدت سے
بیمار تھی۔ ماں اکثر دعا کیا کرتی کہ "یا اللہ اس کی آئی مجھ کو آجائے!" اتفاقاً ایک اندھیری

رات کو گھر مین مان بیٹیون کے سوا کوئی تیسرا نہ تھا - مریضہ کمرے مین سو رہی تھی اور ضعیفہ کھلے دالان مین - دروازہ کھلا رہ گیا تھا - پڑوسی کا بیل گھر مین گھس آیا - اور سیدھا باورچیخانہ مین گیا - وہان چھوٹی دیگ کھلی پڑی تھی - اُس مین سر ڈالا کہ کچھ ہو تو کھاؤن - سر جاتے کو تو دیگ مین چلا گیا مگر نکالنا چاہا تو سب تیک اڑ رہے تھے - اُس دیگ کو سر پر اُٹھا کے کھڑ کھڑاتا اور بجاتا ہوا گھبرا گھبرا کے ادھر اُدھر بھاگنے لگا - اور گھر مین قیامت کا ہنگامہ مچا دیا - بڑھیا کی جو آنکھ کھلی تو ایک ایسا عجیب الخلقت حیوان نظر آیا کہ نہ کبھی دیکھا تھا اور نہ سُنا تھا - سمجھی کہ ملک الموت ہین جو میری بیٹی کی روح قبض کرنے کو آئے ہین - اسی خیال مین تھی کہ بیل کمال اضطراب کے ساتھ اُس کی طرف دوڑا - بڑھیا بدحواس پلنگ پر سے اُٹھ کے بھاگی اور پکار پکار کے کہنے لگی "میری طرف کیون آتے ہو؟ ماہ رخ اُس کمرے مین لیٹی ہے!" آہ! اے ہادم اللذات موت! یہ تیرا ہی خوف تھا جس نے مان کی ممتا کو بھی بھلا دیا - ایک قریب المرگ بڑھیا جو قبر مین پانون لٹکائے ہے اور رات دن بیٹی کی موت کو اپنے سر پر بلایا کرتی ہے تیری صورت دیکھتے ہی اپنی جان بچاتی اور کمال سنگدلی کے ساتھ اپنے کلیجے کے ٹکڑے اور اپنی آنکھون کی ٹھنڈک بیٹی کو تیرے سامنے پیش کیے دیتی ہے۔

بڑھاپے کی زندگی سے بھی بڑا کوئی عذاب ہو سکتا ہے؟ قویٰ نے جواب دے دیا - حواس مختل ہو گئے - دو قدم چلنا محال ہے - ذرا ذرا سے کامون کے لیے دوسرون کے محتاج ہین - اور ہر خواہش مین اورون کے دست نگر - یہی حالت ہے جسے دیکھ کے سکندر نے ابدی زندگی کو خیرباد کہہ دی اور آب حیات نہ پیا - صاف کہہ دیا کہ ایسے جینے سے مرنا بہتر ہے - مگر یہ سکندر ہی سے ہو سکا جو جوان تھا - وہ پیر فانی جو بڑھاپے کی تلخیون کا مزہ چکھ رہا ہے اُس کی زبان سے یہ کلمہ ہرگز نہ نکلے گا - اُسے زندگی کی سب سے زیادہ آرزو ہے۔

وہ معمولی قسم کے خطرے اور ذرا ذرا سے اندیشے جنھین ہم جوانی مین بالکل ہیچ اور ہیچ در ہیچ خیال کرتے تھے اب بڑھاپے مین ہمین نہایت ہی خطرناک نظر آنے لگے ہین - ہم ہر قسم کی احتیاطین برتتے ہین - قوی الاثر دواؤن کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے لاتے ہین - جس چیز مین مضرت کا کچھ بھی اندیشہ سُنتے ہین اُس سے کوسون بھاگتے ہین - جو پرہیز کبھی نہین ہو سکتا تھا اب ہو جاتا ہے - اور پھر اس پر بھی ملک الموت کا ڈر کا ہین جاتا - جس سے بچنے اور ملک الموت کا مقابلہ کرنے کی تدبیرون مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھتے - ...

زندگی کے جو چند ایام باقی رہ گئے ہین وہ اسی بے سود و بے نتیجہ کوشش مین صرف ہو جاتے ہین کہ کسی طرح موت کے چنگل سے بچین اور دنیا مین ہمیشہ بنے رہین۔

اپنی زندگی کے آیندہ ایام کے متعلق ہمین کچھ بھی نہین معلوم۔ نہ یہ جانتے ہین کہ کتنے دن ہین نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کیسے گزرین گے۔ اور نہ اس کی خبر ہے کہ ان مین کیا ہوگا۔ عمر رفتہ کا میدان البتہ پیش نظر ہے جسے ہم طے کر آئے ہین۔ جس مین تلخیان بھی تھین مگر بہت سی دلچسپ باتین بھی تھین جو یاد ہین۔ انھین کو یاد کر کے ہم اکثر خوش ہو لیا کرتے ہین۔ اور موجودہ ایام زندگی مین دل ستم دیدہ کی تسلی کے لیے ان گزشتہ مسرتون کی یاد سے بہتر کوئی نسخہ ہمین ہاتھ نہین لگتا ہے۔ لیکن افسوس عمر رفتہ کے واقعات کا چراغ آیندہ ایام زندگی مین نہین روشن ہو سکتا۔ وہ چراغ صرف موجودہ حصۂ عمر کے کلبۂ اخزان تک آتا ہے اس حد سے ذرا بھی آگے لیجانے کا قصد کیا اور گل ہوا! اس کے ساتھ قیامت یہ کہ زندگی کی دشواریون - طرح طرح کی تکلیفون اور تجربہ کی وسعت نے دل مین دھڑکا پیدا کر دیا ہے کہ آیندہ زندگی نہایت ہی دشوار اور سخت کٹھن ہو گی۔ مگر زندگی کی حرص بھلاوے مین ڈال کے اور ہمین بے نتیجہ ہوسون کی نہ پوری ہونے والی آرزوؤن مین مبتلا کر کے ہمارے دل مین ایک ایسی امید موہوم پیدا کر دیتی ہے جو تمام تجربون اور کل مسلم واقعات پر غالب آ جاتی ہے۔ اور یقین ہو جاتا ہے کہ گزشتہ زندگی کی طرح آیندہ حصۂ عمر مین بھی کچھ مسرتین ضرور ہون گی۔ اس خیال کے ساتھ ہی جی چاہنے لگتا ہے کہ آیندہ مسرتون اور خوشیون کے انتظار مین جہان تک ہو سکے زندہ ہی رہین۔

اب اس ہوس مین ہماری حالت اس جواری کی سی ہو جاتی ہے جو ہارتا جاتا ہے مگر کھیل سے ہاتھ نہین روکتا۔ ناکامی ہر بار اس کے دل مین نیا داؤن لگانے کا جوش بڑھاتی ہے اور اسے ایک دھن سی ہو جاتی ہے کہ جس قدر زیادہ ہارتا ہے اسی قدر زیادہ کھیلتا اور زیادہ بڑھ بڑھ کے داؤن لگاتا ہے۔ اور جب تک بالکل تباہ نہ ہو جائے ہمت نہین ہارتا۔

آخر یہ ہوس دنیا جو زندگی کے ساتھ ساتھ بڑھتی اور روز بروز زیادہ ہی ہوتی جاتی ہے ہم مین کیونکر پیدا ہو گئی ہے؟ اور یہ ہمیشہ جیتے رہنے کی آرزو کیون ہے [illegible] دیکھ رہے ہین کہ جینا وبال جان ہو گیا ہے مصیبت کے سوا مسرت کا چہرہ دیکھنا بھی

نصیب نہیں ہوتا۔ لیکن دل یہی چاہتا ہے کہ اور جییں۔ کیا یہ ہماری فطرت کا کرشمہ ہے؟ یا ہمارا اقتضائے طبع یہی ہے؟ لیکن ایسا تھا تو پھر مرتے کیوں؟ اور زندگی ابدی لاکھ اچھی ہو بے مانگے کیوں نہ مل جاتی؟

دیکھو وہ بوڑھا پیر فانی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ زندگی اُس کے حق میں بلائے جان ہے؟ اور صاف نظر آرہا ہے کہ اب اس جینے میں مصیبتوں کے سوا کچھ نہیں باقی رہا۔ جن آفتوں اور تباہیوں کو دیکھ کے چاہیے تو یہ تھا کہ اس دائرے کو پہونچنے کے بعد وہ موت سے اتنا نہ ڈرتا جتنا کہ جوانی میں ڈرتا تھا۔ اب تو اُسے مرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے تھا۔ بلکہ موت نہ بھی آتی تو وہ خود اپنے ہی ہاتھ سے اپنی پُر محن زندگی کا خاتمہ کر کے اس حسرت واندوہ کے سین کو موقوف کر دیتا اور اُن صدموں اور تکلیفوں سے نجات پا جاتا جن میں کہ مبتلا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ عمر چند روزہ اُسے ہمیشہ اور ہر زمانے سے زیادہ عزیز ہے۔ موت جسے چاہیے تھا کہ وہ خود ہی ذوق وشوق سے بُلاتا اب اُس کی نظر میں ایک نہایت ہی خوفناک چیز بن گئی ہے۔ اور باقی ماندہ حسرتناک زندگی اُس کے خیال میں ایک بڑی بھاری مسرت اور نعمت عظمیٰ بنی ہوئی ہے۔ حالانکہ غور سے دیکھو تو وہ کچھ بھی نہیں ہے۔

قاعدہ ہے کہ ساتھ کے رفیقان زندگی اور آس پاس کی تمام چیزوں سے ہمیں اسی قدر محبت ہو جاتی ہے جس قدر کہ اُن کا ساتھ رہے۔ اور وہ ہماری نظر کے سامنے رہیں۔ ایک جگہ رہتے رہتے ہمیں اُس جگہ سے بھی اُنس ہو جاتا ہے۔ ایک بوسیدہ اور قریب الانہدام عمارت جسے ہم مدت سے دیکھتے رہے ہوں جب کھدنے لگتی ہے تو ہمارا دل دُکھتا ہے۔ جانتے ہیں کہ وہ پھر بنانے کے لیے کھودی جاتی ہے اور اُس کی جگہ بڑی بھاری عظیم الشان عمارت بنا کے کھڑی کر دی جائے گی۔ مگر دل نہیں مانتا۔ اُسے اُس کے کھدنے پر رنج ہی ہوتا ہے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بات ہماری سرشت میں داخل ہے کہ جس چیز کو مدت تک دیکھتے رہتے ہیں اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ بس میں سمجھتا ہوں کہ یہی چیز اور ہماری یہی سرشت ہمارے دلوں میں ترقی عمر کے ساتھ دنیا میں رہنے کی ہوس کو روز بروز بڑھاتی جاتی ہے۔ چونکہ زندگی کا ایک بڑا حصہ دنیا میں بسر ہوا ہے اس لیے ہمیں دنیا کی تمام چیزوں سے محبت ہو جاتی ہے۔ اور

جی نہیں چاہتا کہ اُن میں سے کسی کو بھی چھوڑیں۔ اس سے بحث نہیں کہ اس طرح ایڑیاں رگڑنے اور اس جینے سے ہمیں کوئی فائدہ بھی ہوگا یا نہیں۔ اور باقی ماندہ حصۂ عمر میں ہمارے لیے کسی قسم کی خوشی بھی ہے یا نہیں۔ بلکہ صرف اس وجہ سے کہ دنیا کی تمام چیزوں کو ایک مدت سے دیکھتے چلے آتے ہیں۔ اور ان سے محبت ہوگئی ہے۔

کسی رحمدل بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کی خوشی میں حکم دیا کہ قیدخانوں میں جتنے قیدی ہوں سب رہا کردیے جائیں۔ حسب فرمان شاہی سارے قیدی بادشاہ کے سامنے لا کے کھڑے کردیے گئے کہ اُسے دعائیں دے کے اپنے اپنے گھروں کو جائیں اتنے میں ایک نہایت ہی بوڑھا سن رسیدہ پیرِ فانی اسیروں کی صفوں میں سے نکل کے آگے آیا اور بادشاہ کے سامنے زمین بوس ہو کے عرض کرنے لگا "خداوندا! میری عمر اس وقت پچاسی برس کی ہے۔ اور بائیس سال کی عمر سے قید ہوں۔ میں بالکل بے گناہ اسیر کیا گیا تھا۔ نہ مجھ سے کوئی خطا سرزد ہوئی تھی۔ نہ کسی جرم کا مرتکب ہوا تھا۔ اور نہ مجھے اپنی حق بات کچھ کہنے اور جواب دہی کرنے کا موقع دیا گیا تھا لیکن اب یہاں پڑے پڑے ایک قرن سے زیادہ زمانہ گزر گیا اور تریسٹھ سال اسی قیدخانہ کی تاریکی اور تنہائی میں بسر ہوگئے۔ جیل سے نکال کے یہاں تک لائے جاتے ہی میں میری یہ حالت ہوگئی کہ روشنی اور دھوپ کی تیزی سے آنکھیں خیرہ ہو گئیں نہ مجھے کچھ سجھائی دیتا ہے اور نہ اب کھلی فضا میں چل پھر سکتا ہوں۔ دنیا میں میرا کوئی عزیز آشنا بھی نہیں باقی رہا۔ جو ہیں سب مجھے بھول گئے ہیں۔ اور میں انھیں بھول گیا۔ اس لیے حضور عالی مجھے تو اجازت ملے کہ اپنی باقی ماندہ زندگی بھی اسی قیدخانے میں کاٹ دوں۔ اور اسی کال کوٹھری میں پڑا رہوں جس میں اتنے دنوں رہ چکا ہوں۔ خوبصورت محلوں اور عالی شان ایوانوں سے مجھے اپنی اس تنگ و تاریک کوٹھری کی دیواریں زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ مجھے اب تھوڑے ہی دنوں اور جینا ہے اور تمنا ہے کہ باقی زندگی بھی اسی جگہ بسر کردوں جہاں میری جوانی اور اتنی عمر گزر چکی ہے۔"

اس بوڑھے پیرِ فانی کا قیدخانے میں پڑے رہنے کی آرزو کرنا ویسا ہی ہے جیسے کہ ہر شخص کو دنیا میں رہنے کی ہوس ہوتی ہے۔ قیدخانہ اُسکی [illegible] ہے جیسے

کوئی نہین پسند کرتا - ہر فرد بشر اُس کے نام سے کانپتا اور بھاگتا ہے - مگر رہتے رہتے انسان اُس کا بھی آرزومند ہو جاتا ہے اور پسند کرنے لگتا ہے - پُرانے قیدی چھوٹتے وقت ساتھیون سے اُسی طرح رخصت ہو کے آتے ہین جس طرح کوئی حرمان نصیب اپنے وطن سے نکلتا ہو - اور باہر آتے ہی کوشش کرتے ہین کہ جس قدر جلد ہو سکے اپنے آپ کو پھر اُس مین پہونچا دین - اسی طرح ہم دنیا مین جس قدر زیادہ رہتے ہین اُسی قدر زیادہ ہمین اُس سے محبت ہو جاتی ہے - ہمارے پالے ہوئے جانور - ہمارے لگائے ہوئے درخت - ہمارے بنائے ہوئے مکان - اور اسی قسم کی ہزارہا چیزین یوماً فیوماً ہمین دنیا سے وابستہ کرتی جاتی ہین - اور اُن سے چھوٹنے کا ہمین بہت ہی افسوس ہوتا ہے -

نوجوان کی نظر مین دنیا ایک نئی چیز ہوتی ہے - اُس کے لیے اُس زمانہ مین اگرچہ دلچسپی و لطف کا بہت کچھ سامان جمع ہوتا ہے مگر وہ اُس کی کچھ زیادہ پروا نہین کرتا - لیکن آخر عمر مین دنیا اُس کی پُرانی رفیق و انیس بن جاتی ہے - اور اُس وقت لے دے کے جو کچھ دلچسپی باقی رہ جاتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم گزشتہ خوشیون اور لذتون کو یاد کر لیا کرین - اب کسی نئی چیز سے ہمارا دل خوش نہین ہوتا - کوئی نئی بات ہمین پسند نہین آتی مگر ان بے لطفیون پر بھی ہم دنیا مین رہنا چاہتے ہین - اور اُس سے بے انتہا محبت کرتے ہین یہان تک کہ اپنے زوال پذیر حز اے کو بہت ہی کفایت شعاری سے صرف کرتے ہین تنگی ترشی سے بسر کرتے ہین - اور ہر وقت اسی فکر مین رہتے ہین کہ جو کچھ اندوختہ ہے بہت دنون کام آئے - اور اس انجام کو کہ ایک دن موت آئے گی اور ہمین اپنی تمام عزیز چیزون اور محبوب لوگون سے چھڑا دے گی ہم بہت ہی درد کے ساتھ یاد کرتے اور نہایت حسرت کی نظر سے دیکھتے ہین -

انہار بحر

قدرت نے دنیا مین عجیب و غریب چیزین پیدا کی ہین - موجودہ زمانہ کی سائنس کی ترقیان اور بڑی بڑی شاندار تجربات ہر چیز کے وجوہ اور اسباب دریافت کرتے جاتے ہین مگر اب بھی بہت سی چیزین ایسی ہین جن مین عقل انسانی حیران ہے انھین مین سے ایک انہار بحر ہین جن کے متعلق کوئی قطعی طور پر نہین کہہ سکتا کہ

جاری ہیں۔ قرآن مجید میں خداوند جل و علا فرماتا ہے "مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان" اِس کی پوری اور صحیح تفسیر پوچھیے تو ان انہار بحر کا پتہ لگنے سے پہلے دنیا میں کسی کو نہیں معلوم ہو سکتی تھی۔ لیکن اب موجودہ تحقیقوں اور جستجوؤں کے بعد دیکھتے ہیں کہ سمندر ہی کے اندر کس طرح نہریں جاری ہیں اور کیونکر بغیر کسی حجاب و برزخ کے ایک پانی خاموش و رُک رہتا ہے اور دوسرا زور و شور سے جاری ہے۔

انہار بحر سمندر کے دریا ہیں۔ ہمارے بہت سے ناظرین حیران ہوں گے کہ سمندر میں دریا کیسے؟ مگر خدا کی قدرت ایسے ہی معجزات دکھاتی رہتی ہے۔ جس طرح خشکی پر ہزاروں دریا بہ رہے ہیں بالکل اُسی طرح سمندر میں بھی ہیں۔ اس بات میں کہ یہ سمندر میں کیونکر جاری ہیں بہت سی رائیں قائم کی گئی ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی وجہ ایسی نہیں جو دل میں جم کے بیٹھ جائے۔ پہلی وجہ تو یہ بتائی جاتی ہے کہ آفتاب کی تمازت سے خط استوا اور اُس کے آس پاس کا پانی گرم ہو جاتا ہے اور چونکہ عام قاعدہ ہے کہ گرم چیز پھیلتی ہے اس لیے یہ گرم پانی پھیلتا۔ اپنی سطح سے کسی قدر اونچا ہو کے بہتا۔ اور قطبین کی طرف چلتا ہے جہاں کا پانی ٹھنڈا اور خط استوا کے پانی کی سطح سے کسی قدر نیچا ہے اس طریقہ سے پانی کا ایک بہاؤ قائم ہو گیا ہے اور گرمی کے ابھار سے جو جوف پیدا ہوتا ہے اُس کی جگہ بھرنے کے لیے قطبین کے پاس سے سرد پانی نیچے ہی نیچے بہ کر خط استوا کی طرف آتا رہتا ہے یہی سمندر کی بالائی اور اندرونی نہریں ہیں۔ قطبین کی طرف سے جو نہریں خط استوا کی طرف آتی ہیں وہ اکثر سطح آب کے نیچے ہوتی ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں۔ مگر بعض سطح آب کے اوپر بھی ہوتی ہیں۔ اگر سطح زمین پر ہر جگہ ایک ہموار گہرائی کا سمندر ہوتا تو اُس کے دورے کی وجہ سے سب جگہ کے پانی کی حرارت ایک ہی درجہ پر رہتی۔ مگر سمندر کی گہرائی کہیں کم ہے اور کہیں زیادہ۔ کہیں اُس کی سطح کے نیچے اوپر زمین بھی نکل آئی ہے لہذا اس پانی کی رفتار کے خاص خاص راستے مقرر ہو گئے ہیں جو عظیم الشان نہروں کی طرح سمندر میں بہتے بہتے قطبین کی طرف جاتے ہیں اور وہاں سے سطح آب کے اندر ہی اندر خط استوا تک آتے ہیں۔

اس پانی کے دورے کے خاص راستہ مقرر ہو جانے کے مختلف وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ وجہ پیش کی جاتی ہے کہ جس طرف سطح آب پر ہوا معمولاً چلتی رہتی ہے اسی طرف ان

نہرون کا بھی رخ ہوجاتا ہے۔ اور بعض زمانہ حال کے جغرافیہ دان اسی کو ان انہار کے جاری ہوجانے کا اصلی سبب بتاتے ہین۔ اور اصل بھی یہی ہے کہ سمندر کی سطح پر ہوا بہت بڑا اثر کرتی ہے اور بہت سی سمندر کی چھوٹی چھوٹی ندیین محض ہوا کی رفتار سے پیدا ہوجاتی ہین چنانچہ بحر ہند مین چونکہ ہوا کا رخ موسم کے ساتھ بدلتا رہتا ہے لہذا جس طرف کی ہوا ہوتی ہے اسی طرف ان نہرون کا بھی رخ ہوجاتا ہے۔ لیکن سمندر کے اندرونی یعنی سطح آب کے نیچے کی نہرون کے لیے یہ وجہ نہین ہوسکتی۔ سمندرون کے بعض حصون مین ہوا ہمیشہ شمال و مغرب کی طرف چلا کرتی ہے اور بعض مقامات پر جنوب و مغرب کی طرف۔ پس ان حصون مین سب سے بڑی بڑی نہرین ہمیشہ مغرب ہی کی جانب بہتی ہین۔ بعض مقامات پر نہرین مشرق کی جانب بھی جاری ہین مگر وہان ہوا کا رخ بھی مشرق ہی کی طرف ہوتا ہے۔

عام قاعدہ ہے کہ زمین کی گردش کی وجہ سے کوئی چیز اگر کرۂ زمین پر حرکت کرتی ہو تو اگر وہ خط استوا سے شمال مین ہو تو داہنی جانب اور اگر جنوب مین ہو تو بائین جانب کسی قدر ہٹ جائے گی۔ اسی وجہ سے یہ سمندر کی نہرین بھی جو مغرب کی جانب بہتی ہین کسی قدر اپنے داہنے یا بائین جانب مڑ جاتی ہین یہان تک کہ کوئی زمین کا حصہ ملتا ہے جو روک کے اُن کا رخ بالکل پلٹ دیتا ہے اور وہ بجاے مغرب کی طرف جانے کے بالکل مشرق کی طرف منھ کر کے بہنے لگتی ہین بحر اٹلانٹک کی بڑی نہر مغرب کی جانب چلتی ہے یہ اتنی بڑی ہے کہ چوڑائی مین خط استوا کے شمال اور جنوب دونون جانب ہوتی ہے جو خط استوا کے شمال مین ہے وہ کسی قدر اپنے داہنے جانب ہٹ جاتی ہے یہان تک کہ امریکہ کے ساحل سے ٹکرا کے مشرق کی جانب پھر جاتی ہے اور دوسری جو خط استوا کے جنوب مین ہے وہ کسی قدر اپنے بائین جانب ہٹ جاتی ہے اور وہ بھی ساحل امریکہ سے ٹکرا کے اور دوسری طرف سے مڑ کے مشرق کی طرف واپس ہوتی ہے۔

اگر کرۂ زمین پر تمام سمندر ہی سمندر ہوتا تو غالباً ان سب نہرون کا رخ قریب قریب مغرب ہی کی جانب ہوتا۔ لیکن خشکی کے بڑے بڑے حصہ سمندر کی سطح سے اوپر نکلے ہوے ہین جن کی وجہ سے یہ نہرین شمال اور جنوب کی طرف مڑ جاتی ہین اور اس طرح سے ایک دَور قائم رہتا ہے تاکہ قطبین کا سرد پانی اُسکے قریب آکر یہان کے پانی کی حرارت کو کم کرتا رہے اور خط استوا کے پاس کا گرم پانی وہان جا کے کسی قدر حرارت پیدا کرے

یہ اٹلانٹک کی شمالی نہر جب ساحل امریکہ سے ٹکرا کے اور خلیج میکسکو میں سے گھوم کر نکلتی ہے تو انگریزی جغرافیہ دان اسکو **گلف اسٹریم** یعنی خلیج کی نہر کہتے ہیں۔ یہی وہ نہر ہے جو خاص طور پر انگلستان اور شمالی یورپ کے ساحلوں سے گزرتی ہوئی بحر منجمد شمالی میں پہونچ کے غائب ہو جاتی ہے ملک ناروے کے بندرگاہ اسی کی وجہ سے سال بھر جہازوں کی آمد و رفت کے لیے کھلے رہتے ہیں۔ اگر اس کا گرم پانی وہاں سے نہ گزرتا تو یقیناً سال کے زیادہ حصے میں وہاں برف جمی رہتی جیسے کہ بحیرۂ بالٹک کا حال ہے جو اس سے ۱۲۰۰ میل خط استوا کی طرف ہٹا ہوا ہے سال کے زیادہ حصے میں برف سے بند رہتا ہے اور بحیرۂ اسود جو اس سے بھی زیادہ خط استوا کی طرف ہٹا ہوا ہے وہ بھی جاڑوں میں اکثر جم جاتا ہے۔ مگر ناروے کے بندرگاہ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ اور ان کا پانی کبھی نہیں جمتا۔

اچھا اب اس نہر کو دیکھو جو بحر منجمد شمال کی طرف سے بہتی ہوئی ملک لیبریڈر کے ساحل کے پاس سے گزرتی ہے۔ لیبریڈر اور انگلستان قریب قریب ایک ہی خط میں واقع ہوئے ہیں یعنی خط استوا سے دونوں کا فاصلہ قریب قریب برابر ہے اور اس لحاظ سے دونوں ملکوں کی سردی اور گرمی برابر ہونی چاہیے تھی۔ مگر انگلستان کے سواحل ہمیشہ برف سے صاف رہتے ہیں اور لیبریڈر کے ساحل سال میں ۹ مہینے سے زیادہ برف کی وجہ سے بند رہتے ہیں بعض جگہ سمندر میں ٹھنڈی اور گرم نہریں مل جاتی ہیں یہاں اکثر کہرا پڑا کرتا ہے اور وہاں کے پانی میں تلاطم بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔

عام سمندر کے پانی میں اور ان نہروں کے پانی میں اکثر اختلاف بھی ہوتا ہے۔ اگر نہر خط استوا کی طرف سے آتی ہے تو اس کا پانی سمندر کے پانی سے زیادہ گرم ہوگا اور رنگ میں بھی کسی قدر زیادہ سیاہی مائل ہوگا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جہاز کے ایک طرف تو سمندر کا پانی ہے اور دوسری جانب نہر کا پانی۔ ایک طرف ڈول ڈال کے پانی نکالا جائے تو ٹھنڈا نکلے گا اور دوسری جانب اس سے زیادہ گرم اور زیادہ سیاہی مائل۔ مگر ایسے مقامات سے جہاز کو بہت جلد نکال لے جاتے ہیں کیونکہ وہاں جہاز میں غیر معمولی حرکت ہونے لگتی ہے۔

یہ سمندر کی نہریں جن ملکوں کے پاس سے ہو کر گزرتی ہیں وہاں کی آب و ہوا پر

بھی بہت بڑا اثر ڈالتی ہین مثلاً انگلستان کے موسم مین اسی **گلف اسٹریم** کی بدولت ایک خوشگواری پیدا ہو گئی ہے ورنہ وہان سردی بہت زیادہ ہوتی - تجارت کو بھی ان نہرون سے بڑی مدد ملتی ہے - ہم اوپر بتا چکے ہین کہ بہت سے مقامات کے بندرگاہ محض انھین کے اثر سے جہازون کی آمد و رفت کے لیئے سال بھر کھلے رہتے ہین ورنہ برف سے بند رہتے - بعض مقامات پر جہازون کو اپنی رفتار مین ان سے مدد ملتی ہے - مثلاً جو جہاز افریقہ کے جنوبی راس امید کے پاس سے ہوکر گزرتے ہین اگر وہ انگلستان سے آسٹریلیا کی طرف جاتے ہوئے تو وہ ساحل سے بہت دور ہٹ کے نکل جاتے ہین تاکہ اُن کو اس نہر مین ہوکے چڑھاؤ نہ کاٹنا پڑے جو وہان ساحل کے قریب جاری ہے - اور جو جہاز انگلستان کی طرف جاتے ہین وہ ساحل سے قریب قریب جاتے ہین تاکہ اُن کو اپنی رفتار مین اُس کے بہاؤ سے مدد ملے -

یہ نہرین خشکی کی چھوٹی چھوٹی ندیون کی طرح نہین ہین بلکہ بہت لمبی چوڑی ہوتی ہین گلف اسٹریم کی چوڑائی تقریباً ۴۰ میل ہے اور ۳۰۰ فٹ سے زیادہ گہری ہے - بعض جگہ اس کی چوڑائی اس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے - پانی کے رنگ مین بھی ایک بہت ہی نمایان اختلاف ہے کیونکہ اس کا پانی گہرے نیلے رنگ کا ہوتا ہے -

جاپان کے قریب سے جو نہر بہتی ہے اس کا رنگ سیاہ ہے اور اسی وجہ سے وہان کے لوگ اُسے "کوروسیوا" یعنی کالی ندی کہتے ہین - یہ نہر بھی جاپان کو وہی سب فائدے پہونچاتی ہے جو **گلف اسٹریم** انگلستان اور ناروے کے موسم اور سواحل کو پہونچاتی ہے غرض کہ تمام دنیا کے سمندرون مین اسی طرح کی ہزارون نہرین جاری ہین جو ہمیشہ بہتی رہتی ہین اور تمام جہان پر اپنا اثر ڈالتی ہین -

دنیا کا سب سے بڑا اسٹیمر ٹائٹانک جو سال ڈیڑھ سال قبل تباہ ہو گیا تھا محض انھین انہار بحر مین سے ایک کی بدولت تباہ ہوا جو برف کا ایک بہت بڑا پہاڑ جو بیس بائیس میل لمبا چوڑا تھا قطب شمالی سے بہا کر بحر اٹلانٹک مین لے آئی - اور جہاز مذکور اُس سے ٹکرا کے تباہ و برباد ہو گیا -

الغرض یہ سمندر کی نہرین عجائبات قدرت مین سے ہین جن سے دنیا بے انتہا فائدہ اٹھا رہی ہے -

دہیاے کاہنہ

یہ ایک عجیب وغریب عورت تھی جو آج سے ساڑھے بارہ سو برس پہلے اپنی فطرتی دانائی اور اپنی ہوشیاری اور چالاکی سے سارے شمالی افریقہ کی ملکہ بن گئی تھی۔ اور قرون اولے کے وہ اہل عرب جنھوں نے ایران و ترکستان اور روم و مصر کی زبردست سلطنتوں کو تہ وبالا کر دیا تھا اُنھیں اس ہوشیار عورت پر غالب آنے میں بڑی بڑی دشواریاں پیش آئیں۔

یہ عورت ثابت بن تیفان نام ایک بڑے رئیس کی بیٹی تھی۔ اور چونکہ اُس کا شوہر قبائل زناطہ کے ایک مشہور قبیلے جراوہ کا سردار تھا۔ اس لیے وہ کاہنہ ہی نہیں اپنی قوم اور اپنے وطن کی ملکہ تھی۔ لیکن اس کے ساتھ اُس نے سحر اور نیرنگ کے فنون میں ایسا کمال حاصل کر لیا تھا کہ لوگ اُسے غیب کی باتوں سے واقف اور بڑی زبردست شیطانی یا روحانی قوتوں پر حاکم جانتے تھے۔ اور سچ یہ ہے کہ عوام کی اسی عقیدت نے اُسے ایک مدت تک ملک گیری عجیب وغریب طرح سے کامیاب رکھا۔ کوہ اوراس اُس کا مامن یا دار الحکومت تھا۔ ملت یہود کی پابند تھی۔ اور اس کی ساری قوم کا مذہب بھی یہی پرانا اسرائیلی دین تھا۔ اور یہ یہودیت ہی کا اثر تھا کہ اُس نے اپنے آپ کو روحانی علوم میں کامل اور بڑے شیاطین کو اپنا تابع فرمان بتانا شروع کر دیا۔

اس کے حکمران ہونے سے پہلے علاقہ جبل اوراس کا فرمان روا کسیلہ نام ایک شخص تھا۔ اہل عرب نے جب مصر پر قابض و حکمران ہونے کے بعد مغرب کی طرف آگے قدم بڑھایا تو اُنھیں طرابلس اور مراکش وغیرہ میں رومی حکمرانوں کے علاوہ اس بربری تاجدار سے بھی سابقہ پڑا۔ جسے شکست دے کے انھوں نے توحید الٰہی کی تعلیم اس سرزمین میں پھیلانا شروع کر دی۔ اور کسیلہ لڑائی میں مارا گیا۔ اُس کے قتل کے ساتھ ہی تمام بربری اور زناطی قبائل جا کے اُسی دہیا کے پاس حاضر ہوئے۔ اور اُسے سب سے زیادہ صاحب عقل اور غیب دان خیال کر کے اپنی ملکہ بنا لیا۔ یوں اس کیاد ساحرہ نے اپنا قدم کہانت کے بوریے سے اٹھا کے سریر فرمان روائی پر رکھ دیا۔ اور دیہیم شہریاری سر پر رکھ کے تاجدار و جہاں بان بن گئی۔

حکومت کے ساتھ چونکہ اُس مین یہ کمال بھی تھا کہ ہونے والی باتین بتا دیتی اور لوگون سے پہلے ہی سے کہہ دیا کرتی کہ اس کام کا یہ انجام ہوگا اس لیے بربری جو نرے اور ازحد وہمی انسان تھے فرمان برداری کے علاوہ اُس کے معتقد مرید بھی بن گئے۔ دہیا کے تین بیٹے بھی تھے جنھین اُس نے پالا تھا اور جو خاندانی سیادت و سرداری کے وارث ہوئے تھے مگر داہیہ کی سرکش طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ بیٹون کی فرمان بردار بن کے بیٹھے۔ چنانچہ کسیلہ کے مارے جانے اور اور اس کی ملکہ بننے سے پہلے ہی وہ اپنے تینون بیٹون کو اپنے اثر اور اپنے جادو کے زور سے مغلوب و مقہور کر چکی تھی۔

اب جو وہ سارے شمالی افریقہ کی ملکہ بن گئی تو عربون کو اُس کی سرکوبی کی فکر ہوئی۔ خاصۃً اس لیے کہ عقبہ بن نافع کا ایسا نامی گرامی سپہ سالار عرب جس نے پورے افریقہ کو مغرب تک فاتحانہ طریقہ سے طے کر کے شہر طنجہ کے پاس گھوڑے کو سمندر مین ڈال کے یہ صدا بلند کی تھی کہ "خداوندا اگر یہ سمندر حائل نہ ہو جاتا تو یہان تک زمین ملتی مین برابر تیری توحید کے نعرے لگاتا چلا جاتا" اُسے بظاہر تو کسیلہ نے خود مسلمان بن کے اور مکر و دغا سے اُسے اُس کے لشکر سے جدا کر کے بربریون کے نرغہ مین گھیر لیا تھا اور شہید کیا تھا لیکن تحقیقات کے بعد کھلا کہ اس دغابازی و مکاری کی اصلی بانی یہی مکار دہیا تھی۔ جس نے پہلے تو سنہ ۶۹ھ مین کسیلہ سے عقبہ بن نافع کو قتل کرایا۔ پھر جب کسیلہ اُس کے انتقام مین زہیر بن قیس کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تو اسی دہیا نے بربریون اور رومیون کو ایسا برانگیختہ کر دیا کہ سب نے یکایک نرغہ کر کے زہیر بن قیس کو بھی شہید کر ڈالا اور میدان خالی دیکھتے ہی دہیا افریقہ کی ملکہ بن گئی جس کی سلطنت کسی معمولی ملکہ کی سی نہین بلکہ ایک سن رسیدہ جادوگرنی کی ایسی تھی۔ جو علانیہ لوگون سے کہتی کہ شیاطین مجھے ہر بات کی خبر دے جایا کرتے ہین اور وہی ہر امر مین میرے مدد معاون رہتے ہین۔

یہ خبرین عبدالملک بن مروان کو پہونچین تو اُس نے حسان بن نعمان غسانی کو والی افریقہ مقرر کر کے اس کاہنہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ زہیر بن قیس کے مارے جانے کے بعد دہیا سارے افریقہ اور نیز اُن تمام شہرون پر متصرف ہو گئی تھی جنھین مسلمان اس سے بہت پہلے فتح کر چکے تھے۔ حسان نے قیروان اور قرطاجنہ پر

پر قبضہ کر کے علم اسلام قائم کیا۔ اور آگے بڑھے۔ بجایہ سے ایک منزل آگے گئے تو مسکیانہ کے
پاس دہیا کے زبردست لشکر سے مقابلہ ہوا دہیا نے ایسی جوانمردی دکھائی کہ ... سے اُن کی
فوج کو ہرا دیا کہ عربوں کو ... شکست ہوئی تھی۔ اسلامی سپہ سالار حسان ... اور پیا
اور اُن کا ایک بڑا حصہ دہیا کے ہاتھ ... گرفتار ہو گیا دہیا نے اس
موقع پر اپنی نیک نفسی ظاہر کی کہ جتنے مسلمان گرفتار تھے سب کو چھوڑ دیا
صرف خالد بن یزید عبسی نام ایک نہایت خوش رو جوان عرب کو روک لیا۔ اور وہ بھی
کسی بری نیت سے نہیں۔ بلکہ محض اس لئے کہ ... خالد کی پرورش اپنی
بیٹا بنا کے کرے ... اور ... اپنی صحبت میں
حسان ... شکست کھا کے واپس آئے تو برقہ کے علاقہ میں ٹھہر گئے اور عبدالملک کو
یہاں لکھا کہ اور لشکر بھیجئے۔ اور دہیا کی سرکوبی کے لئے ضرورت ہے کہ عربوں کا
غضب ... جب تک لشکر آئے۔ دمشق سے اس کی تعمیل ... دیر ہوئی اور حسان
پانچ سال تک برقہ میں کمک کے امیدوار پڑے رہے۔ اسی مدت گزرنے کے بعد
عبدالملک نے ایک بڑا بھاری زبردست لشکر اور بہت کچھ مال و خزانہ بھیجا اور
حسان کو ... حکم دیا۔ حسان چونکہ ایک دفعہ شکست کھا چکے تھے۔ اس لئے
اب کی بار روانہ ہونے سے پہلے اپنا ایک جاسوس نامہ بر خالد کے پاس بھیجا۔ اور ان سے
دہیا کے لشکر کی کیفیت اور حالت دریافت کی۔ خالد نے مخفی طور پر لکھ بھیجا کہ ...
فوراً حملہ شروع کر دیجئے۔ اور جس قدر جلد ممکن ہو یہاں آ پہونچئے۔ اس لئے کہ یہاں کی
تمام اہل بربر دہیا سے ناراض اور اس کے مظالم سے بیزار ہو رہے ہیں۔
کاہنہ کی خرابی یہ تھی کہ باوجود عورت ہونے کے نہایت ... اور ظالم تھی
اور ملک کو تباہ کرنے کے سوا کبھی اس کی آبادی کی فکر نہ کرتی تھی رعایا کی فلاح
سے اُسے سروکار نہ تھا۔ اور انسان کے تباہ و برباد کرنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتی
تھی خصوصاً جب اُس نے سنا کہ عرب پھر حملہ کیا چاہتے ہیں تو کہا ... کہ
عرب لوگ شہروں اور سونے چاندی کے خواستگار ہیں۔ اور ہماری خواہش
یہ ہے کہ کھیتوں اور چراگاہوں کو بچائیں اور شہروں کو جو ان کی نظر میں ... ہیں خود ہی
تباہ و برباد کر ڈالیں تاکہ عرب ادھر رخ ہی نہ کریں۔ ملک اجڑ گیا تو ...

واپس چلے جائیں۔" اپنی یہ پالیسی اور اپنا یہ احمقانہ خیال ظاہر کرتے ہی اُس نے اپنے مزارعوں کو روانہ کیا کہ تمام شہروں کو جا کے ویران و برباد کر دیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل سختی سے ہونے لگی۔ تمام چھوٹے بڑے شہر اُجاڑ دیے گئے۔ زبردست اور مضبوط قلعے مسمار و منہدم کروا دیے گئے۔ اور ساری رعایا کے گھر لوٹ لیے گئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حسان نے دوہی چار کوچ کیے تھے کہ رومی ساکنین افریقہ کے ایک جم غفیر نے آ کے دوہائی دینا شروع کی کہ خدا کے لیے ہمیں دہیاے کاہنہ کے ظلم سے بچا لیجیے۔ آگے بڑھے تو وہ شہر قابس میں پہنچے تو شہر والوں نے بہت سا مال و دولت اُن کے سامنے رکھ دیا اور اظہار اطاعت کیا۔ حسان نے خوش ہو کے اُن سے امن و امان کا وعدہ کیا۔ اپنی طرف سے ایک والی وہاں مقرر کیا اور شہر قفصہ میں پہنچے یہاں کے لوگوں نے بھی سر اطاعت جھکایا۔ پھر وہ اور کوچ کر کے شہر قسطیلہ میں آئے اور اُس پر بھی قابض ہو گئے۔

اب جو عربوں کی چڑھائی کی خبر دہیا کو پہنچی تو اُس نے اپنے دو بیٹوں اور خالد بن یزید کو اپنے سامنے بلوا کے کہا "مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ میں اب کی لڑائی میں ماری جاؤں گی۔ اس لیے تمھارے حق میں مناسب یہ ہے کہ خود ہی حسان کے پاس چلے جاؤ۔ اور اپنے لیے امان مانگ لو۔ بلکہ اُنھیں سے مل جاؤ۔ اب اس کے بعد تمھیں میرا ساتھ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" چنانچہ اُس کے بیٹے اور خالد اُس کی اجازت سے عربی لشکرگاہ میں چلے آئے۔ حسان کی اطاعت قبول کر کے اپنے لیے امان حاصل کی۔ اور عربوں ہی میں رہنے سہنے لگے۔ اب حسان اپنے لشکر کے ساتھ اُس کے سر پر جا پہنچے۔ دہیا نے اگرچہ اپنے فرزندوں کو بھیج دیا تھا مگر خود اُس نے اطاعت قبول نہیں کی۔ اور دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہو گئے۔

آخر لڑائی شروع ہو گئی۔ اور بڑی ہی خونریز لڑائی ہوئی۔ اس مرتبہ عربوں کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ اور افریقہ اور بربر والوں کی ہمتیں پست تھیں کیونکہ اب کی خود دہیا میں نہ وہ اگلا سا جوش و خروش تھا اور نہ کامیابی و فتحمندی کی امید تھی۔ چنانچہ بربریوں کو شکست ہوئی۔ اور عربوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ اس لڑائی کے ہنگامہ میں کسی اسلامی بہادر کی تلوار خود دہیاے کاہنہ پر پڑ گئی

جونکہ پی اور ترطیب کے اسی جگہ رہ گئی۔ اُس کے قتل ہوتے ہی بربریوں نے ہتھیار ڈال دیے پناہ مانگنا شروع کی۔ اور فاتحوں نے اپنی خون آلود تلواریں میانوں میں کیں۔

منجملہ دیگر عجائبات کے یہ بھی ہے کہ کہتے ہیں جس وقت دہیاے کاہنہ ماری گئی ہے اُس کی عمر ۱۲۷ سال کی تھی۔ اور تخت جہانبانی پر بیٹھے ہوے اُسے ۳۵ سال گزر چکے تھے۔ اُس کے مارے جاتے ہی پھر کسی میں مخالفت و سرتابی کا حوصلہ نہ تھا۔ سارا افریقیہ مطیع و منقاد ہو گیا۔ اور حسان نے افریقیہ کی مہم سے فارغ ہوتے ہی اندلس کے فتح کرنے کی طرف توجہ کی۔

افریقیہ میں اب امن و امان قائم ہو جانے کا اصلی سبب یہ تھا کہ حسان نے دہیا کا فتنہ دور کرتے ہی ایک نیا فوجی قانون جاری کیا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس کا بانی موجد فرانس کا مشہور سالار ہند ڈوپلے تھا جس نے ہندوستان میں پہلے پہل یہ تجویز کی کہ ہندوستانیوں کا ایک باضابطہ لشکر فرانسیسیوں کی تائید کے لیے قائم کیا جائے۔ جسے پوری تعلیم اور پورے اسلحہ دیے جائیں۔ اور جن کا اندیشہ نہ کیا جائے کہ یہ کبھی دغا دیں گے۔ اس سے پہلے ہندوستان میں فرنچ گورنمنٹ اور برٹش گورنمنٹ کی جتنی فوجیں ہندوستان میں تھیں سب فرانسیسی اور انگریز سپاہیوں کی تھیں۔ ڈوپلے کی اس تجویز کے بعد سے فرانسیسیوں نے ہندوستانی فوجیں اپنے یہاں مقرر کیں اور انگریزوں نے اپنے یہاں۔ اور جوں جوں ان کی وفاداری کا تجربہ ہوتا گیا اُن کو روز بروز ترقی دی گئی۔

مگر ڈوپلے سے گیارہ بارہ سو برس پہلے یہ اصول دہیا کا ہنگامہ فرو کرنے کے بعد حسان بن نعمان نے افریقیہ میں جاری کر دیا تھا۔ اس لیے کہ اُس نے بربریوں پر یہ لازمی قرار دیا کہ اُن کے اچھے جوانوں کی بارہ ہزار فوج ہمیشہ قائم رہا کرے جس کا کام یہ ہو کہ اگر اہل بربر میں سے کوئی بغاوت یا سرکشی کرے تو وہ فوج فوراً اُس کی سرکوبی کے لیے اُٹھ کھڑی ہو۔ جس کا بہت بڑا نمایاں نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ پھر مدتوں تک رعایاے افریقیہ مسلمانوں کے خلاف سر نہیں اُٹھا سکی۔

دہیاے کاہنہ کا واقعہ طرابلس الغرب کی اُس فتح کے بہت دنوں بعد کا ہے جب حضرت عبد اللہ بن زبیر نے جا کے قلعۂ طرابلس پر جوہر شجاعت دکھا کے گویا گو

کی بیٹی فاطمہ کو بھی حرم میں شامل کیا تھا - دراصل وہ افریقہ کی پہلی فتح اسلامی تھی اور یہ آخری فتح اسلام - کیونکہ اس کے بعد پھر مسلمانوں کو دوبارہ فتح کرنے کی ضرورت اگلے دنوں نہیں پیش آئی تھی -

کہانت

کہانت کے لغوی معنی فال گوئی کے ہیں - اور اسی لیے اس شخص کو جو غیب کی باتیں بتائے اور اپنے آپ کو مخفی اسرار سے واقف ظاہر کرے "کاہن" کہتے ہیں - اسلام سے پہلے تمام مذاہب کے حالات پر غور کیجیے تو صاف نظر آتا ہے کہ وہی پیشوائی اور مقتدائی کے لیے کہانت لازمی تھی -

مصریوں کے مقتداؤں نے مذہب کو نامعلوم اسرار و رموز کا خزانہ بنا رکھا تھا - قوم بت پرست تھی - مگر پجاری اور بلیوں پرندوں وغیرہ کی پرستش کرتی تھی لیکن الہیات کے مسائل رموز باطنی کی طرح صرف مقتداؤں تک محدود تھے جو آداب مذہبی کی تعلیم کے ساتھ غیب کی باتیں بھی بتا دیا کرتے - بابل والوں نے رمل اور نجوم کو ہندوؤں کی طرح جزو دین بنا لیا تھا جس کی مدد سے وہ ہر امر میں آئندہ کی بابت حکم لگایا کرتے - ان کی اسی دینی جستجو نے علم ہیات کو مدون کیا - کواکب کے اثرات اور ان کے افعال و خواص مقرر کیے - اجرام فلکی کے نام رکھے - ان کی حرکات بتائیں - اور دنیا کو باور کرا دیا کہ نجوم کے ذریعہ سے جو الہیات سے وابستہ تھا انسان غیب کی باتوں کو بتا سکتا ہے - ہندوؤں اور بابلیوں کے قدیم مسائل بہت ملتے جلتے ہیں اور نجوم و الہیات کے الفاظ سے ضرور ماننا پڑتا ہے کہ یا تو نجوم و ہیات کو بابلیوں نے ہندوؤں سے لیا یا ہندوؤں نے بابلیوں سے حاصل کیا - لیکن چونکہ یہ امر تاریخ کا ایک طے شدہ مسئلہ ہو گیا ہے کہ آریہ لوگوں سے پیشتر دکن [illegible] سامی [illegible] کے [illegible] لہٰذا اس سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ بابل والوں کے علوم ہیات و نجوم [illegible] زمانہ میں [illegible] سے ہندوؤں میں منتقل ہو آئے - اور اسی وجہ سے ہندوؤں کی کہانت [illegible] کی [illegible] شہید و شہادت [illegible] کے اور [illegible] [illegible] اسی طرح بابل کے [illegible]

لوگ بھی بتایا کرتے تھے۔ آتش پرستون مین بھی کہانت تھی۔ اور غالباً اُسی قسم کی ہوگی جیسی کہ اہل بابل مین تھی۔ اگرچہ اُن کی کہانت کے زیادہ مشرح حالات ہمین نہین معلوم ہوسکے

یونانیون مین بھی کہانت تھی مگر بابل والون کی کہانت سے بہت ادنی درجہ کی اگرچہ انھون نے بھی ہیأت و نجوم کو حاصل کر لیا تھا مگر جہان تک پتہ لگایا جاتا ہے یہ فنون اُن کے دین کے اصلی عنصر نہین بننے پائے تھے۔ اُن کے کاہن بڑے بڑے مندرون کے پوجاری تھے۔ اور اُن کی کاہنہ عورتین وہ کنواری لڑکیان تھین جن کی زندگی بت خانون اور مندرون کی نذر ہو جاتی۔ اپالو کے مندر مین جو قدیم یونانیون کا سب سے بڑا مندر تھا لوہے کی ایک تپائی پر یہ لڑکیان برہنہ کر کے بٹھائی جاتین اور نیچے کچھ بخور سلگا دیے جاتے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس لڑکی کے دماغ پر ایسا اثر پڑتا کہ حواس مختل ہونے لگتے اور بیہوشی کے عالم مین وہ بکنا شروع کرتی اُس کے الفاظ پر مجذوبون کی بڑ کی طرح غور کیا جاتا۔ اُن مین طرح طرح کے معنے پہنائے جاتے۔ اور انھین سے اپنی آرزوؤن اور مرادون کے موافق یا مخالف جواب حاصل کر لیا جاتا۔ یہی یونانیون کی دو فالین تھین جن کا اگلے دنون بڑا شہرہ تھا۔ اور جن کے سچ ثابت ہونے اور پورے اترنے پر اکثر قدیم مورخین عقیدتمندانہ حیرت ظاہر کرتے ہین۔

رومی چونکہ علوم و فنون کی طرح مذہب مین بھی یونانیون کے پیرو تھے۔ اور اپنے دیوتاؤن کی کہانیون۔ ان کے حالات و خیالات اور واقعات کو یونانی دیوتاؤن کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اس لیے اُن کی کہانت بھی یونانیون کی کہانت سے ملتی ہوئی تھی۔ یہ بات لطف سے خالی نہین ہے کہ مشرق و مغرب کی کہانت مین ایک نمایان فرق تھا۔ مشرق مین بابل والون ایرانیون اور ہندؤن سب مین کہانت کا دارومدار ایک باضابطہ فن نجوم پر تھا۔ اور کسی برکت و نعمت کے حاصل کرنے یا کسی مصیبت و آفت کے دور کرنے کی تدبیرین بھی یہ مشرقی لوگ انھین فنون کے اصول کی پابندی مین کیا کرتے تھے۔ برخلاف اس کے یونانیون اور رومیون کی کہانت کو مجذوب پرستی سے زیادہ وقعت نہین حاصل تھی۔

بنی اسرائیل مین بھی کہانت تھی۔ مگر اُن کی کہانت بالکل جداگانہ تھی۔ اُن مین حضرت ابراہیم اور جناب موسی کی تعلیمات نے نبوت کی ایک خاص شان پیدا کر دی

تھی - حضرت موسیٰ کے بعد سے اُن میں نبیون کے پیدا ہونے کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا تھا - جو عابد و زاہد نیک نفس و پاک باطن لوگ ہوتے اور ریاضت و اتقا کے ذریعہ سے تزکیۂ نفس کیا کرتے - ان لوگون کو مراقبہ مین مکاشفہ ہوتا - اور جو باتین اُن سے پوچھی جاتین اُن کا جواب گویا وہ خدا سے پوچھ کے دیا کرتے - اور اپنے آپ کو اسرار باطن اور رموز ربانی سے واقف ظاہر کرتے - اُنھین انبیا کا طریقہ اُن کے کاہنون نے بھی اختیار کیا - اور جب انبیا نہ ہوتے یا بعد کے ایام مین جب نبیون کے مبعوث ہونے کا سلسلہ موقوف ہو گیا تو ہر جگہ اور ہر زمانہ مین اُن کے مرتاض و نفس کش مقتدا آنکھین بند کر کے عالم ملکوت کی سیر کرتے - اور قوم کو اُس کے خیالات و عقائد کے مطابق عجیب قسم کے کاہنانہ لہجے اور انوکھے و لچسپ الفاظ مین بتا دیا کرتے کہ اس معاملہ مین یہ ہو گا - اور یہہ بات یون ہونے والی ہے -

اس قسم کی کہانت دوسری قدیم قومون مین بھی تھی - بلکہ یون کہنا چاہیے کہ ساری مشرقی و مغربی قومون مین اسی قسم کے غیب دان اور اسرار باطنی جاننے والے کاہن ریاضت و مجاہدۂ نفس کے ذریعہ سے پیدا ہوا کرتے تھے - ادھر بابلیون اور ہندؤن مین بھی جہان نجومیون اور اجرام فلکی کے اثر جاننے والے پنڈتون کا زور تھا وہان ایسے مرتاض اور تارک الدنیا اشخاص بھی موجود تھے - جن کے لہجے اور طرز گفتگو سے ظاہر ہوتا کہ مبدأ فیاض کی طرف سے غیبی باتین اور مشکل مسائل کے حل اُنکے دلون پر القا ہو جاتے ہین - اور الہام کے ذریعہ سے اُن کو معلوم ہو جایا کرتا ہے کہ آئندہ یہ ہونے والا ہے اور فلان شخص کی قسمت مین یہ لکھا ہے - علی ہذا القیاس یونانیون اور رومیون مین بھی مندرون کے معمولی پوجاریون کے علاوہ اس قسم کے رموز باطن جاننے والے راہبون اور عزلت گزینون کا پتا چلتا ہے - لیکن سچ یہ ہے کہ اس قسم کی کہانت کا آغاز تاریخی طور پر بنی اسرائیل کے انبیا اور کاہنون ہی سے شروع ہوا - اگرچہ آخر مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ بابل کے صابی لوگون کی کہانت بنی اسرائیل کے خیالات پر غالب آ گئی تھی - اسی کا ایک کرشمہ یہ تھا کہ سحر بابل کی ساری دنیا مین شہرت ہو گئی - اور عیسائی حضرت مسیح کی پیدائش سے پیشتر ہی اُن کی آمد کے منتظر اور انھین ایک

ستارے کے ذریعہ سے پہچان کے ایمان لانے والا چند بابلی کاہنون ہی کو بتلاتے ہین۔ جیسا کہ اناجیل مین مذکور ہے۔

یہ کہنا کہ تحریر زاہد و مرتاض لوگون کی کہانت کس قوم سے شروع ہوئی اور اُسے کس ملک نے کس سے لیا فضول ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک فطرتی چیز تھی۔ انسان کی فطری کرشمہ پرستی اُسے ہر جگہ پیدا کر لیتی تھی۔ یہ پُرانا خیال کہ روح چونکہ لطیف اور نفی شے ہے اس لیے وہ ہر مخفی راز کا پتا لگا سکتی ہے اور اسرار ہمہ دی کے ہر حرم مین پہونچ سکتی ہے بشرطیکہ اُس کا تزکیہ کیا جائے جسمانی تقاضون سے مبرا کر لی جائے اور اس مین خلوص پیدا ہو جائے۔ اس کے ساتھ انسان کی فطرت ہے کہ جس جگہ وہ اپنی تدبیرون مین عاجز آتا ہے نامعلوم ذرائع ڈھونڈھنے لگتا ہے۔ اور بڑی بے صبری کے ساتھ جویا ہوتا ہے کہ کوئی اس مشکل کا فیصلہ بتا دے۔ لہذا ہر وحشی سے وحشی قوم مین نوع انسانی کے اس فطری تقاضے نے کہانت کو کسی نہ کسی عنوان سے ضرور پیدا کرا دیا۔

عرب کے بت پرستون سے جاہل کون ہوگا جن کی بت پرستی نہایت ہی مزخرف اور بے اصول طریقہ کی تھی۔ مگر اُن مین بھی ہر جگہ کاہن موجود تھے۔ پھر اُس کے بعد جزیرہ نمائے عرب مین بیرونی مذاہب کا ہجوم روز بروز بڑھتا گیا پارسی بھی تھے۔ یہودی بھی تھے۔ عیسائی بھی تھے۔ اور تو اور بابل کے مذہب بت پرست جو اپنے آپ کو سب سے بڑا موحد خیال کرتے ساری دنیا مین فنا کر دیے گئے تھے اور عراق مین اُن کا نام و نشان بھی نہین باقی رہا تھا مگر ارض حجاز مین وہ بھی موجود تھے۔ اور اُن سب کے کاہن عرب مین ہر جگہ موجود تھے اور کہانت کا کام اختیار کرتے ہی وہ مذہب کی طرف سے کچھ ایسے غیر متعصب ہو جاتے کہ سب تو مین عام اس سے کہ کسی مذہب سے وابستہ ہون بلا لحاظ مذہب اپنی مشکلین لے کے اُن کے سامنے آتین اور وہ اُن کو ایسے جواب دیتے کہ اُن کی تسلی و تشفی ہو جاتی۔ اور اپنے نزدیک کامیاب اور بامراد ہو کے اپنے گھرون کو واپس جاتین۔ اُن دنون عرب کی اصلی حکومت اگر سچ پوچھیے تو انھین کاہنون کے ہاتھ مین تھی۔ جن کے سامنے نہ کسی سردار قبیلہ کی چلتی اور نہ کسی تاجدار و فرمان روا کی۔

جاہلیت عرب کے کاہنون کے احکام و الفاظ اگر ایک جگہ جمع کر دیے جائین تو

ایک عجیب قسم کا پُر لطف لٹریچر بن جائے گا۔ جن کے الفاظ مین غیر معمولی لطافت معنی خیزی۔ فصاحت و بلاغت قافیہ بندی۔ اور پیغمبرانہ حکومت ہوتی۔ اور ایسا معلوم ہوتا کہ جس شخص کی زبان سے وہ الفاظ سُنے جاتے ہین وہ نہین بول رہا ہے بلکہ اُس کے جسم کے اندر سے کوئی فرشتہ باتین کر رہا ہے۔ اس قسم کے صدہا کاہن اور صدہا کاہنہ عورتین ارض عرب کے مشہور مقامات مین پھیلی ہوئی تھین جن کے پاس دُور دُور سے بڑے بڑے قافلے اپنی آرزوئین اور تمنائین لے کر آیا کرتے۔ اور شاد کام و مطمئن واپس جاتے۔ جس طرح یونانی مندرون کی فالون کی نسبت بتایا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ پوری اُترین اُس سے زیادہ حیرت سے ہم دیکھتے ہین کہ عرب کے کاہنون اور کاہناؤن کے احکام پورے اُترا کرتے تھے۔ اور بعض موقعون پر تو اُنھون نے ایسے سچے حکم لگائے اور اس طرح غیب کی باتین بیان کر دین کہ اگر اُن واقعات کو سچ تسلیم کر لیا جائے تو اُن غیب کی باتین بتانے والون کی غیب دانی کی کوئی توجیہ نہین ہو سکتی۔

اگلی دنیا چونکہ اُن تمام واقعات کو باور کرتی تھی لہذا ادنی و اعلی جاہل و عالم سب نے تسلیم کر لیا کہ انسان کسی ذریعہ یا کسی ریاضت سے ایسا کمال حاصل کر لیا کرتا ہے کہ غیب کی باتین بتا دے۔ اور جب یہ مان لیا گیا تو ہر شخص اپنے مذاق و خیال کے مطابق اس کی توجیہین بھی کرنے لگا۔

چنانچہ یونانیون اور رومیون نے باوجود فلسفہ و منطق مین اعلی نمو حاصل کرنے کے اس امر کو قبول کر لیا کہ انسان غیب کی باتین بتا سکتا ہے۔ بعض نے اس کی یہ توجیہ کی کہ نفوس انسانی تصفیہ باطن کے ذریعہ سے اسرار فطرت سے واقف و آگاہ ہو جاتے ہین۔ اور جیسا وہ چاہتے ہین ویسا ہی ہو جایا کرتا ہے۔ اس لیے کہ اُن کے خیال مین تمام اشیاء کی صورتین مثل افلاطون کی رُو سے عالم کلی مین موجود تھین۔ جہان تک بار پانے کے بعد انسان اُن پر تصرف بھی کر سکتا تھا۔ یہ تو اعلی درجہ کے نازک خیال علمائے روحانی کا خیال تھا مگر بعض نے کہہ دیا کہ روحین جو جسمون کے قفس سے آزاد ہین اور نیز اجنّہ اُن کے بس مین ہو کے اُن کے موکل بن جاتے ہین اور وہی اُنھین رموز غیب سے آگاہ کر دیتے ہین۔

عیسائیون نے جو قرون وسطی مین کہانت کے تماشے اور ولایت کے کرشمے

سب سے زیادہ دکھایا کرتے تھے اپنے کاہنون کی غیب دانی اور اُن کے تصرفات باطنی کا
یہ اصول قرار دیا کہ حضرت مسیح خدا ہونے کی وجہ سے غیب کی باتین جانتے تھے۔ لہذا
اُن کا نفس ربانی جن پر اثر کرے وہ بھی اُن رموز باطنی سے واقف ہوجاتا ہے۔
قطع نظر اس کے مسیحیون مین علم کا دیوتا یا خدا روح القدس ہے۔ اور جسے
کچھ بھی معلوم ہو یا کسی قسم کا علم حاصل ہو اُس کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ اُس پر
روح القدس نے آکے اپنا کمال دکھایا ہے۔ اور اگلے دنون چند روز تک سچے اور
خالص العقیدہ مسیحیون پر روح القدس کے آنے کی یہی شان رہی جو شان کہ کسی کے
سر کسی جن یا پریت کے آنے کی ہوتی ہے۔ اس لیے غیب کی باتین بھی مسیحیون کے
خیال کے مطابق روح القدس آکے مقدس لوگون کی زبان سے ظاہر کردیا کرتا تھا۔
صابئی لوگون مین غیب دانی وکہانت کی یہ خصوصیت تھی کہ اغاثاذیمون اور
ادریس اول و دوم جن سے مراد ہرمس اور اغاثاذیمون ہین۔ اصلی دانایان غیب تھے
جن کو صابئی لوگ اپنے مذہب کے پیغمبر بتاتے تھے۔ انھین کی توجہ و برکت سے اور لوگ
بھی غیب کی باتین جانتے ہین۔ خلاصہ یہ کہ یہی لوگ اُن کے روح القدس تھے جن کا
فیض بعد والون کو بھی غیب دان بنادیا کرتا۔ اس سے اُن کو قطعاً انکار تھا کہ اجنہ
اور کل روحین آکے انسان کو غیب کی باتین بتاتی ہین۔ بلکہ اُن کا یہ خیال تھا کہ مذکورہ
پیغمبرون کو مجاہدہ اور تزکیۂ باطن کے ذریعہ سے ایسی صفائے قلب حاصل ہوگئی تھی
کہ اسرار غیب سے مطلع ہوگئے تھے۔

کہانت کا سکہ قدیم الایام مین اس قدر بیٹھا ہوا تھا کہ اُس عہد کے فلسفی اور حکیم
علمائے طبیعی بھی کاہنون کی غیب دانی کے قائل تھے۔ اور اُس کی توجیہ یہ کرتے تھے
کہانت ایک لطیف جذبۂ نفسانی ہے جو صفائے قلب اور نفسانی قوۃ اور حس کی
لطافت سے انسان مین پیدا ہوجاتا ہے۔ بعض نے اُسے علم نجوم اور آثار فلکی
سے وابستہ کرکے کہا جو بچہ ایسے طالع مین پیدا ہو کہ عطارد محل شرف پر ہو۔ اور باقی
سیارات ستہ بھی اچھے عقد مین ہون اور عمدگی سے ایک دوسرے کی طرف ناظر
اور متوازی واقع ہون وہ لڑکا ان ستارون کے اثر سے لازمی طور پر کاہن اور غیب دان ہوتا ہے۔
سب سے زیادہ اس کے طرفدار اور ماننے والے علمائے روحانیین تھے۔ جن کا

بیان تھا کہ نفس ناطقۂ انسانی جب قوی اور زبردست ہوتا ہی تو وہ طبیعت کو مغلوب کر کے دبا رہتا ہے۔ اور انسان پر لطیف راز کو آشکارا کر کے ہر رمز معنوی سے واقف کر دیتا ہے یہ کہتے ہین کہ انسان مین دو چیزین ہین۔ روح اور جسم۔ جسم بغیر روح کے کوئی چیز نہین۔ جب روح نہ ہو تو اُس مین نہ قوت ہوتی ہے۔ اور نہ عقل و فہم جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حس و حرکت اور ادراک و فہم سب چیزین روح مین ہین اور روحون کی مختلف حالت ہے۔ بعض مین حس زیادہ ہوتی ہے۔ بعض مین دانائی زیادہ ہوتی ہے بعض مین جلا اور روشن ضمیری بڑھی ہوتی ہے۔ لہذا جس روح مین روشن ضمیری زیادہ ہو اُس پر عجیب عجیب انکشافات ہوتے ہین۔ اور اسرار غیب کو وہ معلوم کر لیتی ہے۔

بہرحال دنیا انھین خیالات مین پڑی ہوئی تھی۔ اور اُس کے ساتھ طرح طرح کے خرافات بڑھتے اور پھیلتے چلے جاتے تھے جن کو انسانی عقل کی کمزوری اور بڑھا رہی تھی۔ اور بجائے اس کے کہ تحقیق و تنقید سے کام لے کے کوئی نتیجہ حاصل کیا جائے لوگ اُس کی توجیہین کرتے اور طرح طرح کے معنی پہنا کے کہانت کو اور چمکاتے جاتے تھے۔

یہان تک کہ دنیا مین نور اسلام چمکا۔ اور خدا نے ہر چیز کو ایک نئی روشنی مین دکھا کے تمام اگلی غلط خیالیون کو دور کر دیا۔ اسلام نے صاف کہہ دیا کہ غیب کو سوا خدا کے کوئی نہین جانتا اور غیب دانی کے جو کچھ دعوے کیے جاتے ہین سب لغو اور مہمل اور بے سر و پا ہین۔ اس طریقہ سے اسلام نے اپنے ظہور کے ساتھ ہی نجوم و کہانت کا چراغ گل کر دیا۔ اور اس قسم کے مدعیان غیب دانی کا زور کلیۃً توڑ دیا گیا۔ یہ اصلاح سچ یہ ہے کہ اسلام کے اولیات مین سے ہے یعنی ایسے وقت مین جبکہ سارے عالم پر کہانت کی حکومت تھی اور دینی پیشوائی کا لازمی جوہر غیب دانی تھا اور دنیا مین کسی کی نظر اُس کے ابطال کی طرف نہین گئی تھی۔ یک بیک اسلام کی طرف سے اس بات کا ڈھنڈورا پیٹ گیا کہ عالم الغیوب سوا خدا کے کوئی نہین اور جو کوئی اس کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

بے شک خود جناب سرور کائنات صلعم نے چند غیب کی باتین بتا دین یا بعض پیشین گوئیان فرمائین لیکن اُنکی نسبت صاف طور پر بتا دیا گیا کہ خدا نے فرشتہ کو بھیج کے اپنے پیغمبر کو اُن سے آگاہ کر دیا۔ دراصل وہ خدا کی غیب دانی کا جلوہ تھا اسی حضرت رسالت کی غیب دانی ہرگز نہین کہہ سکتے اور جب آنحضرت

کی وفات کے بعد جبریل کے آنے کا سد باب اور سلسلۂ نبوت کا اختتام ہوگیا تو پھر کوئی وجہ ہی نہین باقی رہی کہ دنیا مین کوئی شخص اسرار غیب سے واقف ہو اور آیندہ کی باتین بتانیکا دعوی کرسکے۔

بہرحال اسلام نے نجوم و کہانت کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کے پھینک دیا۔ مگر افسوس چند ہی روز بعد اسلام کے زہاد و عباد نے اسلامی مذاق کے سادے بے ریا اور غیر مصر زہد و تقوی کو چھوڑ کے قدیم مذاق کے متصوفانہ زہد و عبادت کو اختیار کر لیا۔ ولی اللہ کا عام لفظ جو ہر دیندار کے لیے تھا عباد و زہاد کے ایک خاص گروہ کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ اور ان مین نیک نفسی و اتقا اور اعمال و افعال کے بدلے کرامات اور غیب دانی کے کرشمے ڈھونڈھے جانے لگے۔ اور مجذوبون کے الفاظ مین معنی پیدا کیے جانے لگے تو وہی کہانت جس کے استیصال کے لیے اسلام آیا تھا خود اسلام مین پیدا ہوگئی۔ اور جاہل تو جاہل اکثر پڑھے لکھے مسلمان بھی صوفی سالکون اور مجذوبون کے پاس انھین مقاصد و اغراض کو دل مین لے کے جانے لگے جن کے واسطے اگلی قومین اپنے کاہنون نجومیون۔ اور بتخانون کے پوجاریون کے پاس جایا کرتی تھین۔

اصل یہ ہے کہ بعد کی آمیزشون نے نہ اسلام ہی کو وہ اسلام باقی رکھا جسے حضرت رسالت (روحی فداہ) لائے تھے۔ اور نہ اُس کے مقتداؤن ہی کو ویسا رہنے دیا جیسے مقتدا کہ اسلام کے لیے ہونے چاہیے تھے۔ افسوس۔

خیالات و واقعات

آنریبل راے بہادر بابو گنگا پرشاد صاحب ورما نے منشی سجاد حسین صاحب کی معذوری کے زمانے مین انکی اعانت و دستگیری کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ وہ اس بات کے محرک ہین کہ پبلک چندے سے اتنی رقم بینک مین جمع کر دی جائے جس سے منشی سجاد حسین صاحب کو پچیس تیس روپیہ ماہوار بطور وظیفہ کے ملا کرین۔ منشی سجاد حسین صاحب بے شک پبلک کی اعانت کے مستحق ہین انکی حالت غور سے دیکھیے تو عبرت روزگار ہے۔ انکی زندگی کا آغاز مرفہ الحالی اور امیرانہ زندگی سے ہوا۔ نازونعم مین پرورش پائی۔ اور گوکہ آبائی جائداد کو انھون نے نا عاقبت اندیشی سے تلف کر دیا مگر پھر بھی اس وقت تک اپنی لٹریری قابلیت سے معزز زندگی بسر کرتے رہے۔ یورپ مین اس قسم کے لوگون کی ایسی قدر دانی ہوتی ہے کہ وہ آخر تک اپنی زندگی اچھی طرح نباہتے جاتے ہین مگر ہندوستان کی پبلک نے ابھی تک اس قسم کا کوئی کام نہین کیا

بابو گنگا پرشاد نے جس کام کی تحریک کی ہے وہ دراصل نیا ہے۔ مگر وہی اس کار خیر کے محرک ہو بھی سکتے تھے
منشی سجاد حسین صاحب ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے اول سے آخر تک ان تمام مسائل میں جو ہندو مسلمانوں
میں مختلف فیہ ہے ہمیشہ مسلمانوں سے اختلاف کیا۔ سر سید اور تمام مسلمان لیڈروں پر سب سے زیادہ طعن و تشنیع کرنے
والے وہی تھے۔ کانفرنس اور تمام اسلامی تحریکوں سے ہمیشہ اختلاف رہا اور کانگرس کے اول درجے
کے طرفدار تھے کچھ انھیں چیزوں پر منحصر نہیں ہے۔ عموماً جو باتیں مسلمانوں میں مقبول ہوئیں منشی سجاد حسین
صاحب نے انھیں بدت سہام ضرور بنایا۔ معاملات درکنار اپنی اس ضد میں وہ ذاتیات پر حملہ کرنے
میں بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ نواب محسن الملک اور مولانا حالی کی ذات پر جیسے شرمناک حملے اودھ پنچ نے
کیے ان سے کبھی کوئی شریف شخص خوش نہ ہو سکا۔ اس لحاظ سے سچ یہ ہے کہ بابو گنگا پرشاد ہی اس کار خیر کی
تحریک کے لیے نہایت موزون شخص تھے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کا ہاتھ بٹائیں۔ ہم یقین جانیں کہ
جس خاص مذاق کے مسلم الثبوت استاد منشی سجاد حسین تھے اب اس تہذیب کے دور میں جبکہ علم
بہت آگے بڑھ آیا ہے ہرگز نہ پیدا ہو سکیں گے۔ مگر ایسی قابلیت اور ایسی نمود کے لوگوں کے لیے صرف
پچیس تیس روپیہ کا وظیفہ کم ہے۔ پبلک کی فیاضی کا یہ پہلا نمونہ ہندوستان میں قائم ہوتا ہے تو اس قدر
حقیر نہ ہونا چاہیے۔ منشی سجاد حسین کے لیے پچیس تیس روپیہ وظیفہ پبلک سے مانگنے کے بجائے دراصل
ان کی قدردانی نہیں تذلیل ہے۔ میرے نزدیک بابو صاحب کو چاہیے کہ پبلک کو زیادہ
فیاض بنائیں اور کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار وظیفہ دلوائیں تاکہ منشی صاحب شریفانہ
زندگی بسر کر سکیں جس کے وہ عادی رہے ہیں اگر زور سے تحریک کی گئی تو ڈیڑھ سو
روپیہ ماہوار کا سرانجام ہونا چندان مشکل نہیں ہے۔

عام تصانیف مولانا شرر اور مطبع دلگداز کی دوسری کتابیں

تصنیفات مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

تاریخ و سیر وغیرہ

(۱) جنید بغدادی - حضرت جنید کے حالات عہ

(۲) ابو بکر شبلی - حضرت شیخ شبلی کے حالات عہ

(۳) تاریخ سندھ - سندھ کی مکمل تاریخ ہر دو جلد قیمت جلد اول عہ جلد دوم عہ

(۴) حروب صلیبیہ مصنفہ مسٹر کاکس کا ترجمہ نوٹس کے

(۵) تاریخ بغداد - مرکز خلافت عباسیہ ۶

(۶) ملکہ زنوبیہ ایک عربی نژاد ملکہ ۳

(۷) الحکم الرفاعیہ مصنفہ شیخ احمد رفاعی کا ترجمہ ۳

(۸) آغا صادق صاحب ... لکھنؤ مرحوم کے حالات عہ

(۹) سکینہ بنت حسین - جناب سکینہ کے حالات ۶

(۱۰) سرسید کی ... ۲

ناول

(۱۱) زوال بغداد - سب سے نیا اور دلچسپ تاریخی ناول ...

(۱۲) غیب دان دلھن - پاکدامن عفیفہ اور قابل بی بی کی نجیبن اس کی حیرت انگیز غیب دانی عہ

(۱۳) ماہ ملک - مولانا کا نیا اور اچھوتا ناول عا

(۱۴) یوسف و نجمہ کامل - جگ بیتی نہیں آپ بیتی قیمت عہ

(۱۵) شوقین ملکہ - پہلی صلیبی لڑائی ... قیمت عہ

(۱۶) فتح اندلس - اسپین پر عربوں کا حملہ عا

(۱۷) مقدس نازنین - ایک لڑکی کا ...

(۱۸) ملک العزیز ورجنا - تیسری صلیبی لڑائی ...

(۱۹) ایام عرب - جاہلیت عرب کے حالات ...

(۲۰) فردوس بریں - جیتے جی جنت کی سیر

(۲۱) حسن انجلینا - روم و روس کی لڑائی ...

(۲۲) منصور موہنا - ایک عربی خاندان ...

(۲۳) شہید وفا - اسپین میں مسلمانوں کی ...

(۲۴) درگیش نندنی - ایک بنگالی ناول ...

(۲۵) دلکش طالبعلم اور عشق دو حصہ ہر حصہ ...

(۲۶) میوہ تلخ رضامندی اور نارضامندی کی ...

(۲۷) بدر النساء کی مصیبت - ...

جلد اتحاد ۱۹۰۵ء

جلد دلگداز ۱۹۰۰ء عہ جلد دلگداز ...

جلد دلگداز ۱۹۰۱ء عہ جلد دلگداز ...

جلد دلگداز ۱۹۰۲ء عہ جلد دلگداز ۱۹۱۱ء

جلد دلگداز ۱۹۰۶ء عہ جلد دلگداز ۱۹۱۲ء

معاشرت - ایک اعلیٰ درجہ کی اخلاقی کتاب انگریزی کی گلستان سرجان لبک کی پلیزرز آف لائف کا ترجمہ ...

اتالیق بی بی - میاں کے افعال پر بی بی کی مزہ دار نکتہ چینیاں ۱۲

رفع النقاب - مروجہ پردہ کے خلاف ایک مدلل رسالہ ۱۲

المشتہر حکیم سراج الحق ... منیجر دلگداز لکھنؤ

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

نمبر ۴ جلد ۱۵

اپریل سنہ ۱۹۱۳ء مطابق ثور سنہ ۱۳۴۲ محمدی

ایڈیٹر

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

مینجر و پبلشر

خاکسار حکیم محمد سراج الحق عفا اللہ عنہ

دلگداز پریس میں چھپ کے لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ سے شائع ہوا

ایک ہندو دربار مین مسلمان ایلچی

۱۲ شعبان سنہ ۸۱۶ھ کو مولانا کمال الدین عبد الرزاق ابن جمال الدین اسحاق نام ایک بزرگ سمرقند مین پیدا ہوے تھے جن کے والد سلطان شاہرخ مرزا ابن امیر تیمور کے دربار مین قاضی اور امام تھے۔ سنہ ۸۴۱ھ مین پدر بزرگوار نے سفر آخرت کیا تو خود شاہی دربار مین جگہ پائی۔ چنانچہ سلطان مذکور نے اپنے آخر عہد یعنی سنہ ۸۴۵ھ مین اُنھین اپنا ایلچی بنا کے جنوبی ہند مین بھیجا تھا۔ اپنے اس سفر کا حال مولانا سے ممدوح نے اپنی تاریخ "مطلع السعدین و مجمع البحرین" مین ذرا تفصیل سے لکھا ہے جس مین بہت سے دلچسپ واقعات ہین۔ تاریخ مذکور کے اس حصہ کو مسٹر ایلیٹ نے اپنی تاریخ ہند مین بعینہ ترجمہ کر کے داخل کر لیا ہے جس سے اخذ کر کے ہم مختصراً دلگداز مین شایع کرتے ہین۔ دراصل وہ کالی کٹ کے راجہ ساموری کے پاس بھیجے گئے تھے۔ مگر حسن اتفاق سے اُنھین بیجانگر مین جانے کا بھی موقع مل گیا۔

بیجانگر کی سلطنت ان دنون جنوبی ہند مین بڑی زبردست اور آن بان کی سلطنت تھی۔ گلبرگہ کے بہمنیون کے زمانے مین اُس سے اور بہمنیون سے اکثر معرکہ آرائیان ہوئین اور بہمنیون کا اُس پر کوئی زور نہین چل سکا۔ بہمنیون کے سلطنت کے زوال کے بعد جب جنوبی ہند مین تین مسلمان سلطنتین قائم ہوئین عادل شاہیون کی سلطنت بیجاپور مین۔ نظام شاہیون کی احمدنگر مین اور قطب شاہیون کی گولکنڈہ مین تو ان تینون سلطنتون نے باہم اتحاد کر کے اُس ہندو سلطنت کو ایسا تباہ کیا کہ پھر نہ سنبھل سکی اور بیجانگر کے

کھنڈر ان تینوں اتحادیوں کی یادگار میں آج تک عبرت روزگار ہیں۔ لیکن اسی ہندو سلطنت کے عروج کے زمانے میں علامہ عبدالرزاق شاہ رخ مرزا کے سفیر بن کے بیجانگر گئے تھے۔

وہ کہتے ہیں میں ۵ شوال کو کرمان سے چلا اور ماہ مذکور کے وسط میں بحر عمان کنارے بندرگاہ ہرمز میں پہنچا جو جیرون بھی کہلاتا ہے۔ وہاں کے والی ملک فخر الدین توران شاہ نے میری بڑی خاطر کی۔ ایک کشتی بھیج کے مجھے شہر ہرمز میں بلوایا۔ رہنے کو مکان دیا۔ اور تمام سامان دعوت ضیافت مہیا کر دیا۔ شہر ہرمز بے مثل وبے نظیر ساحلی شہر اور تجارت کی عظیم الشان منڈی ہے۔ مصر۔ شام۔ روم۔ آذربائجان۔ عراقین۔ فارس۔ خراسان۔ ماوراء النہر۔ ترکستان۔ دشت قپچاق۔ ملک قلماق اور نیز تمام مشرقی ممالک چین۔ ماچین۔ اور خان بالق کے سوداگر یہاں جمع رہتے ہیں۔ اور تمام جہان ارض کا نادر اور قیمتی مال اپنے ساتھ لاتے اور لیجاتے ہیں۔ مال کا بیت اچھا مبادلہ ہو جاتا ہے۔ قیمت کا دسواں حصہ سرکاری محصول کے طور پر انھیں سلطنت کی نذر کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے شہر خوب بارونق ہے اور ہر مذہب کے مقتدا اور صاحبان علم بھی جمع ہو گئے ہیں۔ اور چونکہ یہاں بہت ہی امن وامان قائم ہے اس لیے عام لوگوں میں اس شہر کا نام "دارالامان" مشہور ہو گیا ہے اور باہمی میل جول نے عراقیوں کی شایستگی اور ہندیوں کی قروتنی کو ملا کے ایک نیا خوشگوار مزاج پیدا کر دیا۔

دو مہینے میں یہاں پڑا رہا اور جب موسم موافق ہوا تو گھوڑوں اور سامان کو مختلف جہازوں میں لدوا کے روانہ ہوا۔ جہاز کے چلتے ہی میری یہ حالت ہو گئی کہ تین دن تک بیدم پڑا رہا۔ بس فقط سانس کے چلنے سے معلوم ہوتا تھا کہ میں زندہ ہوں۔ جب ہوش میں آیا تو معلوم ہوا کہ خراب موسم آ گیا اور ایسی حالت میں بحری سفر کرنا زندگی سے ہاتھ دھونا ہے۔ چنانچہ تمام ہم سفروں نے دے دلا کے اور ناخدا کو سمجھا بجھا کے مسقط میں جہاز ٹھہرا دیے۔ اور اسباب اتار لیا۔ اور میں قریات نام ایک مقام میں جو مسقط سے قریب تھا جا کے ٹھہرا۔ مگر اس بلا کی گرمی تھی کہ ماہ محرم ۸۴۶ ہجری میں میرے بڑے بھائی اور ہمراہی سب یہاں بیمار پڑ گئے۔ دو چار مہینے وہیں پڑے رہے۔ چنانچہ اسی جگہ مولانا کے بھائی مولانا عفیف الدین عبدالوہاب

سفر آخرت کیا؟ اثناے قیام مین سنا کہ شہر قلاہات کے سانور نام ایک مقام کی آب وہوا بہت معتدل ہے۔ باوجود ناتوانی کے کشتی پر بیٹھ کے وہان گیا۔ مگر جاتے ہی اور زیادہ بیمار ہوگیا۔

آخر بلا انتظار صحت ہندوستان کا سفر کر دیا۔ اور اٹھارہ شبانہ روز کی شناوری کے بعد جبکہ صحت عود کر آئی تھی مین جنوبی ہند کی بندرگاہ کالی کٹ مین پہونچا۔ کالی کٹ پوری طرح امن وامان کی جگہ ہے۔ اور ہرمز کی طرح یہان بھی ملکون ملکون کے تجار کا مجمع رہتا ہے۔ اور حبشہ سے زیرباد اور زنجبار وغیرہ کا نہایت ہی نادر وبیش بہا مال آتا ہے۔ مکہ معظمہ اور ارض حجاز سے جہازون کے آنے کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ یہ کافرون کا شہر ہے۔ لہذا اس کے فتح کرنے کا ہمین حق حاصل ہے۔ متعدد مسلمان بھی یہان رہتے ہین۔ جنھون نے یہان دو عالیشان مسجدین تعمیر کرلی ہین جن مین جمعہ کے دن نماز کو جمع ہوا کرتے ہین۔ ان کا ایک قاضی بھی۔ اور علی العموم شافعی مذہب ہین۔ اس شہر مین حفاظت کا ایسا اچھا انتظام ہے۔ اور ایسی عدالت جاری ہے کہ دولتمند سوداگر کثرت سے مال تجارت لاکے یہان اتارتے اور سڑکون اور بازارون مین لاکے رکھ دیتے ہین۔ اور بغیر اس کے کہ کسی کے سپرد کرین چھوڑ کے چلے جاتے اور مدتون غائب رہتے ہین مگر ممکن کیا کہ کوئی ادنیٰ چیز بھی غائب ہوجائے۔ عہدہ داران کروڑگیری اسے اپنی حفاظت مین لے کے اس پر پہرہ مقرر کر دیتے ہین۔ اگر وہ فروخت ہوگیا تو اڑھائی روپیہ فی سیکڑا کے حساب سے محصول لے لیتے ہین ورنہ کسی قسم کا تعرض نہین کرتے اور مال کو مال والے کے حوالے کر دیتے ہین۔ دیگر بندرگاہون مین معمول ہے کہ اگر کوئی اور جہاز جو وہان کے لیے نہ آیا ہو بہک کے یا طوفان کے تھپیڑون سے بہہ کے وہان پہونچ جائے تو لوٹ لیا جاتا ہے۔ لیکن کالی کٹ مین چاہے کوئی جہاز ہو اور کہین کا ہو اسی طرح حفاظت سے رکھا جاتا ہے جس طرح اور جہاز رکھے جاتے ہین۔

الغرض مین کالی کٹ مین پہونچا تو مجھے یہان ایک عجیب قسم کی خلقت نظر آئی کہ انسانون کی ایسی صورتین نظر سے گزرین جیسی کہ ان آنکھون نے کبھی نہین دیکھی تھین۔ عجیب الخلقت لوگ جنھین نہ انسان کہہ سکتے ہین نہ دیوزاد کہہ سکتے ہین خواب

مین بھی نظر آئین تو آدمی چونک پڑے۔ اور برسون تک دل ہول کھاتا رہے۔ بس ماہ رخ حسینون کا شیدا ہون کسی کالی عورت پر میرا دل نہین آ سکتا۔ یہان کے سیہ فام لوگ تقریباً ننگے سڑکون پر مارے مارے پھرتے ہین۔ صرف ایک دھوتی باندھے رہتے ہین جو ناف سے لے کے گھٹنون کے اوپر تک رہتی ہے۔ اُن کے ایک ہاتھ مین ایک سندھی خنجر (بھُجالی) ہوتا ہے اور دوسرے مین چیل کی کھال کی ڈھال۔ راجہ اور فقیر سب کی یہی وضع ہے۔ مگر مسلمان لوگ اہل عرب کے مثل قیمتی کپڑے پہنتے اور مختلف قسم کے تکلفات کا اظہار کرتے ہین۔

یہان پہونچتے ہی مین بہت سے ہندو مسلمانون سے ملا۔ ایک اچھے مکان مین ٹھہرایا گیا۔ اور تیسرے دن لوگ مجھے راجہ کے دربار مین لے گئے۔ دوسرے ہندوؤن کی طرح وہ بھی مجھے ننگا نظر آیا۔ اس مقام کے راجہ کو لوگ "ساموری" کہتے ہین اور جب وہ مرجاتا ہے تو اُس کا جانشین اُس کا بھانجا یعنی بہن کا بیٹا ہوتا ہے (بیٹے کو وِرثہ نہین ملتا)۔ اسلحہ کے ذریعہ سے سلطنت حاصل کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہین کرتا۔ یہان کفار کی مختلف ذاتین اور قومین ہین مگر سب بت پرست ہین اور ہر قوم وذات کا طور طریق اور رسم ورواج بھی جدا ہے۔ انھین مین ایک قوم ایسی ہے جس مین ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے ہین جو مختلف طبقون اور حرفون کے لوگ ہوتے ہین۔ اور عورت کی صحبت کے لیے شب وروز کے گھنٹون بانٹ لیا کرتے ہین۔ عورت کے پاس جب تک اُس کا ایک شوہر اپنے معینہ ومقررہ وقت مین رہتا ہے دوسرا شوہر نہین جا سکتا۔ خود ساموری (راجہ) بھی اسی قوم کا ہے۔ (یہ نائر قوم کا حال ہے جو مدراس سے لے کے انتہائی جنوب تک آج بھی کثرت موجود ہے۔ اور اس زمانے مین بھی اُس قوم کا یہی حال ہے)

اس زمانے مین سلطان شاہ رخ کی شہرت تھی۔ اتفاقاً جونپور کے سلطان ابراہیم شرقی نے سلطان بنگالہ کی قلمرو مین تاخت وتاراج شروع کر دی۔ سلطان بنگالہ نے اس کی شکایت ایلچی بھیج کے سلطان شاہ رخ کے دربار عجم مین کی۔ سلطان شاہ رخ نے شیخ الاسلام خواجہ کریم الدین ابوالمکارم جامی کو ایک خط دے کے جونپور بھیجا اور لکھا کہ "تم بنگالہ کی قلمرو پر تاخت وتاراج کرنے سے باز آؤ ورنہ سمجھا ہوگا

اور اس کے ذمہ دار تم ہو گے"۔ یہ ایسا زبردست حکم تھا کہ سنتے ہی ابراہیم شرقی اپنی دست برد سے باز آ گیا۔ سلطان شاہ رخ کا جو سفیر بنگالہ گیا تھا وہ واپسی کے وقت موسم کی مجبوری سے دو چار دن کے لیے کالی کٹ میں ٹھہر گیا جس سے راجہ سامری کو یہ قصہ اور اس کے ساتھ سلطان شاہ رخ کی عظمت معلوم ہوئی۔ چنانچہ سلطان مذکور کے خوش کرنے کے لیے راجہ کالی کٹ نے ایک قابل و معزز مسلمان کو اپنے دربار کا خاص ایلچی بنا کے بہت سے نادر ہدیوں اور نذرانوں کے ساتھ سلطانی سفیر کے ہمراہ اُن کے دربار میں بھیجا۔ اُسی سفارت کا جواب دینے اور معاوضہ کرنے کے لیے سلطان شاہ رخ نے مولانا عبد الرزاق کو کالی کٹ بھیجا تھا۔ چنانچہ انھوں نے راجہ کے دربار میں حاضر ہو کے سلطانی ہدایا جن میں گھوڑے۔ زنانی عمدریاں اور شلوکے زربفت کے تھان۔ ٹوپیاں وغیرہ تھیں پیش کر دیے۔ سلطان نے سامری کو جو خط مولانا کے ہاتھ بھیجا تھا اُس میں یہ لکھا تھا "تم لکھتے ہو کہ ہماری دانائی اور نصیحت پر عمل کر کے ہماری خوشنودی حاصل کرو گے تو میں نصیحت کرتا ہوں کہ تم دین اسلام قبول کر لو تاکہ تمہارے تاریک دل سے بے دینی کی ظلمت دور ہو جائے۔ اور نور ایمان کی شعاعیں تمہارے سینہ میں چمک اُٹھیں گی"۔

غالباً اسی تحریر کی وجہ سے سامری نے مولانا کی سفارت کی زیادہ قدر نہیں کی اور نہ اُن کی طرف جوش سے متوجہ ہوا۔ چنانچہ وہ برخاستہ خاطری کے ساتھ دربار سے واپس آئے۔ اور کہتے ہیں کہ آخر جمادی الآخر سے ابتدائے ذی الحجہ تک میں اسی شہر میں مضطر و پریشان پڑا رہا۔ جو زمانہ کہ ہموم و آلام کا تھا۔ وسط ذی الحجہ میں میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ سلطان شاہ رخ آئے ہیں اور کہتے ہیں "اب زیادہ پریشان نہ ہو!" ساتھ ہی آنکھ کھل گئی۔ اور میں کسی غیر مترقبہ فلاح کا منتظر ہو گیا۔ صبح کو ایک قابل شخص کے پاس گیا کہ اس خواب کی تعبیر پوچھوں ناگہاں ایک شخص نے آ کے کہا کہ راجہ بیجانگر جس کی سلطنت بڑی زبردست اور قلمرو نہایت وسیع ہے اپنے قاصد کے ہاتھ سامری کے پاس ایک خط بھیجا ہے اور خواہش کی ہے کہ "ہمارے پاس خاقان سعید شاہ رخ کا جو ایلچی آیا ہے اُسے فوراً میرے پاس روانہ کرو"۔ سامری اگرچہ راجہ بیجانگر کا ماتحت نہیں ہے مگر ہمیشہ اُس سے ڈرتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ راجہ مذکور

کی قلمرو مین کالی کٹ کی ایسی ایسی تین سو بندرگاہین ہین اور اندرونی ملک مین اُس کی قلمرو تین مہینہ کی راہ تک پھیلی ہوئی ہے۔

کالی کٹ سے شہر کاتم تک جو کہ سرا ندیپ کے عین محاذی واقع ہے تمام ساحلی مقامات صوبہ ملیبار مین شمار کیے جاتے ہین۔ یہان سے جو جہاز مکہ معظمہ کو جایا کرتے ہین اُن مین عموماً مرچ لدی ہوتی ہے۔ اہل کالی کٹ بڑے جہاز ران ہین۔ اور ابناے چین کے لقب سے یاد کیے جاتے ہین۔ اسی لیے دریائی لوٹیرے کالی کٹ کے جہازون سے کبھی تعرض نہین کرتے۔ اور کالی کٹ مین ہر چیز دستیاب ہوجاتی ہے۔ سوا اس کے کہ تم یہان گاے کو نہین ذبح کر سکتے ہو اور نہ اُس کا گوشت کھا سکتے ہو۔ گاے کی یہ لوگ نہایت تعظیم کرتے ہین۔ اور اپنی پیشانیون پر اُس کے گوبر کی راکھ کا ٹیکا دیتے ہین۔

یہان سے علامہ ممدوح اپنے سفر بیجانگر کا حال بیان کرتے ہین۔ فرماتے ہین۔ "مین کالی کٹ سے چلا اور بندرگاہ بندانہ کو طے کر کے شہر منگلور پہونچا جو سمندر کے کنارے اور سلطنت بیجانگر کی سرحد ہے۔ منگلور مین دو تین دن قیام کر کے مین نے خشکی کا سفر شروع کیا۔ اور منگلور سے تین فرسنگ پر ایک ایسا عالیشان مندر دیکھا جس کی نظیر سے ساری دنیا خالی ہے۔ یہ دس گز لمبا اور دس گز چوڑا اور تقریباً پانچ گز اونچا ہے۔ نیچے سے اوپر تک سارا شوالہ ایک ڈھال پیتل کا ہے اور سونے کا ڈلا معلوم ہوتا ہے۔ چار زینے قائم کر کے اُن پر دیوتا کی مورت قائم کی گئی ہے جو پوری سونے کی ہے۔ انسان کی وضع پر بنائی گئی ہے۔ اور آنکھون کی جگہ دو لعل ایسی خوبی و نزاکت سے جڑے گئے ہین کہ ہر شخص کو معلوم ہوتا ہے ہماری ہی طرف دیکھ رہی ہے۔

اس مندر کی زیارت کر کے مین آگے بڑھا۔ ہر روز شام کو کسی شہر یا گاؤن مین منزل کرتا جو خوب آباد نظر آتا۔ اور صبح کو آگے کی راہ لیتا۔ درمیان مین ایک عظیم الشان پہاڑ اور گھنا جنگل پڑا یہ یقیناً مغربی گھاٹ ہے، جس کو قطع کر کے مین شہر بدرور (موجودہ بدنور) پہونچا جس کے مکانات قصر و ایوان معلوم ہوتے ہین۔ اور یہان کی عورتین حسن و جمال مین گویا جنت کی حورین ہین۔ بدرور مین ایک عظیم الشان مندر ہے جو اس قدر بلند ہے کہ اُسے تم کئی فرسنگ کے فاصلے سے دیکھ سکتے ہو۔ اس مندر کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ شہر کے بیچون بیچ مین دس گز زمین کا ایک مسطح تختہ

بچھا ہوا ہے۔ جس مین چمن بندی ہے۔ اور اس کثرت سے پھول لگے ہین کہ گویا باغ
کھلا ہوا ہے۔ اس چمن کے عین وسط مین ایک قد آدم اونچا چبوترہ ہے جو اس خوبی و
نفاست سے تعمیر کیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے گویا ایک ڈال پتھر کا ہے۔ اور کہین جوڑ نہین
اس چبوترے کے بیچ مین ایک بلند عمارت ہے جس پر نیلے رنگ کا گنبد ہے۔ اس مین
اوپر سے نیچے تک مورتون کی تین قطارین پتھر مین کھدی ہوئی ہین۔ سنگتراشی مین
کوئی انسانی کمال نہین باقی رہنے پایا ہو اور چین و فرنگ کی نقاشی کا کوئی دقیقہ
نہین اٹھا رکھا گیا ہے۔ اس عمارت مین چار چھتین ہین جن کا طول ۱۲ گز عرض ۱۲ گز
اور بلندی ۵۰ گز کے قریب ہے۔ اس مندر مین شب و روز عبادت کے بعد گانا بجانا
اور ناچ ہوتا ہے۔ اور لنگر جاری رہتا ہے شہر مین جتنے لوگ رہتے ہین سب کو اس
مندر سے وظیفہ اور روزینہ وغیرہ ملتا ہے اس لیے کہ لوگ یہان دور دور سے آکے
بھینٹ نذرانے چڑھاتے ہین۔

دو تین روز یہان قیام کر کے مین آگے بڑھا۔ اور ذی الحجہ کے ختم ہوتے ہوتے
بیجانگر پہونچ گیا۔ میرے آنے کی خبر سنتے ہی راجہ نے استقبال کے لیے ایک باڈی
گارڈ بھیجا جو لوگ مجھے شان و شوکت اور عزت و احترام کے ساتھ شہر مین لے گئے۔
اور ایک اچھے اور آرام دہ مکان مین ٹھہرایا۔ یہان مین نے آکے دیکھا تو مجھے
نہایت ہی بڑا اور بہت آباد شہر نظر آیا۔ اور مین ایک ایسے راجہ کے دربار مین
باریاب تھا جس کی عظمت و سلطنت دونون اعلیٰ درجہ کی ہین۔ اس کی قلمرو
سرندیپ سے حدود گلبرگہ تک اور بنگالہ سے ملیبار تک پھیلی ہوئی ہے۔ جس کی مسافت
ایک ہزار فرسنگ سے زیادہ ہے ملک کا زیادہ حصہ مزروعہ اور زرخیز ہے۔ اور
تقریباً ۳۰۰ اچھے ساحلی شہر اس کے زیر علم ہین۔ ایک ہزار سے زیادہ ہاتھی راجہ
کے فیل خانے مین ہین۔ اور گیارہ لاکھ فوج ہے۔ سارے ہندوستان مین کوئی راجہ
اس کا ہم پایہ نہین۔ راجہ کے دربار مین برہمنون کی سب سے زیادہ قدر و منزلت
ہوتی ہے۔ کتاب کلیلہ و دمنہ جس سے بہتر کوئی کتاب فارسی مین نہین غالباً اسی سرزمین
کے عقلا کی لکھی ہوئی ہے۔

بیجانگر کا سا شہر دنیا مین نہ دیکھا گیا ہے اور نہ سنا گیا ہے۔ اس کی ساخت

شہرپناہین ہین۔ بیرونی شہرپناہ کے گرداگرد تقریباً ۵۰ گز کا میدان چھوٹا ہوا ہے جس مین قدآدم اونچی اونچی سلین اور چٹانین ایسی پیچیدگی کے ساتھ کھڑی کھڑی اور ایک دوسرے کے متصل قائم کر دی گئی ہین کہ حریف کے پیدل ہون یا سوار کیسے ہی جانباز وجری ہون آسانی کے ساتھ دیوار شہر تک نہین پہونچ سکتے۔

اس کے بعد مولانا نے بیجانگر کو ہرات کے مشابہ بتا کے اُس کی ہر شہرپناہ اور اُس کے ہر حصہ کو ہرات کی کسی قلعہ بندی یا کسی محلہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور لکھتے ہین کہ ساتوین حصار کے اندر راجہ کا محل ہے۔ بیرونی دیوار کے شمالی پھاٹک سے جنوبی پھاٹک تک پورے دو فرسنگ (ساڑھے سات میل) کی مسافت ہے۔ اور اتنی ہی مسافت مشرقی و مغربی پھاٹکون کے درمیان ہے۔ پہلے دوسرے اور تیسرے حصارون کے درمیان مزروعہ کھیت، باغ۔ اور مکانات ہین۔ تیسرے حصار سے ساتوین تک دکانین بازار اور نہایت گھنی آبادی ہے۔ راجہ کے محل کے قریب چار بازار ہین جو ایک دوسرے کے مقابل اور محاذی ہین۔ اُنھین مین سے جو بازار شمال کی جانب ہے اُس مین راجہ کا قصر ہے۔ ہر بازار کے سرے پر ایک بلند محراب دار دروازہ ہے۔ اور اُسی سے مل کے دکانون کے آگے آگے دونون جانب عالیشان برآمدہ چلا گیا ہے۔ مگر راجہ کا محل شہر کی تمام عمارتون سے بلند اور زیادہ شاندار ہے۔ شہر کی دیوارین مربع نہین بلکہ گول اور دائرے کی وضع مین ہین۔ جو پتھر اور چونے سے بڑی مضبوطی کے ساتھ تعمیر کی گئی ہین۔ بازار بہت چوڑے اور لمبے ہین۔ اُن کی چوڑان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ پھول والے اپنی دکانون کے سامنے اونچے اونچے میز رکھ کے پھولون کا انبار لگاتے ہین۔ مگر باوجود اس کے کہ دونون جانب اس قسم کی میزین قائم ہین۔ بخوبی خرید فروخت ہوتی ہے اور لوگ آسانی سے گزرتے رہتے ہین۔ مہکنے والے خوشبودار تازے پھول یہان ہمیشہ اور ہر وقت کثرت سے مل سکتے ہین۔ اور ضروریات زندگی کے لیے وہ اس قدر لازمی ہین کہ گویا بغیر اُن کے جینا دشوار ہے ہر قسم کے مال اور سامان کی دکانین ایک ہی جگہ اور قریب قریب ہین۔ اور جوہری سب طرح کے جواہرات علانیہ دکانون مین رکھ کے فروخت کرتے ہین۔

اس دلفریب اور خوشنما حصۂ شہر مین جہان راجہ کا محل ہے بہت سے چشمے

اور نہریں جاری ہیں جو بڑی لطافت و صناعی کے ساتھ پتھروں کی جوڑائی سے اور ان پر خوب گھٹائی کر کے بنائی گئی ہیں۔ راجہ کے محل کے داہنی جانب "دیوان خانہ" یعنی وزیر کا دفتر ہے۔ جو بہت بڑی عمارت ہے۔ اور ستونوں کی کثرت سے "چہل ستون" کہے جانے کے قابل ہے۔ اُس کے آگے ایک بلند برآمدہ ہے جو ۲۰ گز لمبا اور ۸ گز چوڑا ہے۔ اور اُس کی کرسی قد آدم بلند ہے۔ اُس میں محافظ خانہ ہے۔ یعنی دفتر کی مثلیں جمع ہیں۔ اور محرر بیٹھے کام کر رہے ہیں۔

ان لوگوں میں تحریریں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک تو ناریل کے پتوں پر جو دو گز لمبے اور دو انگل چوڑے ہوتے ہیں۔ اور لوہے کی نوکدار سلائی سے اُن پر کھود کے لکھا جاتا ہے۔ روشنائی کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ تحریر تھوڑے ہی دنوں میں ضایع ہو جاتی ہے۔ دوسرا انداز تحریر یہ ہے کہ کسی چیز پر کالک پھیر کے اُس کی زمین سیاہ کر لی جاتی ہے اور اُس پر پتھر کے قلم سے سفید حرفوں میں لکھتے ہیں یہ طرز کتابت دیرپا بھی ہے اور پسند بھی زیادہ کیا جاتا ہے۔

اُس ستونوں والے دیوان خانے کے درمیان میں ایک بلند چبوترے پر ایک خواجہ سرا بیٹھا رہتا ہے جو "دنائک" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ تمام نظم و نسق کا افسر اعلیٰ وہی ہے۔ اور اُس کے چبوترے کے نیچے بہت سے گرز بردار اپنے گرز تانے کھڑے رہتے ہیں جو کوئی شخص کسی غرض یا فریاد کے لیے آتا ہے وہ اُن گرز برداروں کی صفوں سے گزر کے کوئی معمولی قسم کا نذرانہ پیش کرتا ہے پھر زمین پر سر رکھ کے ادب سے زمین بوس ہوتا ہے اور اس کے بعد اُٹھ کر اپنی غرض بیان کرتا ہے۔ جس پر غور کر کے دنائک حسب قوانین مروجہ احکام جاری کرتا ہے۔ اور پھر اُن احکام کے اجرا میں کوئی قوت مزاحم نہیں ہو سکتی۔ دنائک جب یہاں سے اُٹھ کے جاتا ہے تو لوگ اُس کے آگے کئی رنگین چھترے لے کے چلتے ہیں۔ تُرہیاں پھنکتی ہیں۔ اور بھاٹ لوگ دونوں جانب سے نغمۂ دعا سناتے جاتے ہیں۔

دنائک کو جب راجہ سے ملنا ہوتا ہے تو اُسے قصر شاہی کے سات پھاٹک طے کرنا ہوتے ہیں جن پر شاہی پہرہ رہتا ہے۔ ہر ہر پھاٹک پر ایک ایک چھتر چھوٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ ساتویں پھاٹک سے آگے بڑھتا ہے تو کوئی چھتر نہیں باقی رہتا

دنانگ کا مکان راجہ کے محل کے پچھواڑے ہے۔ راجہ کے محل کے بائین جانب ٹکسال ہے جہان بہت سے قسم کے سونے کے سکے تیار ہوتے ہین جن مین مناسبت سے کھوٹ ملایا جاتا ہے۔ اِن سکون مین سے ایک "وراہا" کہلاتا ہے جس کا وزن ایک مثقال کا ہے۔ دوسرا "پرتاب" کہلاتا ہے جو قیمت مین آدھے وراہا کے برابر ہوتا ہے تیسرا "فنام" کہلاتا ہے جو پرتاب کا دسوان حصہ ہے یعنی دس فنامون کا ایک پرتاب ہوتا ہے۔ فنام کا چلن بہت زیادہ ہے۔ ایک خالص چاندی کا سکہ بھی کثرت سے بنتا اور بہت مروج ہے جو "تار" کہلاتا ہے۔ "چھ تار" کا ایک فنام ہوتا ہے۔ اُس سے کم تانبے کا سکہ "جیتل" ہے۔ تین جیتلون کا ایک تار ہوتا ہے۔

یہان کا معمول یہ ہے کہ تمام مالکان اراضی و کاشتکار ایک مقررہ وقت پر سرکاری مالگزاری لاکے یہین ٹکسال مین داخل کرتے ہین۔ اور جس کسی کو سرکار سے کچھ ملنا ہوتا ہے اُسے محاسب سے ایک پروانہ ٹکسال کے نام مل جاتا ہے جہان سے وہ رقم وصول کر لیتا ہے۔ سپاہیون کو ہر چوتھے مہینہ تنخواہ ملتی ہے۔

ملک اس قدر گھنا آباد ہے کہ آبادی کی تعداد کے متعلق کوئی رائے نہین قائم کی جا سکتی۔ راجہ کے خزانے مین کمرے اور تہخانے خالص سونے کی سلون سے بھرے ہوے ہین۔ اور تمام اہل ملک کیا اعلیٰ اور کیا ادنیٰ حتی کہ معمولی درجے کے بازاری لوگ بھی جواہرات اور سونے کا زیور کانون۔ گلے۔ بازوؤن۔ کلائیون اور انگلیون مین پہنے رہتے ہین۔

دفتر وزارت کے محاذی فیل خانہ ہے۔ ملک مین راجہ کے بہت سے ہاتھی ہین۔ شہر کے پہلے اور دوسرے حصار کے فیما بین اور نیز آبادی کے شمالی مغربی رُخون پر ہاتھیون کی تعلیم و پرورش کا محکمہ ہے جہان ہاتھیون کے چھوٹے بچے لاکے رکھے اور سدھائے جاتے ہین۔ راجہ کا ایک سفید ہاتھی ہے جو نہایت ہی بڑا ہے۔ اور اُس کی جلد مین جا بجا ۲۰ سکے قریب رنگین دھبے ہین۔ یہ ہاتھی ہر صبح کو راجہ کے سامنے لایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہان صبح صبح اُس کو دیکھنا نہایت ہی مبارک ہے۔ ہاتھیون کو دن بھر مین دو بار غذا دی جاتی ہے۔ اور پختہ مکانون مین رہتے ہین جن کی چھتین بہت ہی مضبوط ہوتی ہین۔ جو زنجیرین اُن کی گردن اور پیٹھ پر ہوتی ہین وہ چھت کے شہتیر مین اٹکا دی جاتی ہین۔ اور اگلے دونون پاؤن مین بھی زنجیرین پڑی

رہتی ہین۔ اگر ایسی بندش نہ کی جاے تو وہ چھوٹ جائین۔

ہاتھیون کے پکڑنے کا یہ طریقہ ہے کہ جنگل مین جس راستہ سے جنگلی ہاتھی پانی پینے کو جاتے ہین اُس راستہ مین لوگ گہرا سے کھود کے پھوس وغیرہ سے پاٹ دیتے ہین۔ جہان ہی ہاتھی کا پاؤن کسی گڑھے پر پڑ گیا وہ اُس کے اندر جا پڑتا ہے اور پھر نہین نکلنے پاتا۔ دو تین دن تک تو کوئی اُس گڑھے کے قریب نہین جاتا۔ پھر ایک شخص جا کے زور سے نیزے سے چار کو بچھو دیتا اور مارتا ہے ساتھ ہی ایک اور شخص نمودار ہوتا ہے جو اُس پہلے شخص سے نیزہ چھین کے پھینک دیتا اور اُسے مار کے بھگا دیتا ہے۔ پھر کھانے کے لیے کوئی چیز چمکار کے ہاتھی کے سامنے ڈال کے چلا آتا ہے۔ یہی کارروائی روز ہوتی ہے۔ یعنی پہلے ایک شخص آ کے ہاتھی کو مارتا پھر دوسرا اُسے بچاتا اور کھلاتا ہے۔ یہان تک کہ ہاتھی اُسے اپنا بچانے والا اور دوست سمجھ کے اُس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ تب وہ قریب جا کے اُسے سہلاتا پیار کرتا اور اظہار محبت کرتا ہے۔ اور آخر پوری طرح مانوس بنا لینے کے بعد اُسے زنجیرین پہناتا اور گڑھے مین سے نکال لاتا ہے۔

ہندوستان کے راجہ ہاتھیون کے شکار کے شوق مین دو ایک مہینہ جا کے جنگل مین رہتے ہین۔ اور جب کچھ ہاتھی ہاتھ آجاتے ہین تو بڑی خوشیان مناتے ہین۔ بعض اوقات ہاتھیون سے یہ کام بھی لیا جاتا ہے کہ مجرم اُن کے ذریعہ سے قتل کرائے جاتے ہین سراندیپ سے اکثر سوداگر ہاتھیون کو دور دور کے ملکون مین لیجا کے اُن کی بلندی کے مطابق زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہین۔

ٹکسال کے مقابل کوتوال شہر کا دفتر ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اُس کے متعلق بارہ ہزار پولیس کے جوان ہین جن کی تنخواہ کا حساب بارہ ہزار فنام یومیہ پڑتا ہے یہ رقم شہر کے چکلون اور قحبہ خانون کے ٹیکس سے پوری کی جاتی ہے۔ اس موقع پر مولانا عبدالرزاق لکھتے ہین کہ ان بازاری عورتون کے مکانون کی شان وشوکت اور ان دلربا نازنینون کا حسن وجمال۔ اُن کے ناز و انداز اور اُن کی دلبری کی چالین دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہین بیان نہین ہو سکتین۔ اور بہتر یہی ہے کہ اس بارے مین خموشی اختیار کر لی جائے۔

لیکن اس بچانے پر بھی مولانا سے رہا نہ گیا اور فرماتے ہین، تاہم اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ ٹکسال کے عقب مین ایک قسم کا بازار ہے۔ جو ۳۰۰ گز لمبا اور ۲۰ گز چوڑا ہے۔

دونون جانب مکانات ہین اور اُن مکانون کے آگے جو زمین چھوٹی ہے اُس مین کرسیون
یا پتھرون کے عوض پتھر کے خوشنما چبوترے بنے ہین۔ دونون جانب کے مکانون سے
زرکار سر شیرون چیتون اور دیگر حیوانون کی تصویرین بنی رہتی ہین۔ ظہر کے بعد ان
مکانون مین سے ہر ایک دروازے پر جو خوب ہی آراستہ ہوتے ہین کرسیان بچھادی
جاتی ہین۔ اور اُن پر بازاری حسین عورتین آکے نازو انداز سے بیٹھ جاتی ہین۔ اُن کا
لباس بہت بھاری اور قیمتی ہوتا ہے۔ موتیون اور جواہرات کا زیور پہنے ہوتی ہین۔ اور
ہر ایک کے سامنے دو یا ایک لونڈیان بھی کھڑی رہتی ہین۔ جو لوگون کو عیش و عشرت
اور لطف و مسرت کے لیے اپنی طرف بلاتی ہین۔ رہگیر اُن کو دیکھتے ہوے گزرتے ہین اور
جسے پسند کرتے ہین اُس کے پاس جاتے ہین اب وہ بازاری عورتین تو اُس شخص کی دلداری
مین مصروف ہو جاتی ہین اور اُن کے نوکرون کا یہ کام ہوتا ہے کہ یہان جو کچھ مال و اسباب
ہے اُس کی حفاظت کرین۔ اگر کوئی چیز بھی گئی تو برطرف کر دیے جاتے ہین۔

شہر کی ساتون شہر پناہون کے اندر ایسی بہت سی رنڈیان ہین جن کے محصول سے
پولیس کی تنخواہ دی جاتی ہے۔ پولیس والون کا یہ کام ہے کہ ساتون حصارون کے اندر جو
واقعات پیش آئین یا جو حادثے ہون اُن سے بخوبی آگاہ رہین۔ جو چیز کھو جاے یا چوری
جاے اُسے ڈھونڈھ کے برآمد کرین۔ اور اگر برآمد نہ کر سکے تو اُن پر جرمانہ کیا جاتا ہے۔ میرے
ایک رفیق نے کئی غلام یہان مول لیے تھے وہ بھاگ گئے۔ جب اس کی رپورٹ کوتوال شہر
کی گئی تو اُس نے اُس حلقہ کے محافظون کو جہان نہایت غریب و محتاج لوگ رہتے تھے بلا کے
حکم دیا کہ ان غلامون کی قیمت ادا کرو۔ چنانچہ تحقیق کے بعد اُن غلامون کی جو قیمت ثابت ہوئی
اُن سے وصول کر کے میرے رفیق کو دے دی گئی۔

حسن کی کرشمہ سازیان

ست الملک ملکۂ مصر

مصر مین جب خلفاے باطنیین ائمۂ اسمٰعیلیین کے سریر فرمان روائی پر الحاکم بامر اللہ کا
ایسا عجیب و غریب مختلف الاوصاف اور متلون المزاج خلیفہ حکومت کر رہا تھا اُس کے شر
دور کرنے کے لیے خدا نے اِس حسین و نازنین اور سراپا حکمت و فراست ملکہ کو ظاہر کیا۔

اور حریم خلافت سے نکل کے رعایا کی خبر نہ لیتی تو الحاکم نے خدا جانے کیا قیامت بپا کر دی ہوتی۔

ست الملک حاکم بامر اللہ کی بہن اور اُس سے پہلے فاطمی خلیفہ العزیز باللہ نزار کی ناز پروردہ بیٹی تھی۔ حسن و جمال میں ثانی نہ رکھتی تھی۔ اور ہوشیاری۔ دانائی۔ استقلال۔ حکمرانی۔ اور سیاسی قابلیت میں اُس کا کوئی نظیر و مثیل نہ تھا۔ مصر ہی نہیں شاید ان دنوں ساری دنیا میں کوئی عورت اُس کی سی لیاقت اور مردانہ ہمت نہ رکھتی ہو گی۔ حاکم بامر اللہ کو گیارہ ہی برس کی عمر میں آبائی حکومت مل گئی تھی۔ اور حکومت بھی یوں جو صرف دنیوی شہریاری ہی نہیں بلکہ دینی امامت اور حضرت رسالت کی جانشینی بھی تھی۔ تاج و تخت پاتے ہی اُسے نظر آیا کہ ساری دنیا میری تابع فرمان ہے۔ میں دنیا ہی نہیں دین کا بھی بادشاہ ہوں۔ اور دین و دنیا میں جیسے احکام چاہوں جاری کر سکتا ہوں۔ اس خیال کے آتے ہی پہلے تو اُس نے امامت کو مظہر ذات ربانی یا ہندوؤں کی اصطلاح کے مطابق اوتار قرار دے کے اپنے آپ کو معمولی انسان سے بڑھا کے امام اور امامت سے بھی آگے بڑھا کے خدا بنا لیا۔ چنانچہ اُسی کی یادگار میں آج تک دُروز کا فرقہ شام میں موجود ہے جو لوگ حاکم بامر اللہ کے سوا خدا کو بھی نہیں مانتے۔ ان لوگوں کے عقیدے میں ایمان حاکم بامر اللہ پر ایمان لانا ہے۔ اور چند خطوط جو حاکم کی امامت کی تبلیغ میں لکھے گئے تھے اُن کا مجموعہ ان کا قرآن ہے۔ گو وہ مسلمانوں میں شمار کیے جاتے ہیں مگر نہ رسول مقبول صلعم کو مانتے ہیں اور نہ قرآن مجید کو۔ نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں اور نہ مسلمانوں کا سا اور کوئی کام کرتے ہیں۔ اُن کے خیال میں نجات کا ذریعہ صرف الحاکم کو مظہر ایزدی مان لینا ہی ہے۔ عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد حاکم نے جیسے جیسے متخالف و متضاد احکام جاری کرنا شروع کر دیے تاریخ میں یادگار ہیں۔ ۳۹۵ھ میں حکم قطعی جاری کیا کہ صحابہ کرام کو علانیہ گالیاں دی جائیں۔ بازاروں شاہراہوں مسجدوں اور تمام عام گزرگاہوں میں برا لکھ لکھ کے دیواروں پر لگا دیا گیا۔ اور یہی حکم تمام والیان ملک کو لکھ بھیجا گیا کہ اپنے اپنے علاقوں میں جاری کریں۔ ایک زمانے تک یہ حکم جاری رہا تھا کہ دربار خلافت سے حکم ہوا کہ تبرا کلیۃً موقوف۔ صحابہ کی شان میں جو شخص کوئی برا کلمہ کہے یا اُن کا ذکر برائی سے کرے اُسے سخت سزا دی جائے۔ اب اُن لوگوں کو جو توہین صحابہ کے

عادی کر دیے گئی تھی سزائین ملنے لگین۔ سنہ ۳۹۳ھ مین حکم جاری کیا کہ رمضان مین نماز تراویح کلیتہً موقوف۔ جامع عتیق کے امام نے اس حکم کی پروانہ کی اور مسلمانون کو جمع کر کے تراویح پڑھی ہو پڑھا دن وہ پکڑ کے قتل کر ڈالا گیا۔ اس کے بعد سنہ ۴۰۲ھ مین حکم جاری ہوا کہ تمام مسجدون مین نماز تراویح لازمی طور پر پڑھی جایا کرے۔ مسلمانون سے زیادہ سختیان یہود و نصاریٰ کو اس مجنون فاطمی خلیفہ کے تلون سے برداشت کرنا پڑین۔ کبھی حکم ہوتا کہ سب مجبور کر کے مسلمان بنا لیے جائین۔ کبھی ان کو ذلیل قسم کا لباس پہنے اور ذلت سے رہنے کی تاکید ہوتی اور کبھی جوش و خروش سے ان کی استمالت اور طرفداری کی جاتی۔ کبھی ان کے معبد اور کنیسے کھود ڈالے جاتے اور کبھی تعمیر کر دیے جاتے۔ عورتون کی نسبت حکم ہوا کہ کوئی عورت گھر سے نہ نکلے۔ اور جب شکایت ہوئی کہ جن عورتون کا کوئی والی وارث نہ ہو وہ کیا کرین۔ تو فرمان جاری ہوا کہ بازاری ہر قسم کا مال لے کے زنانی ڈیوڑھیون پر جایا کرین اور لمبے دستہ کی کوئی ایسی چیز اپنے پاس رکھین جس مین رکھ کے ہر چیز دروازے کے اندر بڑھا دیا کرین۔ تاکہ بغیر صورت دیکھے پٹ کی آڑ سے خرید و فروخت ہو جایا کرے۔

ان باتون نے تمام اہل مصر کو اس قدر ناراض کر دیا کہ حاکم کے پاس روز گمنام رقعے اور خطوط پہونچتے جن مین اسے گالیان دی جاتین۔ اور برا بھلا کہا جاتا۔ حاکم بجائے اس کے کہ ان باتون سے متنبہ ہو اور بگڑتا۔ اور ضد مین آ کے زیادہ ظلم کرتا۔ آخر ایک دن مصر کے بعض منچلے لوگون نے یہ کارروائی کی کہ کاغذ کی ایک عورت بنا کے حاکم کی گذرگاہ مین ایک جگہ کھڑی کر دی اور اس کے ہاتھ مین ایک کاغذ دے دیا۔ یہ پتلا اس قدر مکمل اور ایسی صناعی سے بنایا گیا تھا کہ حاکم ادھر سے گزرا تو بالکل نہ پہچان سکا اور سمجھا کہ سچ مچ کوئی عورت ہے جو فریاد کرنے کو آئی ہے۔ غلامون کو بھیج کے اس کے ہاتھ سے عرضی لے لی۔ دیکھا تو اس مین صدہا گالیان لکھی ہوئی تھین۔ اور اس کی کسی طرح کی توہین اٹھا نہین رکھی گئی تھی۔ لپک کے عورت کو پکڑا تو کاغذ اور بانس کا ڈھانچہ تھا۔

اس کارروائی سے حاکم ایسا برانگیختہ ہوا کہ حکم دیا مصر کی آبادی مین آگ لگا دی جائے۔ اور فوج والے سارے شہر کو لوٹ لین۔ مردون کا قتل عام ہو۔ اور عورتین اور لڑکے پکڑ پکڑ کے لونڈی غلام بنا لیے جائین۔ فوراً اس نادری حکم کی تعمیل شروع

گئی اور شہر تباہ ہونے لگا۔ مکانون پر شعلے بلند تھے۔ شرفا و امرا بلا استثنا و قتل ہو رہے
تھے۔ امرا و معززین و شرفا کی عورتین اور بچے کھینچ کھینچ کے گھرون سے نکالے اور لونڈی
غلام بنائے جاتے تھے۔ جب مسلسل دو دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا تو لوگون
نے عفو تقصیر کے لیے التجا کی مگر نہ سنی گئی۔ آخر رعایا نے مجبور ہو کے بہت سے ترکون اور
شام و عرب کے لوگون کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اور بغاوت کی دھمکی دی۔ یہ رنگ دیکھ کے
حاکم نے ظلم سے ہاتھ روکا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شرارت کی کہ حکم دیا کہ امرا و معززین کی
جو عورتین گرفتار ہوئی ہین وہ بے عزت کر کے بیچ ڈالی جائین۔ اور ان کے بچے بھی فروخت
کر ڈالے جائین۔ یہ ایسے بے رحمی کے شرمناک نظارے تھے کہ مصر کا ہر شخص حاکم کا دشمن اور
اس کے خون کا پیاسا ہو گیا۔

ست الملک بھائی کی ان حرکتون پر دل ہی دل مین کڑھتی اسے سمجھاتی اور حتی الامکان
لوگون کو اس کی طرف سے صاف کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر حاکم بجاے اس کے کہ اس کا شکر گزار ہوتا
اور اس کے عاقلانہ مشورون پر عمل کرے الٹے اس سے ناراض ہو گیا۔ یہان تک کہ آخر کار اسے
یہ وہم ہوا کہ ست الملک میرے خلاف امراے شہر سے سازش کرتی اور انھین میری مخالفت پر ابھارا کرتی ہے۔
ست الملک سے پہلے حاکم بامر اللہ کو بڑی محبت تھی۔ اور چونکہ اس کی دانائی اور عقلمندی کا
قائل تھا اس لیے ہر ملکی معاملے اور اپنے ہر حکم کے جاری کرنے مین اس سے ضرور مشورہ
لیا کرتا۔ یہ ست الملک کی خوش نصیبی یا نیک نفسی تھی کہ جو امر اس کے مشورہ سے
کیا جاتا اس مین ہمیشہ کامیابی ہوتی اور رعایا خوش رہتی۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ ست الملک
اس کے مجنونانہ احکام سے ہمیشہ اسے روکا کرتی۔ لیکن جب اس نے ست الملک کی راے
کے خلاف کارروائیان شروع کین اور لوگ برہم ہونے لگے تو اسے اپنی بے تدبیری پر
نہین اس امر پر تعجب ہونے لگا کہ جو کام مین اپنی تجویز سے کرتا ہون اس سے لوگ ناراض ہوتے
ہین اور جس کام کو ست الملک سے پوچھ کے کرتا ہون اس کی کوئی شکایت نہین کرتا۔ آخر اس
تعجب و حیرت نے اسے بہن سے بدگمان کر دیا اور جوش مین آ کے زیادہ خود رائی کرنے لگا۔
نتیجہ یہ کہ رعایا بھی زیادہ برہم ہونے لگی جسے اس نے بہن کی سازش پر محمول کیا
اور بے اختیار کھل کھیلا اور ست الملک کو لکھ بھیجا "تم لوگون سے سازشین کرتی ہو
اور تمھارا چال چلن نہین اچھا ہے۔ اکثر نامحرم مرد تمھارے محل مین آیا جایا کرتے ہین اس

اور بدکاری سے باز آؤ ورنہ قتل کرڈالوں گا۔" اس پاکدامن شاہزادی کی عفت وعزت پر آج تک کسی نے حملہ نہیں کیا تھا سنتے ہی آپے سے باہر ہو گئی۔ اور اس فکر میں ہوئی کہ ایسے ظالم اور بے شرم و بیحیا بھائی سے اب جس طرح بنے پیچھا چھڑانا چاہیے۔

اب جو جو زمانہ گزرتا تھا بہن بھائی کے تعلقات نازک ہوتے جاتے تھے۔ حاکم کی بدگمانیاں جو بڑھیں تو اُس نے سمجھ لیا کہ یہ جتنے گالیوں کے خطوط میرے پاس آرہے ہیں اور اُس کاغذ کی بنی ہوئی عورت کے ہاتھ سے گالیوں کا جو خط مجھے ملا تھا سب اسی ست الملک کی کارروائیاں ہیں۔ آخر ست الملک نے حاکم کو حد سے گزرتے دیکھ کے دل میں کہا "اچھا ٹھہر جاؤ۔ اب تک تو میں نے تمہارے خلاف کوئی سازش نہیں کی تھی مگر اب کرتی ہوں۔" اُن دنوں قاہرہ میں ابن دواس نام ایک معزز شخص تھا جو ایک حصۂ فوج کا افسر اعلی تھا اور حاکم کو اُس پر بھی طرح طرح کی بدگمانیاں تھیں۔ ست الملک نے اسی ابن دواس کے پاس کہلا بھیجا کہ "میں تم سے تنہائی میں ملنا چاہتی ہوں۔" اُس نے عرض کرایا کہ "حضور کی قدمبوسی میرے لیے مایۂ ناز ہوگی۔" اس جواب سے اُسے اپنے موافق خیال کرکے ست الملک نے برقع پہن لیا۔ سب لوگوں کی آنکھ بچا کے اُس کے گھر پہونچی۔ اور کہا "تم جانتے ہو کہ تمہاری نسبت بھائی کے کیا خیالات ہیں؟" اُس نے عرض کیا "جی ہاں جانتا ہوں کہ وہ میرے دشمن اور میری جان لینے کے درپے ہیں۔" ست الملک نے کہا "اور ایسی ہی دشمنی اُسے میرے ساتھ بھی ہے۔ اور اُس کا مزاج ایسا ہے کہ جس دن دل میں آگئی پھر کسی بات کا خیال نہ کرے گا اور بلاتامل ہم دونوں کو قتل کرا ڈالے گا۔" ابن دواس نے کہا "حضور بجا فرماتی ہیں۔" اب موقع دیکھ کے ست الملک نے کہنا شروع کیا کہ "اس کمبخت کے ہاتھوں سارے مسلمانوں پر ظلم ہو رہے ہیں۔ دین الگ خطرے میں ہے۔ عقائد اُس نے بگاڑ ہی دیے۔ مسلمانوں کی عزت وآبرو بھی اُس نے نہ چھوڑی۔ معزز اور پاکدامن بی بیوں کو اُس نے بے حرمت کرایا۔ شریفوں کے بچے اُس کے ہاتھوں بازار میں بکے۔ اور یہ حالت ہو رہی ہے کہ اس کے اندیشہ سے کوئی شخص گھر میں چین سے نہیں سو سکتا۔ پھر یہ دیکھو کہ ملک کا بچہ بچہ اس کی صورت سے بیزار ہو رہا ہے اور ساری رعایا کے دلوں میں بغاوت کا جوش پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اگر سب لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہماری اس اسمٰعیلی خلافت کے تاج وتخت کو اُلٹ دیا تو کیا

تو مٹا بیٹھوں گی اور نہ تم بچو گے - اور مصر میں قیامت کبریٰ بپا ہو جائے گی"۔ ابن داؤس نے ست الملک کی یہ پُر اثر تقریر سُن کے کہا "آپ جو فرمائیں مجھے اُس کی تعمیل میں عذر نہ ہوگا"۔ ست الملک بولی "میرے نزدیک تو مناسب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ الحاکم کے دست ستم سے ہماری امامت کو صدمہ پہونچے ہم اُسی کی زندگی کا چراغ گل کر دیں"۔ ابن داؤس نے کہا "مجھے اس بات کا کوئی عذر نہیں ہے۔ لہذا آپ اس کی جو تدبیر بتائیں کی جائے"۔ ست الملک نے کہا "کل میرا بھائی الحاکم حسب معمول شہر سے نکل کے کوہستان کی طرف جائے گا۔ اور عادت کے مطابق اُس کے ہمراہ کوئی نہ ہوگا۔ تم ایسے دو شخص وہاں مقرر کر دو جو وہیں اُس کا کام تمام کر دیں۔ اور پھر اُسے گھر آنا نصیب نہ ہو"۔ ابن داؤس نے اس کا وعدہ کیا جس سے خوب مطمئن ہو کے ست الملک نے وعدہ کیا کہ اگر یہ کام دانائی و خوبی کے ساتھ انجام پا گیا تو میں تمھاری موجودہ جاگیر میں ایک لاکھ دینار سالانہ کی جاگیر اور بڑھا دوں گی۔ اور سلطنت کا سارا انتظام و نسق تمھارے ہی ہاتھ میں ہوگا۔ کیونکہ تمھارے سوا اور کوئی وزیر اعظم اور مدار المہام سلطنت نہیں ہو سکتا۔ ان وعدوں نے ابن داؤس کو اس کے ارادے میں اور مضبوط کر دیا۔ جس کے بعد ست الملک اپنی محلسرا میں واپس گئی۔

الحاکم مقررہ اوقات میں تن تنہا پہاڑوں پر جایا کرتا تھا۔ چونکہ امامت اور مظہر ایزدی ہونے کا مدعی تھا اس لیے اُس کی غیبت میں وہی شان ہوا کرتی جو حضرت موسیٰ کے کوہ طور پہ جانے اور خدا کے احکام لانے کی تھی۔ اسی معمول کے مطابق ست الملک اور ابن داؤس کی سازش کے دوسرے دن ۲۷ شوال سنہ ۴۱۱ھ کو وہ محل سے نکل کے پہاڑوں پر گیا۔ پہاڑ کے قریب پہونچ کے ساتھ والوں کو وہیں چھوڑا اور ایک نوعمر لڑکے کو ساتھ لیے ہوئے گھاٹیوں میں گھسا۔ ناگہاں کوہستان کے سناٹے میں دو مسلح آدمی نمودار ہوئے جنھوں نے سامنے آتے ہی حملہ کر کے اُسے اور اُس کے ہمراہی لڑکے کو مار ڈالا۔ اور دونوں کی لاشیں غائب کر دیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان دونوں سپاہیوں کو ابن داؤس نے ست الملک کی خواہش کے مطابق یہاں بٹھایا اور اُن کے قتل پر مامور کیا تھا۔ الحاکم کے واپس آنے میں جب حد سے زیادہ دیر ہوئی تو اُس کے خیر خواہوں اور سرداروں نے تلاش کرنا شروع کیا۔ پہاڑوں کے

تمام پہلو اور ساری گھاٹیان ڈھونڈھ مارین مگر کہین سراغ نہ لگا۔ ایک مقام پر مادہ گھوڑا اور اُس سے آگے بڑھ کے اُس کے کپڑے مل سکے۔ مگر اُن مین بھی خون کا کوئی دھبہ نہ تھا۔ لاشین کہین نہ ملین۔

آخر سب تھک گئے اور عاجز ہو کے قاہرہ مین واپس آئے اور ست الملک کی ڈیوڑھی پر جا کے عرض کرایا کہ "امیرالمومنین غائب ہین۔ ہم نے سارا کوہستان چھان مارا کہین پتہ نہین۔ اب آپ کیا حکم فرماتی ہین؟" ست الملک نے اُن کے پاس کہلا بھیجا "میرے پاس اُن کی تحریر آئی ہے جس مین وہ فرماتے ہین کہ مین پرسون واپس آؤن گا۔" اُمرا و ارکان دولت اس جواب سے مطمئن ہو کے اپنے گھرون کو گئے۔ اور ست الملک نے خزانے پر قبضہ کر کے بہت سا روپیہ ابن داؤس کے پاس بھیجا کہ سرداران فوج مین تقسیم کر دے۔ اُسی طریقے سے مسلسل سات دن تک وہ لوگون سے الحاکم کے ظہور کا وعدہ کرتی رہی۔ اب ساتوین دن ظہور حاکم کا انتظار تھا۔ ساری فوج قصر خلافت کے دروازے پر صفین باندھے کھڑی تھی کہ امام زمانہ امیرالمومنین الحاکم کے دیدار سے بہرہ یاب ہون۔ ست الملک نے الحاکم کے بیٹے ابوالحسن علی کو جو ابھی ایک ۱۶ سولہ سال کا خوبرو لڑکا تھا لباس شاہانہ پہنا کے باہر نکالا۔ وزیر سلطنت اُس کے آگے آگے تھا جس نے تمام حاضرین دربار اور اہل فوج کی طرف خطاب کر کے کہا "اے غلامان دولت! ہماری ملکہ ست الملک فرماتی ہین کہ اب تمھارے آقا امام اور امیرالمومنین یہی ہین۔" یہ سنتے ہی ابن داؤس جو سب کے آگے تھا فوراً جھک کے زمین بوس ہوا۔ اور ساتھ ہی وہ تمام امرا و سرداران فوج جنھین ابن داؤس کی معرفت روپیہ دیا گیا تھا زمین بوس ہو ہو کے آداب بجا لانے لگے۔ جب معززین کا ایک بڑا گروہ بے عذر زمین بوس ہو چکا تو باقی لوگون نے بھی اُن کی پیروی کی۔ اور کوئی نہ تھا جس نے ذرا بھی تامل کیا ہو۔ اب خوبرو شاہزادہ علی نے شاہی گھوڑے سوار ہو کے شہر کا ایک چکر لگایا اور کل امراے دولت ہمراہ رکاب اور اس کی جلو مین تھے۔ ظہر کے وقت وہ قصر خلافت مین واپس آ کے گھوڑے سے اُترا اور کل اہل دربار کو دوسرے دن حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دوسرے دن علی الصباح تمام عمائد شہر اور جملہ اہل سیف و قلم در دولت پر حاضر ہوئے۔ وہی شاہزادہ ابوالحسن علی پھر برآمد ہوا۔ آج کے دربار مین ست الملک نے اُسے

"الظاہر لاعزاز دین اللہ" کے لقب سے ملقب کر کے سریر خلافت پر بٹھایا اور سب نے
بلا عذر اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ الغرض بغیر اس کے کہ کسی قسم کا فساد اور جھگڑا ہو
الظاہر کی تخت نشینی کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔ ساتھ ہی ست الملک نے ایک
زبان رد اسکے ذریعہ سے الظاہر کی خلافت کا اعلان کیا اور اطراف و جوانب مین تمام والیان
ملک اور عملداران بلاد کے نام اُس فرمان کی نقلین اس حکم سے بھیجی گئین کہ فوراً الظاہر کی بیعت لین
اس کے بعد ست الملک نے ایک بڑا بھاری دربار کیا جس مین تمام معززین
کو اُن کے درجون اور رتبون کے مطابق بٹھایا۔ سب کو خلعت و انعام سے سرفراز
کیا۔ عزت افزائیان کین۔ پھر انتظام مملکت کے متعلق نہایت ہی عمدہ احکام جاری
کیے اور کل امور کا ذمہ دار اور افسر اعلیٰ ابن داؤس کو قرار دیا۔ اور کمال مہربانی
کے ساتھ اُس سے کہا "ہم سارا نظم و نسق تمھارے ہاتھ مین دیتے ہین۔ مگر کوئی دن
مقرر کرو جس روز تم کو خلعت وزارت کے ساتھ ایک لاکھ سالانہ کی جاگیر عطا
کی جائے۔" یہ سنتے ہی ابن داؤس گر کے زمین بوس ہوا۔ اور ہاتھ جوڑ کے عرض کیا
"حضور جس روز حکم دین غلام حاضر ہو" ست الملک بولی "اچھا مین خود ہی کوئی دن
مقرر کر کے تمھین بلواؤن گی۔" اب سارے قاہرہ مین مشہور ہو گیا کہ وزارت اور جملہ
اختیارات ابن داؤس کو ملنے والے ہین۔

دو ہی چار روز بعد ست الملک کا چوبدار ابن داؤس کی طلبی مین اُس کے
دروازے پر پہونچا اور وہ خوش خوش قصر خلافت مین حاضر ہوا۔ پہونچتے ہی وہ
ایک اندرونی کمرے مین بلوا لیا گیا۔ جہان تمام سرداران فوج بھی دست بستہ کھڑے
تھے۔ اب قصر کے تمام دروازے بند کروا کے مقفل کر دیے گئے۔ اور ایکا ایک
ست الملک کا ایک خاص ملازم شمشیر برہنہ ہاتھ مین لیے ہوئے نمودار ہوا جس نے
آتے ہی ابن داؤس کی طرف مخاطب ہو کے نہایت ہی برافروختگی کے ساتھ کہا
"تو ہی ہمارے امام الحاکم کا قاتل ہے" اور یہ کہہ کے ایک ہی وار مین اُس کا کام تمام
کر دیا۔ یہ تدبیر کچھ ایسی خوبی کے ساتھ بن پڑی کہ کسی کو بھی مخالفت کی جرأت
نہ ہوئی۔ اور سب ابن داؤس کے قتل کو خاموشی سے دیکھ کے رہ گئے۔

اگرچہ ابن داؤس کے ساتھ نہایت ہی بے رحمی اور سخت بدعہدی کی گئی مگر

ست الملک کے دل سے بغیر اُس کے قتل کیے اس کانٹے کی کھٹک نکل ہی نہ سکتی تھی کہ جس شخص نے لالچ و خود غرضی کے جوش میں اپنے ایک امام اور آقا کو بے وفائی کے ساتھ قتل کر ڈالا ممکن ہے کہ وہ ایسی ہی کسی سازش سے متاثر ہو کے دوسرے کو بھی قتل کر ڈالے۔ بہر تقدیر اس طریقہ سے ابن دوّاس کو قتل کرا کے ست الملک نے نابالغ خلیفہ کے نام سے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اور نہایت ہی مستعدی و بیدار مغزی کے ساتھ فرماں روائی کرنے لگی۔ رعایا اس سے پہلے ہی خوش تھی اُس کی طرفداری میں لوگ الحاکم کے دشمن ہو رہے تھے۔ اب جو اُس نے عدالت گستری اور رعایا نوازی کے جوہر دکھانا شروع کیے تو ہر ادنیٰ و اعلیٰ اُس کا کلمہ پڑھنے اور اس کا دم بھرنے لگا۔ وہ مظلوموں کی فریاد رسی کرتی۔ مقدمات کا با رو رعایت فیصلہ کرتی۔ اور اس کے ساتھ ہی خوش تدبیری سے اپنا ایسا رعب بٹھا لیا تھا کہ تمام سرکش اور فتنہ انگیز لوگ اُس کے نام سے کانپتے تھے۔ مجال نہ تھی کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اُس کے حکم کی تعمیل میں کوئی تساہل کرے۔

الظاہر کی عمر سترہ سال کی تھی۔ عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ اور دل پُرجوش جذبات سے بھرا ہوا تھا مگر اس نے کبھی کسی امر میں پھوپھی کے احکام سے سرتابی نہیں کی بلکہ وہ ہر امر میں پھوپھی کے حکموں پر چلتا۔ اور جانتا تھا کہ میری اور سارے ملک کی سلامتی اسی میں ہے کہ ست الملک کے انتظامات اور احکام میں دخل نہ دیا جائے مگر افسوس اُسے ست الملک کی خوش تدبیری اور خدا داد قابلیت سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ موقع نہیں ملا اس لیے کہ اس کی تخت نشینی کو چار ہی سال ہوئے تھے کہ ۴۱۵ھ میں ست الملک نے سفر آخرت کیا اور الظاہر کو نظر آیا کہ میں اپنے باپ الحاکم کے مرنے پر یتیم نہیں ہوا تھا بلکہ اب یتیم ہوا ہوں۔ در اصل ست الملک کے مرنے کی تاریخ تمام اہل مصر کے لیے بڑے رنج و الم کا دن تھی۔ جبکہ بادشاہ اور خلیفہ ہی کو نہیں بلکہ رعایا میں سے ہر ایک کو یہی نظر آتا تھا کہ ہم آج یتیم ہو گئے۔

خیالات و واقعات

ترکوں کا موجودہ تنزل عبرتناک ہے مگر اس سے زیادہ عبرتناک ان مسلمانوں کی حالت ہے جو کل تک ترکوں کی حمایت میں اپنے تئیں۔ [illegible]

اور گویا بھول گئے تھے کہ ہم ایک یورپین دولت اور مسیحی سلطنت کی رعایا ہین یا آج ڈیڑھ یا نوبل کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد وہ ہمدردی درکنار ترکون کی مخالفت پر تیار ہین۔ اور انھین طرح طرح کے الزام دے رہے ہین۔

کہا جاتا ہے کہ ترک خلاف شرع ہین۔ ڈاڑھیان منڈاتے ہین۔ مذہب سے بے پروا ہین۔ شرابین پیتے ہین۔ اور نصرانی معاشرت کے دلدادہ۔ مگر یہ سب باتین تو ان مین تب بھی تھین جب ہمارے یہ مقدس و محترم دوست اُن کی حمایت مین جان فدا کرنے کو تیار بیٹھے تھے اور اُن کی اعانت کو ملت اعانت دین بتاتے تھے۔

مقتدایان دین کے بعض حلقون سے یہ آواز بھی سُنی گئی کہ اصل ہمدردی ہمین عربون سے کرنی چاہیے جن کی عصبیت جملۂ شعائر اسلام ہے۔ یورپ والون کا معمول ہے کہ غیر مسیحی مردہ قومون کی قبرون پر چراغ جلاتے ہین اور زندہ قومون کی نسبت چاہتے ہین کہ دنیا سے فنا کر دین تاکہ اُن کی قبرون پر بھی چراغ جلانے کا موقع ملے۔ عرب قوم بہت اچھی تھی اس لیے فنا ہو چکی مگر ترکی باوجود اسی قدامت کے مٹا دینے کے قابل ہین۔ عرب بہت اچھے تھے اس لیے کہ اُن کی خلافت مٹ گئی مگر ترک بہت ہی بُرے ہین اس لیے کہ ابھی اُن مین سانس باقی ہے۔ ہمین اس کی شکایت نہین کہ انگریزی دان نوجوانون نے تو انگریزون کی صرف معاشرت اختیار کی ہے۔ لیکن ہمارے مقتداؤن نے اور تمام چیزون سے پرہیز کر کے نصارائے مغرب سے صرف یہی ایک سبق حاصل کیا ہے۔ خیر وہ دولت عثمانیہ کو مٹی دینے مین دل یورپ کے ساتھ شریک ہون مگر اپنا عمامہ سنبھالے رہین۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اسی قبر مین گر کے دفن ہو جائے۔

مگر سچ یہ ہے کہ ہندوستانی اولوالعزمی کی نسبت پرانی مثل چلی آتی ہے کہ لڑنے والون سے پیچھے اور بھاگنے والون سے آگے۔ اس کی پوری پوری تصدیق ہمین ان ہندوستانی ہمدردان اسلام کے طرز عمل سے ہو رہی ہے جن کا جوش و خروش لڑائی کے وقت تو ایسا تھا کہ معلوم ہوتا تھا ترکون مین بھی اتنی حمیت دینی نہ ہوگی

جتنی ان میں ہے۔ لیکن اب شکست کے وقت یہ سب سے پہلے بھاگ کے الگ جا کھڑے ہوئے۔ اور ایک ننگ نام ہاتھی کی طرح خود اپنی فوج کو پامال کر رہے ہیں۔

خیر عربوں ہی کی ہمدردی سہی۔ خدا توفیق دے۔ مگر پہلے عربوں سے یہ تو سیکھ لیجیے کہ ہمدردی کسے کہتے ہیں۔ عربوں کی وضع ہے کہ جس کا ساتھ دیا دیا۔ پھر مرتے دم تک اُسے نہیں چھوڑتے۔ جاہلیت میں بھی حلیف (ہم قسم) قبائل نسلاً بعد نسل دوستوں کی حمایت میں جانیں دیا کرتے تھے اور آج بھی عربوں کا معمول ہے کہ جس کے ہوئے زندگی بھر کے لیے اُسی کے ہو گئے۔ ایسا نہ ہو کہ جیسی پر جوش ہمدردی آپ نے ترکوں کے ساتھ کی ہے ویسی ہی عربوں کے ساتھ بھی کیجیے۔ وقت پڑے پر نکل بھاگیے۔ اور عرب کے بدوی غل مچا ہیں "ہندی بطّال!" "ہندی بطّال!"

خیر اہل عرب تو ایک پرانی شریف قوم ہیں ہمارے ہندوستانی شرفا کی بھی وضع یہ تھی کہ مظلوم و شکستہ حال کے ساتھ زیادہ ہمدردی کرتے اور ہمدردی کا وقت وہی سمجھا جاتا جب کسی پہ آ بنے اور وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو۔ ترکوں نے جان بوجھ کے اور بغیر مجبور و ناچار ہوئے اپنا ملک نہیں دیا۔ وہ بہادری سے لڑے قسمت سے جان پر کھیل کے مقابلہ کیا۔ فتح و شکست تقدیری معاملات ہیں۔ اُحد میں خود رسول خدا صلعم کو شکست ہو گئی تھی۔ ایسی حالت میں یہ کون سی شرافت ہے شکست کی خبر سنتے ہی کوئی صاحب ترکوں سے بدظن ہو جائیں۔

اگر یہ ہم مان بھی لیں کہ ترکوں میں انتظامی قابلیت نہیں تو موجودہ شکستوں اور ناکامیوں پر ترکوں کو الزام نہیں دے سکتے۔ بیرونی سازشوں نے کامل پاشا کے ہاتھ سے دولت عثمانیہ کا خاتمہ کرا دیا۔ سارے یورپ کے اتحاد نے اُن کو پنپنے نہ دیا ورگو انجمن اتحاد و ترقی والوں نے قومی بے عزتی سے تنگ آ کے اور جان پر کھیل کے وزارت کی بساط اُلٹ دی مگر اس کو کیا کرتے کہ سابقہ وزارت سلطنت کا کام تمام کر چکی تھی۔ اور علاج اُس وقت شروع ہوا جب مرض لاعلاج ہو چکا تھا۔

لیکن اب بھی اگر حرم کعبہ کی حفاظت اور تربت رسول صلعم کی حمایت منظور ہے تو ترکون ہی کی مدد کیجیے - اور انھین کو سپر بنائیے - دنیا بھر کے مسلمانون مین سے اگر کسی مین سنبھالنے کی کچھ طاقت ہے تو وہ ترک ہین - مگر مسلمانون سے آج تک عثمانی قرض کی رقم تو پوری ہی نہ ہوسکی آیندہ کیا کرین گے ؟

ہمارے دوست البشیر مسلم گزٹ اور الہلال سے ناراض ہین کہ وہ علیگڈھ کالج پر تند کرکے ایک قومی ڈھچر کو جو چل چکا ہے بگاڑ دیتے ہین - اور اب اس بات پر آمادہ ہوئے ہین کہ معترضین کو جواب دین - مگر جواب دینے سے اچھا ہوگا کہ وہ علیگڈھ کالج ہی کی اصلاح کرین - کالج کی حالت جہان تک ہمین معلوم ہوئی ہے نہایت ہی خراب ہے اور کالج کلاس کے لڑکون کی حالت رحم کے قابل ہے اور ان سے زیادہ اس قومی سرمایے کی حالت جو خودنمائی کا شوق رکھنے والون کے ہاتھ مین دے دیا گیا ہے - قوم مین کالج کی جو بے اعتباری ہوتی جاتی ہے وہ جواب دینے سے نہین دور ہوسکتی - اگر یہی لیل و نہار ہین تو بکرے کی مان کب تک خیر منائے گی ؟

ریویو

سیرت مصطفےٰ یہ ایک چھوٹی تقطیع اور ۱۵۲ صفحہ کا رسالہ ہے جس مین مولوی محمد اسمٰعیل خان صاحب نظامی مقیم "ترنگ لاہور" نے حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے حالات تحریر فرمائے ہین - ہمین پوری کتاب کے پڑھنے کا تو موقع نہین ملا لیکن فہرست اور جا بجا کے مضامین دیکھنے سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نظامی نے عام مولد خوانون کے مذاق کے خلاف فی الجملہ تحقیق اور احتیاط سے کام لیا ہے - بہرحال یہ کتاب اس قابل ہے کہ اردو دان مسلمان جناب مصنف سے منگوا کے اول سے آخر تک پڑھین اور اپنے پیغمبر علیہ التحیۃ والثنا کے حالات سے واقف ہو جائین - قیمت فی جلد ۸ر ہے -

خیالات عزیز یہ ۱۸ × ۲۲ پیمانہ کا ایک ۲۰۰ صفحہ کا رسالہ ہے جس مین منشی

دیانرائن صاحب نگم بی اے ایڈیٹر زمانہ نے مولوی محمد عزیز مرزا صاحب مرحوم کے ۲۷ محققانہ دلچسپ مضامین جمع کر دیے ہیں۔ اول میں مولوی عزیز مرزا صاحب کی تصویر ہے اور اس کے بعد نواب وقار الملک بہادر کا لکھا ہوا ۳۲ صفحہ کا دیباچہ ہے جس میں مولوی عزیز مرزا صاحب کے حالات زندگی ہیں۔ چھپائی اور کاغذ عمدہ ہیں۔ مولوی عزیز مرزا صاحب اور ان کی اعلیٰ قابلیت سے مسلمانان ہند بخوبی واقف ہیں۔ تقریب کی ضرورت نہیں۔ تاہم میں اتنا ضرور کہوں گا کہ مولوی عزیز مرزا صاحب کا لٹریچر اردو میں ایک بڑا پایہ رکھتا ہے جس سے ہر قسم کا علمی و ادبی فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے قیمت صرف عہ

خمخانۂ سرور یہ منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی کی نظموں کا مجموعہ ہے اول میں حضرت سرور کی تصویر۔ اس کے بعد ۱۴ صفحوں کی مختصر سوانح عمری ایڈیٹر صاحب زمانہ کانپور سے طلب کیا جائے قیمت ۱۲

دی تاج ہیر آئل انگلش ٹریڈنگ کمپنی بمبئی و دہلی کے منیجنگ پروپرائٹر مسٹر ایم آرز وہندوستان کے ان چند منتخب لوگوں میں ہیں جو صحیح معنوں میں "اپ ٹو ڈیٹ" کہے جا سکتے ہیں۔ آپ کا ادبی مذاق بہت ہی ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اس کے ساتھ ہی آپ کو صنعت و حرفت اور تجارت کے فنون میں خاص کمال حاصل ہے۔ اسی شوق میں آپ نے جاپان میں جا کے تعلیم پائی۔ اور مشرق کی ظلمت دور کرنے کے لیے اپنا چراغ مشرق ہی کے آفتاب سے روشن کیا۔ فی الحال ہمارے دوست نے اپنے جدید ایجاد کیے ہوئے "تاج آئل" (جو سر میں لگانے کے خوشبودار اعلیٰ ترین تیل ہیں) ریویو کی غرض سے ہمارے پاس بھیجے ہیں۔ یہ تین قسم کے تیل ہیں۔ اول **تاج آلو آئل** (روغن زیتون) ہے۔ دوسرا **تاج آلمنڈ آئل** (روغن بادام) ہے۔ تیسرا تاج آنولہ دکائن سیڈ (روغن آنولہ تخم کتان) ہے۔ اول کی قیمت فی شیشی عہ دوسرے کی فی شیشی عہ اور تیسرے کی فی شیشی ۱۲ ہے۔ شیشیوں میں تقریباً آدھ پاؤ تیل ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک تیل میں نفاست کے ساتھ مشرقی مذاق کے پھولوں کی خوشبو پیدا ہو گئی ہے جو نہایت مفرح شیریں اور مستقل ہے کئی دن تک قائم رہتی ہے ہمارے یہاں سب لوگوں نے اور نیز ہمارے اکثر مبصر اور نفیس مزاج احباب نے ان تیلوں کو بہت پسند کیا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ملک مسٹر آرز کی ایجاد کی پوری قدر کرے گا۔ اور ایسے وقت میں جبکہ ملکی تجارت کو ترقی دینے کا خیال لوگوں میں پیدا ہو چلا ہے ان تیلوں کی طرف عام پبلک جوش قدردانی سے توجہ کرے گی۔ درخواستیں منیجر انگلش ٹریڈنگ کمپنی موری دروازہ دہلی کے پتہ پر بھیجی جائیں

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

جلد ۱۵ ... نمبر ۵

مئی ۱۹۱۳ء عیسوی مطابق جوزا ۱۳۴۲ محمدی

ایڈیٹر

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

منیجر و پبلشر

خاکسار حکیم محمد سراج الحق عفا اللہ عنہ

جو

[د]لگداز پریس مین چھپ کے لکھنؤ محلہ کٹڑہ بزن بیگ خان

سے شائع ہوا

ابوالاسود دُؤلی

عربی نحو و صرف ساری دنیا مین پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے مگر یہ شاید کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ اس کے موجد اور بانی ابوالاسود دُؤلی تھے۔ ابوالاسود کنیت ہے جس سے وہ مشہور ہین اصلی نام ظالم بن عمرو بن سفیان اور سلسلۂ نسب گیارھوین پشت مین کنانہ مین نضر سے مل جاتا ہے جو حضرت سرور کائنات صلعم کے اجداد مین ہین۔ فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی نسل "قریش" کہلاتی ہے۔ اور یہ دُئل بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کی نسل سے ہین۔ اور اسی نسبت سے اُن کا قبیلہ دُؤلی کہلاتا تھا جو لوگ اگرچہ قریشی نہ تھے مگر یکجدی کے باعث قریش کے بھائی مانے جاتے تھے۔

علمائے سلف مین سے ابو عبیدہ نے غلطی سے دعوی کیا کہ ابوالاسود صحابۂ رسول اللہ صلعم مین شامل تھے اور غزوہ بدر مین شریک ہوئے تھے۔ مگر یہ قطعاً غلط ہے۔ دراصل وہ معزز اور اعلی درجہ کے تابعین (صحابہ کی زیارت کرنے والون) مین شمار کیے جاتے۔ اس مین شک نہین کہ وہ جناب رسول خدا صلعم کے عہد مبارک مین موجود ہون گے کیونکہ ہجرت سے سولہ برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔ اور آپ کی وفات کے وقت ستائیس برس کے ہون گے۔ لیکن مدینہ مین آکے آستان بوس نبوت ہونے کی عزت نہین حاصل ہونے پائی۔ مدینۂ طیبہ مین ابوالاسود حضرت عمر فاروق رضی کے زمانے مین آئے۔ اس وقت

برابر حضرت عمر کی خدمت مین اور پھر اُن کے بعد حضرت علیؓ کی صحبت بابرکت مین رہے چنانچہ ان دونون ائمہ اسلام سے انھون نے بکثرت روایت حدیث کی ہے اور بعض حدیثین حضرت ابن عباس سے بھی روایت کی ہین۔

ان کی لیاقت قابلیت اور نیک نفسی و اتقا کا اس قدر اثر خلفاے راشدین کے مبارک دلون پر تھا کہ حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی تینون نے ان کو بعض ملکون کا والی اور حاکم مقرر کیا۔

خود بیان کرتے ہین کہ جن دنون مین مدینہ طیبہ مین آیا ہون بیماری کی شدت تھی اور لوگ کثرت سے مر رہے تھے۔ اس حالت مین حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہو کر مین بیٹھا ہی تھا کہ اُدھر سے ایک جنازہ گزرا اور لوگ میت کی خوبیان بیان کرنے لگے حضرت عمر نے لوگون کی زبان سے اُس کی تعریف سُن کے کہا "وجبت" واجب ہو گئی پھر ایک دوسرا جنازہ گزرا جس کی شکایت لوگون کی زبان پر تھی اب بھی آپ نے لفظ "وجبت" زبان سے نکالا" مین نے عرض کیا، امیر المومنین کون چیز واجب ہو گئی۔ فرمایا "ایسے موقعون پر جیسا رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا ویسا ہی مین نے بھی کہہ دیا" پہلے کے لیے حضرت عمر کی مراد جنت کا واجب ہونا تھا اور دوسرے کے لیے دوزخ کا واجب ہونا۔ پھر ارشاد فرمایا "حضرت سرور کائنات نے ایک بار فرمایا "جس مسلمان کے لیے چار آدمی نیکی کی گواہی دین اللہ اسے جنت مین داخل کرے گا" ہم لوگون نے عرض کیا اور اگر تین آدمی نیکی کی گواہی دین فرمایا تین کی گواہی سے بھی وہ جنتی ہو گا۔ عرض کیا اور اگر دو ہی مسلمان اسے نیک اور اچھا بتائین فرمایا دو ہی سہی۔ پھر اس کے بعد ایک مسلمان کی گواہی کی نسبت ہم نے سوال نہین کیا۔

ابوالاسود نے حضرت عمر کی زبان فیض ترجمان سے خطبے بھی سنے تھے۔ چنانچہ کہتے ہین ایک جمعہ کو حضرت عمر نے خطبہ مین فرمایا حضرت رسول خدا صلعم کا ارشاد ہے قیامت تک میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ برسر حق اور منصور رہے گا۔

لیکن اس کے بعد حضرت علی کی صحبت فیض نے ابو الاسود کو عالم و فاضل اور اپنے عہد کا اکمل شخص بنا دیا۔ چنانچہ امام نحو جاحظ کہتا ہے ابو الاسود مسلمانون کے اعلی طبقہ مین شمار کیے جاتے تھے۔ اور تمام باتون مین اقران و معاصرین سے ممتاز

انفس تھے - وہ تابعی تھے - فقیہ تھے - محدث تھے - شاعر تھے - شہسوار تھے - معززین
[illegible] کے امیر اور دولت مند تھے - علم نحو مین - دانائی مین - حاضر جوابی مین - اور حضرت
علی کی طرفداری مین مشہور تھے - مگر ان صفات کے ساتھ اُن کے چند عیوب بھی لوگون مین
شہرت رکھتے تھے - ایک تو اُن کا بخل دوسرے اُن کے منھ سے بو کا آنا - اور
تیسرے اُن کا [illegible] لوگون مین ضرب المثل ہو گیا تھا

حضرت علی ہی کا فیض صحبت تھا [illegible] ابن عباس حضرت علی کی طرف
سے والی بصرہ مقرر ہو گئے تو ابو الاسود دؤلی اُن کے کاتب اور منشی تھے جو
منصب کہ اُن دنون نائب کے مرتبہ تھی - ابن عباس سے حکومت بصرہ مین بعض
[illegible] ابو الاسود چونکہ حضرت علی کے سچے خیرخواہ اور دیندار بزرگ تھے
[illegible] جناب علی مرتضیٰ کی خدمت مین ایک عریضہ بھیجا اور اس مین لکھا "خدا جل
[illegible] نے آپ کو امانت دار حاکم اور رعایا کا نگہبان بنایا ہے - ہم نے آپ کو خلیفہ بنا کے
[illegible] ڈالا اور آپ سچے عامل یار خلافت ثابت ہوئے - آپ رعایا کو اُن کے
[illegible] اصلاح دیتے ہین اُن کی دولت کو بڑھاتے اور اُن کے سرمایۂ دنیوی سے دنیا
[illegible] ہو گئے ہین - نہ اُن سے روپیہ لیتے ہین اور نہ رشوت لیتے ہین - مگر آپ کے چچازاد
بھائی بغیر آپ کے علم کے اپنی ذمہ داریون مین تصرف کرتے ہین - اور مجھ سے چھپاتے
[illegible] بنا - لہذا اس امر مین غور فرمایئے اور مجھے اپنی مرضی سے مطلع کیجیے" اس کے
جواب مین حضرت علی نے تحریر فرمایا "تم سا شخص حاکم اور رعایا دونون کے حق مین
خیرخواہ اور حق پرست ہے - مین نے ابن عباس کو اس بارہ مین لکھا ہے - مگر تمھاری
تحریر سے انھین مطلع نہین کیا - آیندہ اصلاح امت کے بارے مین جو کچھ واقعات
پیش آئین اُن سے مجھے ضرور مطلع کرتے رہو - اس لیے کہ یہ تمھارا فرض ہے - اس کے
ساتھ ہی آپ نے ابن عباس کو تنبیہ کیا - ابن عباس نے جواب مین لکھا کہ "آپ کو جو
اطلاع ملی ہے غلط ہے - اور مین آپ کے زیر فرمان رعایا کی پوری حفاظت کرتا
ہون - لہذا بدگمانون کے قول کا اعتبار نہ کیجیے" اس کے جواب مین حضرت علی نے
تحریر فرمایا "اچھا تو مجھے بتاؤ کہ تم نے کس قدر جزیہ وصول کیا اور کن کن لوگون سے
وصول کیا اور تم نے کن ابواب مین صرف کیا ہے" اس تحریر سے ابن عباس

ناراض ہوئے اور لکھا "خیر مجھے معلوم ہوا کہ آپ کو میری نسبت جو خبر پہونچی ہے [illegible]
آپ نے اہم خیال فرمایا اچھا تو اب آپ جسے چاہیں والی [illegible] مین جاتا ہوں" یہ کہکر
بہت سی رقم جو اُن کے قبضہ مین تھی اُسے اپنا مال بتا کے ساتھ لیا۔ اور چل کھڑے
ہوے۔ اہل بصرہ ابوالاسود کے ہمراہ چلے کہ اس مال کو اُن سے زبردستی چھین لائین مگر
بنی ہلال جن مین ابن عباس کا ننھال تھا اُن کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوے۔ اور
قریب تھا کہ ہنگامہ ہو جائے۔ آخر بنی ہلال نے ابوالاسود سے کہا "اس جھگڑے کو
زیادہ نہ بڑھاؤ۔ اگر لڑائی ہو گئی تو پھر قیامت تک دشمنی قائم رہے گی۔ تم [illegible]
امیرالمومنین جانین اور ابن عباس جانین۔ وہ خود ہی اپنے ابن عم سے سمجھ لین گے"
یہ رنگ دیکھ کے ابوالاسود واپس آئے۔ اور ساری سرگذشت حضرت علی کی خدمت
مین لکھ بھیجی اور آپ نے ابن عباس کی جگہ ابوالاسود ہی کو والی بصرہ مقرر کر دیا۔

حضرت علی نے جب ابوالاسود کو والی بصرہ مقرر فرمایا تو [illegible]
غالباً یہی خدمت مراد ہے جس پر پہلے ابوالاسود مقرر تھے زیاد کو مقرر فرمایا [illegible]
جس طرح ابوالاسود نے ابن عباس کی شکایتیں [illegible] لکھی تھیں اُسی طرح
زیاد ابوالاسود کی بے قاعدگیوں کی شکایتیں لکھ لکھ کے بھیجنے لگا۔ مگر حضرت علی کے
نزدیک زیاد کی اتنی وقعت نہ تھی کہ ابوالاسود کے خلاف اُس کی کسی بات کو اعتبار [illegible]
بہر تقدیر زیاد اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اور اُنھون نے اُس کے طرز عمل [illegible]
اُس کی مذمت مین چند اشعار کہہ دیے جو آج تک مشہور رہے ہیں۔

اس مین شک نہیں کہ ابوالاسود مین نہایت راستبازی تھی اور انصاف کے
وقت کسی کی دوستی یا قرابت کا اُن پر بہت کم اثر پڑتا تھا۔ مالک بن [illegible] نام
ایک تمیمی الاصل شخص سے اُن سے بڑی دوستی تھی۔ اُس سے اور اُس کے چچازاد
بھائی سے ایک مکان کے بارے مین جھگڑا ہوا۔ اور مقدمہ ابوالاسود کے
پیش ہوا۔ مالک کے حریف کو اندیشہ تھا کہ [illegible] دوستی کی وجہ سے ابوالاسود [illegible]
موافق فیصلہ کر دین۔ چنانچہ اُس نے سر اجلاس کہہ بھی دیا کہ مالک آپ [illegible]
ایسا نہ ہو آپ اُس کی رعایت کر جائین" ابوالاسود نے اس کا کچھ جواب [illegible]
اور مقدمے کی کارروائی شروع کر دی۔ اور جب ثابت ہو گیا [illegible]

زیادتی ہے تو [illegible] کے خلاف [illegible] کر دیا۔ مالک نے بگڑ کے اور جھنجھلا کے کہا "آپ نے
[illegible] حق میں [illegible] کی۔ اور آپ کی دوستی کا [illegible] ثمرہ ہے"۔ اس وقت تو ابوالاسود
[illegible] دیا۔ [illegible] اشعار میں بہت ہی [illegible] جواب دے گئے

[illegible] ہے۔

[illegible] ایک ہی سال [illegible] کہ حضرت علی ابن [illegible]
شہید [illegible] ابوالاسود بیچے
[illegible] کلام [illegible] کرکے ایک
[illegible] حضرت علی کی شہادت کے [illegible] الفاظ میں [illegible] کیا آیا ہے
[illegible] دارو
[illegible] خیال [illegible] وقت [illegible] کہاں [illegible] کیا
حضرت امیر [illegible] الہی [illegible] کی
[illegible] روشن
[illegible] انا الیہ راجعون [illegible] امیر المومنین کی وفات [illegible] ہو گیا
ہے اس کا [illegible] خدا ہی [illegible] جس دن جبکہ
آپ پیدا ہوئے اور اس دن [illegible] اور [illegible] جبکہ آپ پھر
[illegible] ہوا [illegible]
روئے۔ پھر [illegible] کے بارے میں آپ نے اپنے
فرزند اور [illegible] رسول [illegible] حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی ہے
جو [illegible] برکت سے [illegible]
[illegible] اور
[illegible] لہذا [illegible] حضرت امام [illegible]
[illegible] شیعیان [illegible] گروہ
[illegible] خیال [illegible] بعد
[illegible] حضرت امام حسن [illegible] حضرت امام حسن کی
بیعت [illegible] تک

بھاگ کے دربار شام میں پہونچے۔ اُن لوگوں کی حالت پر ابوالاسود نے چند پُر اثر
اشعار کہے۔ اور خاموش ہو رہے۔

دوسرے سال جب حضرت امام حسنؓ خلافت سے دست بردار ہو گئے تو معویہؓ نے بسر بن ارطاۃ کو والی بصرہ مقرر کیا۔ اور سال بھر کے اندر ہی بسر کی جگہ عبداللہ بن عامر مستقل طور پر حاکم بصرہ قرار پائے۔ ابوالاسود کو اب حکومت سے تو کوئی سروکار نہ تھا مگر بصرے ہی میں رہتے تھے۔ اس لیے کہ یہی وہاں کا وطن تھا۔ جب ابن عامر پہلے پہل جب والی مقرر ہو کے آئے ہیں اُن کی بہت عزت اور بڑی قدر و منزلت تھی لیکن چند روز بعد جب دیکھا کہ وہ حضرت علی کی محبت اور طرفداری میں نہایت سخت ہیں تو خلاف ہو گئے اور اُنھیں مختلف طریقوں سے ستانے لگے۔ مگر ابن عامر کو حکومت کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ چار ہی سال رہنے پائے تھے کہ زیاد کو معاویہ نے اپنے نسب میں ملا کے اپنا بھائی اور موروثی حقدار بنا لیا جو بڑے زور و شور سے ولایت بصرہ کی مسند لے کے آیا۔ اور عنان حکومت عراق اپنے ہاتھ میں لی۔

زیاد ابوالاسود کی ماتحتی میں کام کر چکا تھا۔ اور اگرچہ اُس نے حضرت علیؓ کی خدمت میں اُن کی شکایتیں کی تھیں مگر مردم شناس تھا اور اُن کی قدر جانتا تھا تاہم یہ طرز عمل تھا کہ ابوالاسود اکثر اپنی اغراض لے کے اُس کے پاس جاتے تو کبھی وہ سن لیتا۔ اور کبھی ٹال جاتا۔ گو کہ اس برتاؤ سے ابوالاسود کو تکلیف ہوتی تھی مگر زمانے کا رنگ دیکھ کے حتی الامکان زیاد کے مزاج شناس بنے اور اُس کی استمالت کی کوشش کرتے تھے۔ اور ایسی ہی ضرورت تھی اس لیے کہ اب وہ معاویہؓ کا پُر جوش حامی تھا اور یہ مخصوص و پُر جوش شیعیان علی میں تھے۔

لیکن حضرت امام حسن کے خلافت سے دست بردار ہوتے ہی وہ بھی سرکاری خدمت اور حکومت سے دست بردار ہو گئے۔ زیاد سے ملاقات تھی ضرور جناب معویہ سے بے تکلفی تھی اور اکثر اُن سے ملتے جلتے رہتے تھے مگر صرف اس خیال سے کہ اُن کی نوکری کرنے سے یعنی اُن کی طرفداری کے بعد کبھی کسی عہدے کی ... حارث بن خلید نام ایک شخص سے اُن سے بڑی دوستی تھی۔ آخر ... اور ایک دوسرے کو اپنے اشعار سنا کے داد طلب ہوتے۔ ایک

[illegible] آپ ملازمت کے لیے کیوں نہیں پیروی کرتے کہ خدا برکت دے۔ اور زندگی [illegible] فارغ البالی میں بسر ہو۔ انھوں نے کہا "مجھے خدا نے قناعت و عزت کی دولت سے مالا مال اور دولت مندی کی ہوس سے بے پروا کر دیا ہے" حارث [illegible] ہم [illegible] باتیں [illegible] اصلی بات کیوں نہیں [illegible] کہ صرف حضرت علی کی [illegible] کی وجہ سے تم [illegible] اور تمھارے دل میں موجود [illegible] عاملوں [illegible] دل میں سخت کلامی کی نوبت پہنچ گئی [illegible] مغلوب الغضب [illegible] مزاج کا تیز تھا انھیں سخت سست [illegible] اور مدتوں کی دوستی [illegible] منقطع ہو گئی۔ مگر دو ہی چار روز بعد حارث کو اپنی [illegible] ہوئی۔ اور اپنے [illegible] کو بھیج [illegible] عذر [illegible] ابو الاسود [illegible] اس واقعہ کو انھوں نے اپنی ایک نظم میں بیان کیا ہے۔

[illegible] انھیں [illegible] کہ اس کے خلاف کسی کی [illegible] اس [illegible] تک اس وضع میں [illegible] نہیں [illegible] پایا تھا [illegible] کہ شہر کی سڑکوں پر ہوا کھاتے [illegible] زمانے کے [illegible] یہ حال دیکھ کے ایک شخص [illegible] طاقت نہیں [illegible] روز روز سڑکوں کی [illegible] گھر میں [illegible] آرام [illegible] نصیب ہو سکتا ہے [illegible] فرحت ہوتی [illegible] احباب سے [illegible] معلوم ہوتے رہتے ہیں [illegible] ہو جائیں [illegible] آگے کچھ پروا نہیں [illegible]

[illegible] جانے پھر [illegible] اور [illegible] احباب سے ملنے۔ راستے میں ایک ایسا مکان پڑتا جس میں

قبیلہ بنی تیم کے اکثر نوجوانوں کی صحبت رہا کرتی۔ اُن میں ایک بہت فحش بکنے والا
مسخرہ تھا جس نے ابوالاسود کی صورت دیکھ کے ایک قہقہہ لگایا اور کہا "ذرا آپ کی
صورت دیکھیے گا۔ معلوم ہوتا ہے کسی بڑھیا کو اُس کے میاں نے طلاق دے دی
اور وہ منہ تھرتھرا کے چلی جاتی ہے۔" اس پھبتی پر اوروں نے بھی قہقہہ لگایا مگر
ابوالاسود کچھ نہ بولے۔ خاموش اپنے گھر چلے آئے۔ دوسرے دن ان کی صورت
دیکھ کے وہ بولا "آپ کی گدی کی جھریاں دیکھیے گا۔ معلوم ہوتا ہے اعضائے تناسل
کی تلچھٹ ہیں۔" آج یہ کلمہ سن کے ابوالاسود کو غصہ ہو گیا۔ اور کہا "تعجب ہے
تمہاری ماں کے عقد و … کی … بھی تو ہے … تم نے نہیں پہچانا۔" یہ سن کے
وہ شخص تو سہم گیا۔ اور سب لوگ اس صحبت کے شریک تھے سب نے ہاتھ جوڑ کے معافی
مانگی۔ تب یہ اپنے گھر آئے۔ اور پھر کبھی کسی کو ایسا کلمہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

اسی زمانے میں انھیں اکثر جناب معاویہ سے ملنے کا بھی اتفاق ہوتا تھا۔ یہ
ملاقات اگرچہ ایک شہنشاہ اور کسی معمولی رعیت کا ملنا تھا لیکن اس میں وہ کبھی کسی قسم کا
دباؤ نہیں مانتے تھے۔ یہ اپنی آزادیوں سے باز نہ آتے اور معاویہ کا حلم چونکہ دنیا بھر
میں مشہور تھا اس لیے باوجود ہر طرح کے اختلافات کے خوش ہو رہتے۔

ایک دن معاویہ سے باتیں کر رہے تھے کہ ابوالاسود کے اخراج ریاح ہو گیا اور ایک
آواز صادر ہوگئی۔ معاویہ سے کہا "اس کا کسی سے تذکرہ نہ کیجیے گا ورنہ لوگ بدنام
کریں گے۔" معاویہ نے اسی دن ان کے آتے ہی عمرو بن عاص سے بیان کر دیا۔
انھوں نے دوسرے دن صورت دیکھتے ہی کہا "ابوالاسود تمہاری اُس باد مخالف
کا کیا واقعہ ہے بتاؤ؟" بوڑھا شخص تھا … بیٹھے بیٹھے ڈھیلے پڑ گئے ہیں ضبط نہ کر سکا اور
ہمارے زمانے میں پھیل گئی" (یہ معاویہ پر تعریض تھی) اس کے بعد ابوالاسود نے
جیسے ہی معاویہ کی صورت دیکھی کہا "جب آپ سے ایک باد مخالف کا بھی ضبط نہ ہو
تو مسلمانوں کے حقوق کی امانت داری کیا خاک ہو سکے گی؟ اور آپ ہرگز اس
قابل نہیں کہ خلافت کی ذمہ داریاں آپ کے ہاتھ میں دے دی جائیں۔"

ابوالاسود کے منہ سے نکل گئی تھی۔ ایک دن معاویہ کے سر کے پاس منہ لگا کے
کوئی راز کی بات کہہ رہے تھے کہ لوگوں کو شبہ سے بچنے کے لیے معاویہ نے آستین کا

دکھا دی۔ یہ دیکھتے ہی ابوالاسود نے اپنے ہاتھ سے زبردستی اُن کا ہاتھ ناک پر سے ہٹا دیا اور کہا "جب تک آپ گندہ دہن بوڑھوں کی باتیں تحمل کے ساتھ سُن سکیں گے خدا کی قسم آپ امارت اور سرداری کے قابل نہیں ہو سکتے"

ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ سے باوجود مخالفت کے اُن سے بےتکلفی بھی اور وہ ایسے بےباک تھے کہ جو کچھ دل میں آتا کہہ گزرتے تھے جس کا ایک نمونہ یہ بھی ہے چونکہ غالباً اُن کی بدصورتی پر اشارہ کرکے معاویہ نے کہا "ابوالاسود تم بڑے خوبصورت آدمی ہو ایسا نہ ہو کسی کی نظر لگ جائے۔ اس لیے کوئی تعویذ پہن لیا کرو" اس کا جواب انھوں نے اشعار میں دیا جن کا ماحصل یہ ہے کہ جب شباب جا رہا اب کیا چیز رہ گئی ہے جس کو نظر لگے گی؟"

زیاد کی حکومت عراق کے زمانہ میں غالباً اُس کے مجبور کرنے سے ابوالاسود اُس کے بیٹوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ زمانہ کا رنگ ہے کہ ابوالاسود کا ایسا حضرت علی کا جاں نثار اور شیدائی جو عراق کی حکومت کر چکا ہو اُسی علاقہ میں زیاد کے بیٹوں کو تعلیم دے۔ اور اُس کا شاگرد ابن زیاد اُستاد کی تعلیم سے ایسا بے بہرہ ہو کہ حضرت علی کے فرزند [illegible] اور ہمارے خاندانِ نبوت کے خون سے ہاتھ رنگے!

لیکن اسی زمانے میں ابوالاسود نے دو ایسے کام کیے جو قیامت تک یادگار رہیں گے اور جن سے بڑا کوئی احسان اسلام اور مسلمانوں پر نہیں ہو سکتا۔ ایک تو یہ کہ قرآن مجید میں اعراب لگائے۔ اور دوسرے یہ کہ عربی کے علم نحو و صرف کو مدوّن کیا۔ اُن کے ان دونوں کاموں کی اصل کیفیت ہم جدا جدا بیان کرتے ہیں۔

صحابہ کے زمانے میں عربی رسم خط جس میں قرآن مجید لکھا گیا بہت ہی ناقص اور بالکل ابتدائی درجے میں تھا۔ اُس وقت کا لکھا ہوا کوئی قرآن ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کے عہد کا لکھا ہوا ایک نسخۂ قرآن قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ مگر ہم نے اُس کے کسی صفحہ کا فوٹو بھی نہیں دیکھا کہ اُس وقت کے رسم خط کا اندازہ کر سکیں۔ لیکن حضرت سرورِ کائنات علیہ السلام کے دو ایک خطوں کے فوٹو ہم نے دیکھے ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُس زمانے میں خط عرب کی کیا شان تھی۔ اُس وقت تک حرفوں پر نہ نقطے تھے اور نہ زیر زبر لگائے جاتے تھے۔ محض

اشارات تھے جن کو وہی شخص پڑھ سکتا تھا جو زبان عرب سے واقف اور پڑھنے میں نہایت مشاق ہو۔ جب اسلام غیر اقوام میں پھیلا اور عجمی مسلمان ہو کے تلاوت قرآن میں مشغول ہوئے تو طرح طرح کی غلطیاں کرنے لگے۔

یہاں تک نوبت پہونچی کہ ابو الاسود نے ایک دن ایک قاری قرآن کو سنا۔ آیۂ کریمہ "ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ" میں بجائے "رسولہ" کے "رسولہ" پڑھ رہا ہے۔ اس آیت کا مطلب تو یہ تھا کہ "اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں" مگر اس حرکت کی غلطی سے معنی یہ ہو گئے کہ "اللہ مشرکین اور اپنے رسول سے بری ہے" یہ سنتے ہی ابو الاسود کانپ گئے۔ اس سے پہلے زیاد نے ایک بار آپ سے کہا تھا کہ رسم خط قرآن میں کوئی ایسی اصلاح کیجیے کہ لوگ آسانی سے پڑھ سکیں۔ مگر انھوں نے پسند نہیں کیا تھا کہ عہد صحابہ کی سی چیز میں رد و بدل کیا جائے۔ اب جب یہ واقعہ دیکھا تو فوراً زیاد کے پاس دوڑے گئے اور کہا "آپ نے پیشتر قرآن کے رسم خط میں اصلاح کرنے کی خواہش کی تھی اور میں نے انکار کیا تھا۔ مگر اب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وقت آ گیا اور اب اس میں دیر لگانا مناسب نہیں۔ مجھے کوئی اچھا کاتب دیجیے کہ پورا کر دوں۔" ابن زیاد نے پہلے ایک کاتب دیا جسے انھوں نے پسند نہیں کیا پھر اپنی پسند کا دوسرا لیا اور گھر میں لا کے اسے ہدایت کی کہ قرآن پڑھتے وقت جس حرف کے ادا کرنے میں میں اپنا منھ کھولوں اس کے اوپر ایک نقطہ لگا دیا کرو اور جس حرف کو منھ کو گول کر کے اور سمیٹ کے ادا کروں اس کے سامنے ایک نقطہ لگا دیا کرو اور اگر اس کے ادا کرنے میں آواز کا رخ نیچے کی طرف ہو تو اس کے نیچے ایک نقطہ لگا دیا کرو۔ یہی تینوں نقطے عربی کے پہلے زبر پیش اور زیر تھے۔ تنوین کی صورت ابتدا لکیروں کی بجائے نقطوں کی سی تھی اور پیش کا نقطہ بجائے اوپر کے حرف کے سامنے لگایا گیا تھا۔

اب چونکہ اصلاح خط کی بدعت جائز کر لی گئی تھی اس لیے بعد والوں کی جرأتیں بڑھیں۔ چنانچہ ابو الاسود کے بعد میمون بن اقرن نے رسم خط قرآن میں ترقی کی۔ پھر عنبسہ بن معدان فہری نے اس پر اور اضافہ کیا۔ اس کے بعد عبد اللہ بن ابی اسحٰق حضرمی اور ابو عمرو بن علاء نے اور ترقیاں کیں۔ ان سب کے بعد خلیل بن احمد ازدی المتوفی سنہ ۱۷۰ھ کا زمانہ آیا جس نے اس پرانے خط عربی کو بہت زیادہ مکمل اور آسان کر کے خط کوفی کو ایجاد کیا۔ اس قدر مقصد ہوا کہ ...

اسلام میں رواج پا گیا۔ اور سنہ ۱۷۰ھ کے بعد کے لکھے ہوئے قرآن مجید اسی خط کوفی میں ہیں۔ لیکن یہ جو عوام میں مشہور رہا ہے کہ حضرت علی خط کوفی میں تحریر فرمایا کرتے تھے بالکل لغو اور بے اصل ہے۔ آپ کے زمانے تک خط کوفی ایجاد بھی نہیں ہوا تھا۔ خلیل کے وقت سے سارا اسلامی لٹریچر اور سلطنت کے دفتروں کا خط یہی خط کوفی تھا۔ اس کے ڈیڑھ سو برس بعد ابن مقلہ کاتب المتوفی سنہ ۳۲۸ھ کا زمانہ آیا جس نے خط کوفی کو بدل کے موجودہ خط نسخ کو رواج دیا۔ اور اس کے ایک سو برس بعد ابن بواب کاتب المتوفی سنہ ۴۲۳ھ نے خط نسخ کو اعلیٰ کمال پر پہونچا دیا۔ اور اسی وضع پر آج تک چلا جاتا ہے۔ بہر تقدیر اس خط میں اعراب لگانے کا آغاز ابوالاسود دؤلی ہی سے ہوا تھا۔ یہ نہیں معلوم کہ دو زبر، دو زیر، دو پیش اور تشدید کے علامات بھی ابوالاسود ہی نے قائم کیے تھے یا بعد والے کاملان فن نے انھیں ایجاد کیا۔

نحو وصرف یعنی قواعد زبان عرب کے منضبط کرنے کا خیال ابوالاسود کو اس سے پیشتر اور حضرت علی کی زندگی ہی میں آیا تھا۔ مگر اس خیال کا ظہور زیاد ہی کے زمانے میں ہوا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ ایک دن گھر میں آئے تو بیٹی نے کہا "یا ابۃ ما اشدُّ الحرِّ" بولے فلاں مہینہ میں سخت گرمی ہوتی ہے۔ اس نے کہا اباجان میں یہ پوچھتی نہیں کہ کب سخت گرمی ہوتی ہے بلکہ تعجب سے کہتی ہوں کہ کیسی سخت گرمی ہے۔ اس موقع پر ایسے "ما اشدَّ الحرَّ" کہنا چاہیے تھا۔ دال کو زبر اور رے کو زیر دے دینے سے وہی مطلب ہو گیا جو ابوالاسود سمجھے تھے۔ بیٹی کی اس غلطی سے ایسے پریشان ہوئے کہ سیدھے حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا "یا امیر المومنین عجمیوں کے خلط ملط سے زبان عرب بگڑی جاتی ہے چند روز یہی حالت رہی تو ہماری زبان تشریف لے جائے گی۔" حضرت علی نے اس خیال کے آنے کا باعث پوچھا تو اپنی بیٹی کا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے کہا "اچھا تھوڑا کاغذ لے آؤ۔" ابوالاسود ایک درہم کا کاغذ خرید کے حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا لکھو۔ اور نحو کا یہ پہلا قاعدہ بتایا کہ "سارا کلام اس سے خالی نہیں کہ یا تو اسم ہوگا یا فعل یا حرف" اس کے سوا اور کسی قاعدہ کا بتانا حضرت علی سے مروی نہیں ہے۔ لیکن ابوالاسود کو اقرار ہے کہ اصول نحو اور ضروری اہمات قواعد

مجھے حضرت علی نے بتائے تھے۔

اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ علاقہ زندخان کا ایک عجمی نژاد شخص سعد اپنے اہل و عیال کے ساتھ بصرے میں آ کے ابو سعید انصاری کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ ایک دن اتفاقاً راستہ میں ابن ابوالاسود کو اس حال میں ملا کہ گھوڑے کی لگام ہاتھ میں پکڑے ہوئے پیدل جاتا تھا۔ ابوالاسود نے پوچھا "سعد، گھوڑے پر سوار کیوں نہیں ہوتے؟" سعد نے کہا "جی میرا گھوڑا ضائع ہے" کہنا چاہیے تھا "ضالع ہے" (شرمندہ یعنی لنگڑا)، مگر اس کی جگہ "ضائع" کہہ دیا۔ یہ سن کے آس پاس کے جو لوگ موجود تھے ہنس پڑے۔ ابوالاسود ہنسے نہیں بلکہ ان غریبوں کی حالت پر ترس کھا کے کہا "یہ لوگ مسلمان ہو کے ہمارے بھائی بن گئے ہیں، ہمارا فرض ہے کہ انھیں زبان عرب کی تعلیم دیں۔" اور شاید اسی موقع پر ابوالاسود خود ہی زیاد کے پاس دوڑے گئے اور کہا "عجمیوں کے اختلاط سے زبان عرب غارت ہوئی جاتی ہے، آپ کہیں تو میں اس بارے میں ایک علم مدون کر دوں جس کی تعلیم سے بآسانی صحیح زبان آ سکے گی۔" مگر زیاد نے اس وقت ان کی اس درخواست کی قدر نہیں کی۔ چند روز بعد زیاد کے سامنے آ کے ایک شخص نے کہا "مات ابانا وخلف بنون"ع حالانکہ کہنا یہ چاہیے تھا کہ "مات ابونا وخلف بنین"۔ سنتے ہی زیاد نے اس جملہ کو دوبارہ اپنی زبان سے ادا کیا اور آدمی کو حکم دیا کہ اسی وقت ابوالاسود کو بلا لاؤ۔ اور جیسے ہی ابوالاسود سامنے آئے کہا "میں نے آپ کو علم زبان کی تدوین سے روکا تھا، اب کہتا ہوں کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس فن کو مدون کیجیے۔" چنانچہ ابوالاسود فوراً قواعد زبان کی تدوین میں مصروف ہو گئے اور اس فن کا نام "نحو" رکھا جس کے معنی مثل کے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ جو قاعدے حضرت علی نے بتائے تھے ان کے مثل قواعد۔ ابن الندیم کی کتاب الفہرس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ابوالاسود نے زیاد کے پاس جا کے اس قسم کی تصنیف کا شوق نہیں ظاہر کیا وہ تو ان چند قاعدوں کو جو حضرت علی سے حاصل ہوئے تھے جواہرات کی طرح چھپایا کرتے تھے۔ زیاد ہی ان سے بار بار اصرار کرتا تھا کہ اس ضروری علم کو مدون کر دیجیے۔ ابتداءً تو وہ انکار کرتے رہے جب دیکھا کہ اب خوشی داخل معصیت ہے تو زیاد کے پاس گئے اور کہا اب میں

ع ہمارے والد مر گئے اور کئی بیٹے چھوڑ گئے۔

کے ارشاد پر عمل کرنے کے لیے تیار رہوں۔

کتاب الفہرست میں بعض روایات سے نصر بن عاصم لیثی اور عبدالرحمن بن ہرمز بتائے گئے ہیں ممکن ہے کہ ان لوگوں نے فن کی تدوین میں کوشش کی ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ وضع اور ایجاد کا تاج ابو الاسود دوئلی ہی کے سر پر ہے جس کے ثبوت میں علامہ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحٰق کہتے تھے کہ بغداد کی نئی آبادی میں جو مدینۂ حدیثہ کے نام سے مشہور تھی محمد بن حسین نام ایک شخص رہتا تھا جو ابن ابی البعرہ کے لقب سے مشہور تھا اسے کتب خانہ جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اور پرانی کتابیں اور تحریریں جتنی اس کے پاس تھیں میں نے کہیں نہیں دیکھیں۔ اسی خزانے کے دیکھنے کے شوق میں میں نے اس سے دوستی پیدا کی۔ اور جب مجھ پر اسے اطمینان ہوگیا تو اس نے مجھے اپنے کتب خانہ میں لے جا کے کھڑا کر دیا۔ اور ایک بڑا [illegible] میرے سامنے کھولا جس میں تین رطل (تین من) [illegible] لکھی ہوئی تحریریں تھیں۔ مصری کاغذ۔ خراسانی چینی اور تہامہ کے چمڑے اور پتھر تھے۔ یہ وہ سب چیزیں ہیں جن پر [illegible] لکھا جاتا تھا۔ جن پر عرب کے قدیم خط میں قصائد اور متفرق اشعار اور قواعد نحو لکھے ہوئے تھے۔ یہ شخص شیعہ تھا اور اس کا بیان تھا کہ کوفہ کے ایک شیعہ نے بڑے اہتمام سے یہ علمی ذخیرہ جمع کیا تھا مرتے وقت اپنا سارا ذخیرہ اس شخص کو دے دیا۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ میں نے ان تحریروں کو [illegible] دیکھا تو مبہوت رہ گیا۔ اگرچہ یہ سب سامان بوسیدہ ہو گیا تھا مگر ایک ایک چیز [illegible] ہر چیز کے نیچے بعد کے علمائے سلف کی تصدیق تھی کہ یہ فلاں شخص کی تحریر ہے۔ اسی خزانے میں مجھے حضرت علی کے دوست خالد بن ابی الہیاج کا لکھا ہوا قرآن مجید نظر آیا۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کے ہاتھ کی تحریریں تھیں۔ حضرت علی اور دیگر کاتبان رسول اللہ صلعم کے لکھے ہوئے معاہدے اور دستاویز تھے۔ ابو عمرو بن علاء اور ابو عمرو شیبانی اور اصمعی۔ اور ابن الاعرابی۔ اور سیبویہ۔ اور فراء۔ اور کسائی کی تحریریں نحو و حدیث اور فقہ کے فن میں تھیں۔ محدثین میں سے سفیان ابن عیینہ و سفیان ثوری۔ اوزاعی وغیرہ کے ہاتھ کی تحریریں تھیں۔ اسی کتب خانے میں مجھے ابو الاسود کے بانی نحو ہونے کا ثبوت

بھی مل گیا چینی پتّوں کے چار ورق نظر پڑے جن پر لکھا تھا "بحث فاعل و مفعول ماز ابو الاسود دوئلی" اور یہ تحریر یحیی بن یعمر کے ہاتھ کی تھی جو ابو الاسود کے شاگرد تھے۔ اس تحریر میں نیچے پرانے خط میں علان نحوی اور نضر بن شمیل کے دستخط تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہین کہ اس شخص کے مرنے کے بعد یہ کتب خانہ تلف ہو گیا اور مین نے ہزار جستجو کی سوا اس کلام اللہ کے جو اس مین تھا اور کسی چیز کا پتہ نہ لگا۔

الغرض یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ نحو عربی کے پہلے موجد ابو الاسود دوئلی تھے جنھون نے اس فن کو حضرت علی سے حاصل کیا۔

باقی آیندہ

قدیم الایام کی ایک فلک زدہ شاہزادی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت مین جب سعد بن ابی وقاص نے آل ساسان کے زبردست لشکر کو شکست دے کے دولت کسریٰ کو پامال کر دیا اور قادسیہ کی آبادی مین داخل ہوے تو حرقہ بنت نعمان بن منذر ان سے ملنے اور ان کے آگے سر نیاز جھکانے کے لیے حاضر ہوئی۔ ہم اپنے ناظرین کو کئی دفعہ بتا چکے ہین کہ نعمان بن منذر کا خاندان حیرہ اور عراق عرب کے عربی صوبے پر حاکم و متصرف تھا۔ دولت ساسانی اس خاندان کے پرانے حقوق خدمت کے لحاظ سے خسروان فارس ان عمال حیرہ کے حال پر نہایت ہی مہربان تھے۔ اور انھین پورے پورے شاہی اقتدار اور اختیار دے رکھے تھے۔ یہ شاہزادی اسی خاندان کے پچھلے تاجدار النعمان بن منذر کی بیٹی تھی جس کی دوسری جگہ ہمارے ناول ایام عرب کی ایک ہیروئن ہے۔

یہ شاہزادی اپنی دو سہیلیون کے ساتھ سعد بن ابی وقاص کے سامنے آ کے کھڑی ہو گئی چونکہ تینون کا لباس ان کی وضعین صورتین عمرین اور چال ڈھال ایک ہی قطع کی تھی سعد نے نہین پہچانا اور پوچھا "تم مین سے کون نعمان کی بیٹی ہے؟" حرقہ نے آگے بڑھ کے کہا "مین ہون" سعد نے تعجب کے لہجہ مین کہا "تم ہی نعمان کی بیٹی ہو؟" جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سعد اس کی معمولی حالت اور اس کے خود ہی حاضر ہو جانے پر متعجب ہوے۔ بولی "جی ہان مین وہی ہون۔ دنیا کسی حالت پر قرار نہین لیتی جلد جلد بدلتی رہتی ہے۔ اور ہر ساعت

ساتھ اپنے فرزندوں کی حالت بھی بدلتی جاتی ہے - کبھی وہ کسی حالت پر ہوتے ہیں اور کبھی [illegible] حالت میں - ہم اس شہر کے مالک اور بادشاہ تھے - ہم ہی فرمان روا تھے - اور ہمارے [illegible] خزانے میں بیان کے مطابق جمع ہوا کرتے تھے - لیکن اب ہماری حالت بگڑ گئی - زمانہ [illegible] پر آمادہ ہو گیا - علامات سلطنت جو ہمارے ہاتھ میں تھا لوٹ گیا - وہ ہماری جماعت منتشر ہو گئی - گزرانے کا یہی رنگ ہے جو شریفوں کو بگاڑتا اور صاحبان [illegible] [illegible]

اس کے یہ الفاظ [illegible] کے دل پر بڑا اثر ہوا فرمایا "اچھا پھر اپنی گزشتہ حالت سناؤ [illegible] مختصر ہو یا تفصیل سے بیان کر دوں" فرمایا "مختصر ہو" کہنے لگی "یہ حالت تھی یا تو کل ہماری یہ حالت تھی کہ اہل عرب میں سے کوئی متنفس نہ تھا جو ہمارے دربار میں باریاب ہونے کا آرزومند نہ ہو اور ہمارے نام سے کانپتا نہ ہو یا آج ہماری یہ حالت ہے کہ عرب میں سے کوئی نہیں ہے جس کے دربار تک پہونچنے کی ہمیں تمنا نہ ہو اور جس کے نام سے ہم [illegible] اور [illegible] نہ ہوں" پھر کہنے لگی اس کے بعد دو شعر پڑھے -

فبینا نسوس الناس والامر امرنا　　اذا نحن فیہم سوقۃ نتنصف

(اس حالت میں لوگوں پر ہم سرداری کر رہے تھے اور ہمارا ہی حکم تھا یکایک کیا دیکھتے ہیں ہم بازاری لوگ ہیں اور دوسروں کے سامنے فریاد کر رہے ہیں)

فاف لدنیا لا یدوم نعیمہا　　تقلب تارات بنا وتصرف

(لعنت اور افسوس ہے دنیا کی حالت پر جس کی نعمتیں باقی نہیں رہتیں کبھی وہ ہمارے موافق ہوتی ہے اور کبھی پلٹ جاتی ہے)

سعد بن ابی وقاص کو اسکی باتیں اچھی معلوم ہوئیں [illegible] اس کی بہت تعظیم و تکریم کی اور جب وہ واپس جانے لگی تو فرمایا "اگر تمھارا کوئی کام ہو یا کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیان کرو" بولی "مجھے کوئی اجازت اور چراغ [illegible] عنایت فرمائیے تاکہ آپ سے [illegible] کروں [illegible] اٹھا [illegible] سعد نے فوراً اپنے عاملوں کو حکم دیا کہ کوئی ایسا موضع تجویز کرو جو اجاڑ ہو گیا ہو [illegible] باوجود جستجو کے کوئی ایسا موضع نہ ملا تب سعد نے حرقہ کو بلا کے فرمایا "کوئی اجاڑ بستی نہیں ملتی - آپ کوئی آباد گاؤں قبول کیجیے" یہ سنتے ہی ستم زدہ شاہزادی نے کہا "[illegible] گزشتہ [illegible] آباو اجداد کو

عدالت گستری کی توفیق دی۔ اُنھوں نے اپنے انصاف سے دنیا کو آباد کیا۔ اور ویسا ہی آباد وہ سپردان کے ہوائے کر گئے لہذا اے امیر آپ بھی کوشش کیجیے کہ جب دوسرون کے حوالے کرنا پڑے تو اُسے ایسا ہی آباد اور بارونق دین جیسا کہ آپ نے پایا ہے۔ اس طرز عمل سے آپ خدا کی جنت کے مستحق ہو جائیں گے اور خلقت آپ کی ثنا خوان ہو گی۔ خدا ایسا نہ ہو کہ آپ کے ہاتھوں سے یہ آباد دنیا اُجڑ جائے اور آپ آتش دوزخ کے سزاوار ہون رہی ہین۔ تو ہین تو آپ نے دنیا کی ... اور نہ دنیا کی زینت شادابی کو اِن آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہون۔

یہ کہہ کے اس تارک الدنیا اور ... شعار شاہزادی نے سعد کے حق میں ان الفاظ مین دعا کی "اللہ جل شانہ آپ کی کوئی حاجت کسی ذلیل و فرومایہ شخص کے ہاتھوں میں نہ ڈالے۔ اور جو اچھے لوگ ہین ان کی حاجتین ہمیشہ آپ کے ہاتھ سے پوری ہوتی رہین۔ اور جب کبھی خدا ... کسی شریف کو ... دولت کرے تو آپ کو ہمیشہ ان کی حاجت روائی کا ذریعہ ... یہ کہہ کے شاہزادی تو چلی گئی مگر سعد بن ابی وقاص کو اُس کے یہ کلمات اس قدر پسند آئے تھے کہ ابو ثور سے جو پاس بیٹھے ہوئے تھے کہا "اس کے ان الفاظ کو یاد کر لیجیے مین امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے دہراؤن گا" چنانچہ ابو ثور کہتے ہین جب مین نے مدینہ طیبہ حاضر ہو کے یہ واقعہ ان کی خدمت میں عرض کیا تو انھون نے متاثر ہو کے فرمایا "سچ کہتی دنیا میں کوئی قوم نہیں ہے جسے زمانہ ... بیشی اور راحت کا موقع نہ دیتا ہو"

معراج

مسلمانون مین سرور کائنات صلعم کی معراج کا تسلیم کرنا نہایت ہی اہم عقیدہ دینیہ ہے۔ جس مین آنحضرت صلعم کو فرشتہ جبرئیل نے مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک کی اور پھر وہان سے آسمانون کی ساتوین ملاء اعلیٰ کی اور جنت و دوزخ کی سیر کرائی تھی۔ آپ نے جنت کی نعمتین اور دوزخ کے عذاب اپنی آنکھون سے دیکھے اور آسمانون پر انبیائے سلف اور فرشتون اور حور و ولدان سے ملے تھے۔ اس معراج کے مفصل و مشرح حالات احادیث مین موجود ہین۔ صحابہ کے زمانہ مین بہت سے مستند

(بعض صحابہ) کے نزدیک یہ معراج روحانی تھی۔ یعنی آپ کا جسد انور اسی دنیا مین رہا اور روح اطہر ملاء اعلی کی سیر کو گئی تھی۔ مگر بعد کے زمانے مین معراج کے روحانی ہونے کا خیال کم ہوتا گیا۔ اور عام اہل اسلام معراج جسمانی کے قائل ومعتقد ہوتے گئے یہانتک کہ آخری صدیون مین یہ حال ہو گیا کہ جو مسلمان معراج کو روحانی بتائے وہ ملحد وبے دین خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سرسید نے جب بعض اکابر صحابہ کی پیروی مین معراج کے روحانی ہونے کا مسئلہ چھیڑا تو ہر طرف سے ان کے کافر وبے دین ہونے کی صدائین بلند ہوئین مگر معراج روحانی ہو یا جسمانی اس مین شک نہین کہ اُس نے دنیا مین بڑا کام کیا۔ اور آنحضرت کے ذریعہ سے گویا سارے مسلمانون کو عالم بالا اور واقعات مابعد الموت کا مشاہدہ ہو گیا۔

ہم اس موقع پر معراج کی تفصیل اور اُسکی شرعی حیثیت سے بحث کرنا نہین چاہتے ہمین اتنی اس بات پر غور کرنا ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے معراج کا خیال کسی اور قوم مین بھی تھا یا نہین۔ یا آنحضرت صلعم کے بعد کون لوگ معراج کے مدعی ہوئے ہین۔ اسلام کی زیادہ باتین اہل کتاب یعنی یہود ونصاری سے ملتی جلتی ہین۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کسی نئے دین کے لانے کے مدعی نہ تھے۔ بلکہ آپ کا دعوی یہ تھا کہ دین حق جس کی تبلیغ آدمؑ ونوحؑ اور ابراہیمؑ وموسی وعیسیٰ اور دیگر پیمبران ساعت کرتے آئے تھے وہی دین اسلام ہے۔ اصل دین مین کسی قسم کی ترمیم نہین کی گئی بلکہ بعد والون نے دین مین جو ردو بدل کر دیا تھا اور جو بدعات بعد کو رواج پا گئے تھے اُن کا استیصال کیا گیا۔ الغرض اس مین شک نہین کہ شریعت اسرائیلی کی زیادہ باتین اسلام مین موجود ہین۔ مگر توریۃ وانجیل مین جہان تک ہمارا خیال ہے اور کسی پیغمبر کو معراج ہونے کا ذکر نہین ہے۔

دیگر مذاہب سلف کی کتابون مین بھی اس قسم کی کسی آسمانی سیر کا تذکرہ نہین۔ روم و یونان کے بت پرستون کو سچ یہ ہے کہ معراج کی ضرورت ہی نہ تھی اس لیے کہ اُن کے عہد مین کے دیوتا اور نیم دیوتا (وہ انسان جو دیوتا بنا دیے گئے) ایسی زبردست روحانی قوت رکھتے تھے کہ جب جی چاہتا بام فلک پر چڑھ جاے اور سرشستان والون سے مل آتے مصر اور بابل واسیریا والون مین ہمین اس قسم کی کوئی معراج نہین ملتی۔ ممکن ہے کہ ان مین کسی کو معراج ہوئی ہو مگر افسوس کہ ہم کو اُن کے مذہب وعقائد اور اُن کی قومی روایات کا

بہت ہی محدود حصہ معلوم ہے۔ لیکن اس مین شک نہین کہ معراج کا خیال پہلے پہل اسی مذہب
مین سنا گیا۔

زرتشت کی نسبت اکثر کہا جاتا ہے کہ اُسے معراج ہوئی تھی مگر
معراج زرتشت کا واقعہ اس قدر مختصر بتایا گیا ہے کہ اُس کی تفصیل کے متعلق کوئی راے
نہین قائم کی جا سکتی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانے مین آتش پرستون کے مذہب مین
اس خیال کو بہت اہمیت دی گئی۔ یہان تک کہ سکندر کے بعد ملک عجم مین جو طوائف الملوکی
قائم ہو گئی تھی اُسے جب اردشیر بابکان نے دفع کر کے سارے ملک کو اپنے زیرنگین کیا
اور اصلی مذہب زرتشتی کا پتہ لگانا چاہا تو اُسے بھی معراج ہی کی نردبان لگا کے عالم بالا کے
حالات معلوم کرنا پڑے۔

طوائف الملوکی کے زمانے مین دین زرتشتی غارت ہو گیا تھا۔ سلطنت کے ساتھ ہی
اتحاد بھی مٹ گیا تھا۔ ہر شہر اور ہر گروہ کا نیا مذہب تھا۔ اور سب اپنے عقائد کو زرتشت کا
اصلی مذہب خیال کرتے تھے۔ چونکہ مباحثہ اور استدلال کے ذریعہ سے سب مین اتحاد پیدا کرنا
دشوار تھا اس لیے اردشیر بابکان نے یہ نیا طریقہ ایجاد کیا کہ اپنی ساری قلمرو کے شہرون اور
اضلاع مین حکم جاری کیا کہ ہر ضلع اپنے کسی ایسے شخص کو منتخب کر کے اُس کے دربار مین بھیجے جو
سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہو۔ اس طریقہ سے ملک کے ایک سو منتخب اور مسلم الثبوت
عابد و زاہد اُس کے دربار مین جمع ہوے۔ تب اُس نے اُن سے کہا کہ تم سب اپنے مین سے
ایسے دس آدمی منتخب کرو جن کو اپنے گروہ مین سب سے زیادہ پاک اور عبادت گزار
جانتے ہو۔ اور جب یون دس عابد چن لیے گئے تو اُن دسون سے کہا کہ اب تم اپنے مین سے
کسی ایک شخص کو چنو جو سب سے اعلیٰ و افضل اور سب سے بڑا خداشناس و خداپرست ہو
اس طریقہ سے ایک ایسا شخص منتخب ہو گیا جو اردشیر بابکان کے خیال کی ساری دنیا سے
زیادہ افضل اور زہد و تقوی مین بے مثل و بے نظیر تھا۔ اس شخص کا نام **ویراف**

اس انتخاب کے بعد اردشیر نے ویراف سے کہا مین چاہتا ہون کہ تمھین اُس دوسرے
عالم مین بھیج سکون کہ وہان کے سچے حالات اور سچا دین الٰہی معلوم کرون۔ ویراف نے طالب حق
بادشاہ کی خواہش قبول کی۔ اور اُس کے سفر روحانی کی تیاریان ہونے لگین۔ ایک
بڑے حلقہ مین آگ روشن کی گئی۔ اُس کے درمیان مین ایک تختہ بچھایا گیا۔ اور اُس تختہ پر

دیا ت بھنگ یا اور نشی دوا کھانے کے ساتھ دیا گیا اور وہ سو گیا ن عابد جو سارے ملک سے منتخب ہو کے آئے تھے اور نیز ویراف کی پارسا بہنین گرد بیٹھ کے خدا سے دعا کرنے لگین کہ ویراف کے ذریعہ سے دنیا کو عالم آخرت اور سروشستان کا حال معلوم ہو جائے سب لوگ تین شبانہ روز تک یونہین دعا و عبادت مین مشغول رہے اور ویراف آگ کے درمیان مین غافل و مدہوش پڑا رہا - آخر تیسرے چوتھے دن اُس نے بیدار ہو کے سر اُٹھایا - سب نے دوڑ کے اُسے آگ کے حلقہ سے باہر نکالا - اور بے صبری سے سا تھ پوچھنے لگے کہ "آپ نے کیا دیکھا ہے" اُس نے کہا "پہلے مجھے کھانا کھلا دو پھر بیان کرونگا اس لیے کہ بھوک کی شدت سے مین بے دم ہو رہا ہون" فوراً کھانا سامنے لا کے رکھ دیا گیا جب وہ کھانے کو بیٹھا اور اُس کے حواس ذرا ٹھکانے ہوئے تو اردشیر کی طرف مخاطب ہو کے کہنے لگا " اے بادشاہ - میری آنکھ بند ہوتے ہی عالم بالا کا ایک سروش (فرشتہ) آیا اور مجھے ہاتھ پکڑ کے اوپر لے گیا - جہان اُس نے دوزخ و جنت کی سیر کرائی - اور دکھایا کہ نیکوکارون کو اعمال نیک کے ثواب مین کس طرح اور کیسی کیسی نعمتین اور لذتین حاصل ہو رہی ہین - اور بدکارون کو بدکاری کے پاداش مین کس طرح اور کیسی کیسی سخت ایذائین اور تکلیفین پہونچ رہی ہین - اسی سلسلہ مین اُس نے مذہب زرتشتی کی صحت اور اُس کے باعث نجات اخروی ہونے کے ثبوت دیے ہین - ساری نیکیون کے ثواب اور جزا کی صورتین اور اُس کے مقابل ساری بدکاریون کی سزائین بتائی ہین - الغرض مذہب زرتشتی کی تمام چیزین جو عالم آخرت سے تعلق رکھتی ہین سب بہ تفصیل ظاہر کر دی ہیں -

ویراف یہ روحانی سفرنامہ بڑی تفصیل کے ساتھ پہلوی زبان کی ایک کتاب مین لکھا ہے جو "ویراف نامہ" کہلاتی ہے - وہ اصلی پہلوی خط مین مع انگریزی ترجمہ کے لندن مین چھپی ہے - اور پارسیون مین بہت مقبول ہے - یہ کتاب اگر صحیح روایات سے اور سند کے ساتھ اسلام سے پیشتر کی ثابت ہو جائے تو اس بات کے کہنے کی گنجائش ہوگی کہ اسلام مین حضرت سرور کائنات صلعم کی معراج اسی ویراف نامہ سے ماخوذ یا آپ کی سیر بالا ویراف کے سفر افلاک کی نقل ہے - لیکن ویراف نامہ ایک ایسی کتاب ہے جو آج سے چھ سات صدیون پیشتر بالکل مجہول اور نامعلوم تھی پہلے پہل اُس کا سراغ ...

نسخہ ہندوستان کے شہر نوساری مین جسے پارسیون نے اپنا مرکز قرار دے لیا تھا کسی
پارسی موبد کے پاس ملا۔ اُس سے پیشتر نہ کسی کو اس کا نام معلوم تھا اور نہ کبھی قدیم
مین کسی کی زبان سے اس کا تذکرہ سنا گیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ان کی
کتاب دساتیر کو بعد والے پارسیون نے تصنیف کر کے اپنی پرانی آسمانی کتاب بتا دیا
اُسی طرح اس کتاب کو بھی کسی شخص نے تصنیف کر لیا۔ لہذا بجاے اس کے کہ آنحضرت
کی معراج اُس سے ماخوذ ہو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ہمارے پیغمبر عربی کی معراج
حاصل کی گئی ہے۔

لیکن بڑے لطف کی یہ بات ہے کہ تیرھوین صدی عیسوی یعنی ساتوین یا آٹھوین
صدی ہجری مین اٹالیہ کے ایک رومی شاعر ڈینٹ الیغیری نے اپنی معراج کا واقعہ
منظوم کیا ہے جس مین معراج سرور کائنات سے فائدہ اُٹھا کے شاعرانہ طبع آزمائی اور
خیال آرائی کی گئی ہے۔ اور اُس سے دین مسیحی کو فائدہ پہونچایا گیا ہے۔ یورپ مین اس
نظم کی بہت تعریف کی جاتی ہے۔ اور اُسے لوگ اعلیٰ ترین طباعی وخیال آفرینی کا
نمونہ بتاتے ہین۔

اس نظم مین ڈینٹ لکھتا ہے کہ انسانی دانائی (ورجل شاعر) کی صورت مین آ کے میری
رہبر ہوئی۔ جسے آسمانی دانائی (بیٹرس دیوی) نے میری مدد پر آمادہ کیا اور نور
بخشنے والی حور (لوشیا) کے ذریعہ سے ورجل کے پاس یہ حکم بھیجا۔ اور لوشیا کو رحمت الٰہی
نام ایک دیوی نے بیٹرس کے پاس اسی غرض کے لیے بھیجا تھا۔

الغرض ڈینٹ کو ایک روحانی خواب مین ورجل اس عالم سے باہر نکال لے گیا
بہت دور تک اودھر اودھر پھرنے کے بعد وہ ایک تیرہ وتار جنگل مین جا پھنسا جہان کی
ہر چیز سے وحشت ہوتی تھی اور مہیب درندون اور وحشی جانورون نے اُسے دیکھ کے کانپ
رہا تھا۔ اب اُسے دوزخ کی حالت دکھائی گئی۔ جسے اُس نے اپنے خیال مین اس دو
صیہون مین ایک بڑے بھاری غار کی صورت مین دیکھا۔ اس کے کنارے
چکنے اور آسانی سے گزرنے کے قابل نہین ہین بلکہ چارون طرف زمینون کے حلقے
پھیلتے چلے گئے ہین جو جس قدر نیچے ہوتے جاتے ہین اُسی قدر ...
ہین۔ زمینون کا ہر حلقہ اس قدر وسیع اور دوسرے سے الگ ...

حلقۂ جہنم ہے۔ اور انھین اسباب سے اس غار مین اُترنا یا اس سے نکلنا بغیر اس کے تائید ایزدی رفیق حال ہو غیر ممکن ہے۔

پہلا حلقہ "لمبو" کہلاتا ہے۔ اس مین وہ تمام لوگ ہین جن کو بپتسما نہین نصیب ہوا۔ اور جو حضرت مسیح سے پیشتر تھے۔ باقی تمام حلقے گنہگارون کے عذابون کے نمونے پیش کر رہے ہین۔ جس گنہگار کا جتنا بڑا گناہ ہے وہ اُتنے ہی زیادہ گہراؤ اور زینہ نشیبی حلقہ مین ہے۔ اور جس قدر زینے تنگ اور گہرے ہوتے جاتے ہین اُسی قدر عذاب بڑھتا جاتا ہے۔ ان مبتلاے عذاب گنہگارون مین ڈینٹ نے بہت سے پُرانے تاریخی مجرمون کو دیکھا جو طرح طرح کے عذاب بھگتتے نظر آئے۔

اس دوزخ مین اُس نے خون کی ندیان دیکھین۔ خوفناک عفونتون کو برداشت کیا۔ تیر کی ایک جھیل دیکھی۔ مبتلاے عذاب روحون کے غول دیکھے جن مین سے بعض ہوا مین معلق ہین۔ بعض برف مین دفن ہین۔ بعض درختون مین مقید ہین۔ ناامیدی کی آہین۔ اور درد و تکلیف کی چیخین۔ کانون مین گونج رہی ہین۔ بہت سے مجرم مختصر الفاظ مین اپنی وحشتناک سزائین اور اپنے گناہون کی سرگزشتین بیان کر رہے ہین۔ اور عجیب عجیب قسم کی حسرت ناک داستانین اور خدا کی عظمت و کبریائی کی باتین سننے مین آرہی ہین۔

اس غار کے انتہائی نشیب مین شیطان ہے۔ جو ایک خونخوار دیو سا ہے۔ اُس کے تین سر ہین۔ اور ہر منہ سے کسی گنہگار آدمی کی ہڈیان چبا رہا ہے۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہین ہے کہ یہودا اسکریوطی (وہ حواری جس نے دغابازی کر کے حضرت مسیح کو دشمنون کے ہاتھ مین گرفتار کرا دیا تھا) اُنھین دوزخیون مین ہے جنھین شیطان چبا رہا ہے مگر اس پر البتہ تعجب ہوتا ہے کہ رومی بروطس اور قاسیوس (قاتلین جولیس قیصر) بھی اُسے انھین لوگون مین نظر آئے۔

اب ڈینٹ اور ورجل دونون شیطان کے جسم پر چڑھ گئے اور بڑھتے بڑھتے کوہ صیہون کے دوسرے پہلو پر جا اُترے جہان کوہ مذکور ایک مخروطی شکل مین نمایان ہے جنوبی سمندر کے ایک جزیرے مین قائم ہے۔ اور عالم برزخ کا پہاڑ کہلاتا ہے۔ اس پہاڑ کے گردا گرد نیچے سے اوپر تک زینے بنے چلے گئے ہین جو مندرجۂ ذیل طبقات

فانی گناہوں کے مجرموں کے جائے قرار ہین - غرور ، حسد ، غصہ ، کاہلی ، حرص ، جوع ، بلاغی اور شہوت -

اس پہاڑ کی چوٹی پر پہونچ کے شاعر سے بیٹرس دیوی سے ملاقات ہوئی جو اُسے اپنے ساتھ لے کے آسمان پر چڑھ گئی - اور یکے بعد دیگرے اُسے چاند اور دیگر سیارون مریخ - زہرہ - آفتاب - مشتری - عطارد اور زحل سے ملایا - یہان سے چڑھ کے وہ بیٹرس کے ہمراہ اُس عالم بالا مین پہونچا جو ثوابت کا مرکز ہے - اور آخر کار اصلی فردوس برین مین پہونچ گیا جہان اُسے عیسی مسیح اور مریم عذرا کے جلوے نظر آئے - اور آخر ایک جھلک دیدار الٰہی کی بھی نصیب ہو گئی -

اسی دیدار الٰہی پر ڈینٹ کی معراج اور اس کے ساتھ اُس کی مثنوی ختم ہوئی ہے لیکن اس روحانی سیر کے سلسلہ مین اُس نے جیسے تاریخی واقعات پیش کر کے اپنی تاریخ دانی کا اعلیٰ ثبوت دیا ہے - اور ان کے اظہار مین جیسی کامل درجے کی قادر الکلامی ظاہر کی ہے اہل یورپ کی نظر مین بہت ہی قابل تعریف ہے - اگرچہ اُس کی شاعری کی ہم بھی تعریف کرین گے مگر یہ کہے بغیر نہین رہ سکتے کہ مضمون سرقہ کا ہے اور سوا اس کے کہ اسے مسیحی خیالات کا جامہ پہنا دیا گیا ہو اُس مین کوئی جدت نہین ہے - اُس سے بہت زیادہ جدت آفرینی ملٹن نے اپنی پیراڈائز لاسٹ (فردوس گم شدہ) مین کی ہے - اگرچہ وہ بھی ایک مذہبی نظم ہے اور حضرت آدم و حوا کے جنت سے نکالے جانے کے واقعے سے ماخوذ ہے لیکن اُس مین شاعر نے اپنی عقائد کی نگہداشت کے ساتھ بہت ہی انوکھی اور پُر لطف باتین پیدا کی ہین -

ہمارا نیا ناول ”حسن کا ڈاکو“

ہمین نہایت افسوس ہے کہ اس ناول کو ہم پوری طرح ختم نہین کر سکے - اگر مختصر کرتے تو ضروری مضامین چھوٹے جاتے تھے - اور تکمیل کا ارادہ کرتے تو ضخامت اتنی بڑھی جاتی تھی کہ دلگداز کا سالانہ چندہ اس کے لیے کافی نہ ہو سکتا تھا - مستقل ارادہ کر لیا گیا ہے کہ اس کا باقی ماندہ حصہ جو ضخامت مین اس شایع شدہ حصے سے زائد ہے یہین ہی چار مہینہ کے اندر طبع کر دیا جائیگا بلکہ اگر قدر دانان دلگداز چاہین تو اس سے کم زمانہ مین پیش کر دیا جا سکتا ہے -

لیکن اس وقت ہمارے پیش نظر دو صورتین ہین اول تو یہ کہ باقی ماندہ حصہ

سال آئندہ کے اوائل مین ۱۹۱۳ء کے خریدارون کو ہدیۃً دیا جاے جس طرح کہ
یہ پہلا حصہ ۱۹۱۲ء کے خریدارون کی نذر کیا گیا - اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ باقی ماندہ
حصہ فی جلد دس یا بارہ آنہ کو علحدہ فروخت کیا جاے - اور رسالہ آئندہ مین ۱۹۱۳ء کے خریدارون کو
ایک دوسرا مکمل تاریخی ناول دیا جاے - اگرچہ ہمارے لیے اس آخری صورت مین زحمت
بڑھ جاے گی مگر ہمین یہی صورت زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتی ہے -

تاہم محض اپنے خیال اور اپنی پسند سے ہم فیصلہ نہین کر سکتے - بہ آسانی یہ ممکن تھا کہ
اس اطلاع کے شایع ہونے کے بعد ان دونون باتون مین سے کسی ایک کے اختیار کرنے کو ہم اپنے
ناظرین کے فیصلے پر چھوڑ دین - مگر تجربہ بتا رہا ہے کہ ایسے امور مین جواب دینے کی زحمت بہت
ہی کم حضرات گوارا فرمایا کرتے ہین - اور ہزارہا مین سو آدمیون سے بھی ہان یا نان کا جواب نہین
ملتا - لہذا کسی امر کے فیصلے کو خریداران دلگداز سے رائین وصول ہونے پر منحصر رکھنا بالکل بیکار ہے

مجبوراً ہم یہ صورت اختیار کرتے ہین کہ دو مہینہ کے اندر اگر ہمارے اڑھائی ہزار خریدارون
مین سے ایک سو نے بھی اس ناول کے باقی ماندہ حصے کو فی جلد ۸ر قیمت پر اس کا وی پی ارسال
ہوگا لینا پسند فرمایا اور اس کی مخالفت کرنے والون کی تعداد دس کو نہ پہونچی تو ہم یہی
صورت اختیار کرلین گے اور تین ہی چار مہینہ کے اندر جملہ خریدارون کی خدمت مین اطلاعی کارڈ
بھیج کے اس ناول کے حصہ دوم کو ۱۰ر پر وی پی بھیج دین گے - اور اگر اس کے خلاف یعنی
منظوری مین سو درخواستین نہ آئین اور نامنظور کرنے والون کی تعداد دس سے زیادہ ہوگی
تو پھر اسی حصہ دوم کو ہم اپنے قدر افزاؤن کی خدمات مین ۱۹۱۳ء کے ہدیے کے طور پر
۱۹۱۴ء کے اوائل مین عہ پر وی پی روانہ کرین گے -

امید ہے کہ قدردانان دلگداز اس جانب ضرور اور جلد توجہ فرمائین گے -

ہمین یقین ہے کہ اس ناول کو قدردانان دلگداز بہت پسند فرمائین گے - یہ تاریخی
نہین - مگر اخلاقی ناول ہے اور حسب حال زمانہ - ہندوستان کے والیان ملک کو اپنی
اصلاح کی بیحد ضرورت ہے - اور اکثر جگہ رئیسون کی بے اعتدالیون سے رعایا کی حالت
نہایت ہی ابتر ہو رہی ہے - اگلے دنون جب موجودہ برٹش انتظامات اور تہذیب کی
برکتون سے زمانہ ناآشنا تھا حاکمون اور فرمان رواؤن کو یون سزا مل جاتی تھی کہ یا تو کوئی
آس پاس کا دوسرا فرمان روا حملہ کرکے اُن کے مظالم کا خاتمہ کر دیتا یا رعایا ہی اُٹھ

کوئی غیرتمند شخص اُٹھ کے اُن کی زندگی کا خاتمہ کر دیتا اور اکثر اوقات مسند حکمرانی ہی کو پلٹ دیتا۔ اب برٹش گورنمنٹ اپنے ماتحت کی حکومت اور اُن کے اقتدار کے محفوظ رکھنے کی ذمہ دار ہوگئی ہے جس کے باعث وہ دولت برطانیہ کے سایہ عاطفت مین پناہ گزین ہو کے ہر طرح کے خطرون سے محفوظ ہو گئے ہین۔ لیکن خرابی یہ ہے کہ برٹش حکام کی توجہ جس قدر اُن کی حفاظت کی طرف ہے اُن کے ماتحت رعایا کی نگہداشت کی طرف نہین۔ نتیجہ یہ کہ ہندوستان کے والیان ملک مین بداخلاقی کے بدترین نمونے پیدا ہوگئے ہین جیسے کہ شاید دنیا مین کہین نہ ہونگے

اس ناول کی غرض صرف اس قدر ہے کہ برٹش گورنمنٹ کو اُن بیہودہ کم ظرف اور ناپاک و بدطینت والیان ملک کی طرف توجہ دلائی جاے۔ جن کے دست ستم سے رعایا چیخ اُٹھی ہے۔ اور جو برٹش برکتون سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہین۔ ان بدسرشت کے طرزعمل کے زیادہ مکمل اور سچے حالات دوسرے حصہ مین نظر آئین گے جہان سے کہ حلال نگر کے مجرمانہ راز کا افشا ہونے کے بعد حرام پور کے واقعات اور حالات دکھانے کا آغاز کیا گیا ہے۔

اس بات کو پبلک خوب جانتی ہے کہ جو واقعات لکھے گئے ہین کس قدر سچے ہین۔ اور نیز اس بات کو کہ سوا اس کے کہ بمصداق

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران　　گفتہ آید در حدیث دیگران

ایک عام ناول کے ذریعہ سے اُن رئیسون کو اُن کے اعمال سے متنبہ کرکے برٹش حکام کو اُن کی طرف توجہ دلائی جاے۔

ایام عرب کامل

ایام عرب کی دونون جلدون کے چند مکمل نسخے دفتر دلگداز مین آگئے ہین۔ اس ناول کی تلاش اکثر حضرات کو تھی۔ اور ابھی اس کے دوبارہ چھپنے کو زمانہ چاہیے۔ لہذا جن حضرات کو ضرورت اور شوق ہو فوراً طلب فرمائین۔ قیمت دونون جلدون کی دو روپیہ آٹھ آنے ہے۔

تصانیف مولانا شررؔ اور مطبع دلگداز کی دوسری کتابیں

کارخانہ روضۃ الریاحین۔ لکھنؤ کا اعلیٰ عطر

(آپ ایک دفعہ آزما کے تو دیکھیں!)

عطر کیلیے لکھنؤ مشہور ہو مگر افسوس کہ جو عطر ہو وہ باہر والونکو نہین ملتا کیونکہ یہان کی روانگی نوکرون کے ہاتھ ہو اور انکے ذاتی فصل کا خیال اُن خریدون ہی کو اٹھانا پڑتا ہو جو باہر سے منگوانے اور بے دیکھے خریدنے پر مجبور ہین۔ اور بعض اشتہار دینے والونکی یہ حالت ہو کہ روپیہ کا مال دکھلا کر کبھی چار کو بھیج دیتے ہین۔ یہ تمام خرابیان دیکھ کے ہمنے ذمہ لیا ہو کہ باہر کے جو صاحب طالب ہین اُنکے لیے معتبر اور مستند کارخانون کے عطر اعلیٰ درجے کے تیل وغیرہ خاص طور پر اہتمام کر کے کمال بخوبی جانچ کے اور کفایت خرید کے روانہ کر دیا کرین جس کا بہت اچھا اور قابل اطمینان انتظام کیا گیا ہو۔ عطر کے شائق ایکبار امتحانا منگوا کر دیکھ لین کہ ہمارے ذریعے سے اُنکو کیسا اچھا عطر اور کن دامون کو ملتا ہو۔

عطرون کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر حنا فی تولہ صہ للعہ سے عا صہ ۱۲	عطر مولسری فی تولہ سے عا صہ ۱۲	عطر سنگترہ فی تولہ۔ عا عہ	عطر مخلوط آصفی فی تولہ۔ صہ
عطر موتیا صہ للعہ سے عا صہ ۱۲	عطر پانڑی ؍ عا صہ ۱۲	عطر سیوتی۔ ؍ سے عا عہ	عطر مہک پری۔ ؍ عا
عطر چنبیلی صہ للعہ سے عا صہ ۱۲	عطر راحت روح صہ سے عا	عطر شہناز ؍ سے عا مجموعہ۔ عا	روح گلاب ۔ ؍ ما ہم سے
عطر کیوڑا للعہ سے عا صہ ۱۲	عطر گل حنا سے عا عہ	عطر رگ حنا عا عطر عروس۔ عا	روح خس چنبیلی ؍ عا صہ للعہ
عطر خس للعہ سے عا صہ ۱۲	عطر مٹی۔ ؍ عہ ۱۲	عطر سہاگ ۔ ؍ عا صہ ۱۲	روح پانڑی چنبیلی للعہ سے
عطر فتنہ صہ سے عا صہ ۱۲	عطر جوہی للعہ سے عا صہ ۱۲	عطر اگر گنہ ؍ للعہ	عطر ناگیسر چنبیلی صہ سے
عطر چمپا سے عا صہ ۱۲	عطر گلاب عہ صہ سے عا	عطر اگر ؍ سے صہ	عطر صندل ؍ عا عہ (بیلوکی [illegible])

خوشبودار تیلون کی فہرست بھی ملاحظہ ہو

روغن چنبیلی فی سیر سے للعہ عا	روغن بیلہ۔ فی سیر سے للعہ عا	روغن کیوڑا فی سیر عہ للعہ عا	روغن حنا۔ فی سیر عہ للعہ

اعلیٰ درجے کا خوشبودار عمدہ اور بامزہ تنباکو

زردہ تنباکو خشکی فی سیر عہ سے للعہ ؍ زعفرانی ؍ ... عا	قوام تنباکو خشکی فی تولہ۔ عہ ۶ ؍ ؍ زعفرانی ؍ ۴ ؍ ۲ ؍	گولیان تنباکو خشکی طلائی۔ فی تولہ۔ عہ ؍ ؍ نقرئی ؍ ؍	نوٹ درخواست آنے ہی ویلو ایبل روانہ ہوگا۔ ۱۲ ؍ ۱۰ ؍ تہ اور مصارف ڈاک ذمہ خریدار۔

آپ کا خادم محمد عبد الحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز گنشڑہ بزان بیگ خان لکھنؤ

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

نمبر ۶ جلد ۱۵

جون سنہ ۱۹۱۳ عیسوی مطابق جوزا سنہ ۱۳۴۲ محمدی

ایڈیٹر

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

منیجر و پبلشر

خاکسار حکیم محمد سراج الحق عفا اللہ عنہ

جو

دلگداز پریس مین چھپکے لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان

سے شائع ہوا

ابوالاسودِ دُوئلی

(نمبر ۲)

ان سب خوبیوں کے ساتھ ابوالاسود کا بخل نہایت مشہور ہو گیا تھا۔ عرب کی سائی میں کنجوسی اور بزدلی سے بڑے کوئی عیب نہ تھے۔ لیکن ابوالاسود کو بخیل کہنا ظلم ہے۔ اس لیے کہ وہ بخیل نہیں منتظم اور کفایت شعار تھے۔ اور غیر مستحق کو کچھ دینا ہرگز جائز نہ رکھتے تھے جو صفت کہ موجودہ عہد میں سب سے بڑا انسانی جوہر ہے۔ لیکن اُس دور کے لوگوں نے قدر جاننا درکنار اُنھیں ملزم قرار دے دیا۔ یون تو عرب میں بہت سے بخیل گزرے ہین مگر چار بخیلوں کی بڑی شہرت تھی۔ حطیئہ حمید ارقط ابوالاسود دوئلی۔ اور خالد بن صفوان۔ ابوالاسود کا نام اس فہرست میں صرف اس بنیاد پر لکھ لیا گیا کہ کسی سائل کو خیرات میں ایک چھوہارا دیا اور کہا "خدا تجھے جنت میں بھی اتنا ہی دے"۔ اکثر کہا کرتے "اگر ہم محتاجوں کی آرزو کے موافق اپنے روپیہ کو صرف کر ڈالا کرین تو ہماری حالت اُن سے بھی بدتر ہو جائے"۔ دوسروں کو نصیحت کرتے ہین "جو کچھ تمھارے ہاتھ میں ہے اُس کا روکنا بمقابل اس کے اچھا ہے کہ تم غیروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھرو"۔ خود اپنی نسبت فرماتے ہین

یلومونی فی البخل جہلاً و ضلۃً ... وللبخل خیر من سوال بخیل

(لوگ جہالت و گمراہی سے مجھے بخل پر ملامت کرتے ہین حالانکہ بخیل کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بخیل ہونا بہتر ہے)

کہتے ہین "فیاضی کرنے مین خدا کی مرضی کے خلاف نہ چلا کرو۔ وہ چاہے تو سب کو غنی بنا دے سکتا ہے لیکن جانتا ہے کہ بعض لوگون کے حق مین محتاج رہنا ہی بہتر ہے اور بعض کے حق مین دولت مند رہنا۔ تم اس تقدیر الٰہی کو بدل نہین سکتے۔"

بیٹے کو نصیحت کرتے ہین "مسکینون کے فریب مین نہ آؤ۔ یہ جب تک تمھین بھی اپنا سا نہ بنا لین گے چین نہ لین گے۔ تم اُن کی محتاجی دور کرنے مین اپنا نقصان کرو گے تو سوکھ سوکھ کے مر جاؤ گے۔"

کوئی فقیر صدا لگا رہا تھا کہ "کون بھوکے کو کھلائے گا؟" فوراً اُسے بلوا کے پیٹ بھر کھانا کھلایا۔ جب وہ کھا پی کے چلا تو کہا "چلے کہان؟" بولا "اپنے گھر" فرمایا "خوب۔ مین نے اس لیے تھوڑے ہی کھلایا ہے کہ تم مسلمانون کو جا کے ستاؤ!" یہ کہتے ہی اُس کے پاؤن مین بیڑیان ڈلوا دین اور رات بھر قید رکھ کے صبح کو چھوڑا۔

ایک بار چند دوستون کے ساتھ شکار پر گئے۔ صحرا مین ایک بدوی فقیر ملا جس نے سامنے آ کے کہا "السلام علیکم" بولے "یہ کوئی نئی بات نہین ہے اپنا مطلب کہو" اُس نے کہا "مین آؤن؟" بولے "نہین۔ پیچھے پلٹ جاؤ۔ زمین وسیع ہے" اُس نے کہا "جلتے ہوئے سنگریزون سے میرے پاؤن جھلس گئے ہین" کہا "تو اُن پر موت کے اُٹھین ٹھنڈا کر دو" اُس نے کہا "کچھ کھلاؤ گے بھی؟" بولے "ہم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہین۔ اگر اُن سے کچھ بچے گا تو بیشک کتے کے مقابلہ مین تمھارا استحقاق زیادہ ہے" اُس نے برافروختہ ہو کے کہا "تم سے زیادہ ناپاک آدمی مین نے کبھی نہین دیکھا تھا" بولے "دیکھا تو ہے مگر تمھین یاد نہین۔ وہ خود تم ہو جس سے زیادہ ناپاک کوئی نہین ہو سکتا۔"

ایک دن اپنے دروازے پر بیٹھے تھے اور سامنے ٹوکری مین بھرے خرمے رکھے تھے ایک بدوی نے آ کے سوال کیا۔ اُنھون نے کہا "آگے بڑھو" اُس نے کہا "میرا نام بھی جانتے ہو؟ مین ابو امامہ (کبوتری کا باپ) ہون" اُنھون نے کہا "تم ابو الطاؤس (مورنی کے باپ) بنو مگر چلے جاؤ" اُس نے کہا "مین خدا کا واسطہ دلا کے کہتا ہون کہ جو کھا رہے ہو اُس مین سے مجھے بھی کھلاؤ" خدا جانے اُس کے اس سوال پر کیون ترس آ گیا کہ تین خرمے نکال کے اُس کی طرف پھینکے۔ اتفاقاً ایک زمین پر جا گرا۔ اور وہ اُسے اُٹھا کے اپنے کپڑے سے پونچھنے لگا۔ ابو الاسود نے کہا "پھینکو بھی جنب کپڑے سے

پھر یہ بیہودہ خرمے سے زیادہ ناپاک ہے۔" بدوی نے کہا " مجھے یہ نہیں پسند ہے کہ چھوڑ جاؤں اور شیطان اُٹھا کے کھا جائے۔" بولے " تو ہرگز نہ چھوڑنا۔ شیطان کیا معنی جبریل و میکائیل کے لیے بھی نہ رہنے دینا۔"

ایک دن کسی فقیر نے سوال کیا۔ اُنھوں نے حسب عادت جواب خشک دیا۔ اُس نے کہا " افسوس تم میں ذرا سی بھی حاتمیت نہیں ہے۔" بولے " کیون نہیں ہے؟ مجھ میں تو پوری حاتمیت ہے۔" پھر اُسے حاتم طائی کا ایک شعر سنایا جس میں اُس نے اپنی پیاس بیوی ماریہ کو نا عاقبت اندیشی کی فیاضی سے روکا تھا۔

ایک بار ان کے قبیلہ کے لوگوں یعنی بنی دیل اور بنی لیث میں لڑائی ہوئی۔ بنی دیل نے اپنے حریفوں کے ایک شخص کو مار ڈالا۔ پھر اس اقرار پہ صلح ہو گئی کہ بنی دیل بنی لیث کو مقتول کی خون بہا ادا کریں۔ بنی دیل نے روپیہ فراہم کرنے کی بہت کوشش کی مگر نہ جمع کر سکے۔ آخر ابو الاسود کے پاس آئے۔ اس لیے کہ یہی قبیلہ کی ناک اور دولتمند تھے۔ کسی دِ دلی نوجوان نے نہایت فصاحت و بلاغت سے اور بڑے جوش کے ساتھ ان کو آمادہ کرنا چاہا کہ یہ روپیہ دے دیں۔ ابو الاسود ٹال دینے والے تھے کہا " تم نے اصرار و الحاح میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ لیکن میری بھی تو سنو۔ انسان تین موقعوں پر روپیہ دیا کرتا ہے۔ یا تو اس وقت جب اسے امید ہو کہ جسے دیتا ہوں وہ مجھے ادا کر دے گا۔ یا اُس وقت جبکہ جان جانے کا اندیشہ ہو اور روپیہ صرف کرنے میں جان بچتی ہو۔ اور یا اُس وقت جبکہ ثواب آخرت کی امید ہو۔ یہاں اُن میں سے کوئی صورت نہیں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کوئی فریب دے کے اور باتوں میں پھسلا کے مجھ سے کچھ رقم وصول کر لے تو تمھارا چچا (میں) ایسا بے وقوف نہیں ہے کہ دم میں آجائے۔" غرض اُنھوں نے کچھ نہ دیا۔ اور وہ لوگ ناکام و نامراد واپس گئے۔

دروازے پر آدمی کے سینے تک اونچا ایک چبوترہ تھا جس پر روز بیٹھا کرتے اور اکثر وہیں کھانا کھاتے۔ کھانے کے وقت اتنا بڑا ایک خوان لا کے رکھا جاتا کہ ساری جگہ بھر جاتی۔ اور سوا اُن کے کسی کے لیے جگہ نہ رہتی۔ جب کوئی شناسا گزرتا تو فرض کرکے ٹوکتے اور کہتے " آیئے کھانا کھایئے۔" بعض لوگ تو یونہیں معذرت کر کے

چلے جاتے۔ بعض کبھی آنے کا قصد کرتے مگر جب دیکھتے کہ جگہ تو ہی نہیں کوئی بیٹھے کہاں نادم ہو کے چلے جاتے۔ ایک شخص گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ آپ نے کھانے کی صلاح کی۔ اُس نے غالباً ان کے ستانے کے لیے ارادہ کیا کہ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے کھائے گھوڑے کو چبوترے سے ملا کے کھڑا کیا۔ اور کھانے لگا۔ ابوالاسود اُس کے اس فعل کو ناگواری کے ساتھ دیکھ ہی رہے تھے کہ گھوڑا بھڑکا اور وہ اُس کی پیٹھ پر سے اُچھل کے اس زور سے سر کے بل گرا کہ گردن ٹوٹ گئی۔

مگر ایک نوجوان شخص نے جو پیدل جا رہا تھا بڑی دل لگی کی۔ جیسے ہی ابوالاسود نے کھانے کی صلاح دی اُس نے آنے کا قصد کیا اور جب دیکھا کہ چبوترے پر جگہ نہیں ہے تو بے تکلف سارے خوان کو چبوترے پر سے اُٹھا کے نیچے سڑک پر رکھ لیا۔ اور کھانے لگا۔ ابوالاسود جز بز تھے اور حیران ہو ہو کے اُسے دیکھ رہے تھے اُس نے کہا "آپ دیکھتے کیا ہیں؟ کھانا ہو تو نیچے اُتر آیئے۔" آخر یہ بڑی ندامت سے اُتر کے نیچے گئے اور اُس سے کہا "صاحبزادے تمھارا نام کیا ہے؟" اُس نے کہا "لقمان حکیم" جواب دیا "بیشک تمھارے بزرگوں نے نہایت ہی مناسب نام رکھا۔"

ایک اعرابی نے بڑی دل لگی کی۔ ابوالاسود اپنے دروازے کے چبوترے پر کھانا کھا رہے تھے کہ اُس نے آ کے سلام کیا۔ اور بے پوچھے اوپر آ کے کھڑے ہی کھڑے کھانے لگا۔ اور یہ ہاتھ روک کے اُس کی بے باکیوں کو دیکھنے لگے۔ اس نے کہا "میں نے کہا" میں آپ کے گھر ہی کی طرف سے آ رہا ہوں۔" یہ تھے تو اپنے ہی گھر کہا "ہاں تمھارا گھر اُسی طرف ہو گا۔" بولا "جی ہاں۔ بلکہ آپ کی جورو حاملہ تھیں" انھوں نے کہا "ہاں میں اُنھیں حاملہ ہی چھوڑ آیا تھا۔" بولا "تو وضع حمل ہو چکا" کہا "ہونا ہی چاہیے تھا" بولا "اور دو بچے ہوئے۔" "ہاں ماں کی حالت سے یہ پہلے ہی ظاہر ہوتا تھا۔" بولا "دونوں بچوں میں سے ایک مر گیا۔" کہا "افسوس۔ دو دو کو دودھ نہ پلا سکی ہو گی۔" بولا "پھر وہ دوسرا بچہ بھی مر گیا۔" کہا "بھائی کے مرنے کے بعد بھلا کیا جیتا۔" بولا "اور ماں بھی مر گئی۔" کہا "دو دو بچوں کا صدمہ کیسے نہ مر جاتی؟" جب ان سب باتوں کا ابوالاسود پر کوئی اثر نہ ہوا اور جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے رہے تو اپنی شرارت سے تنگ آ کے کہنے لگا "مگر آپ کا کھانا بہت ہی لذیذ ہے۔" اُنھوں نے جھنجھلا کے کہا "اسی لیے تم اکیلے کھا گئے مجھے تو

خدا کی قسم چکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ آخر وہ تمام برتنوں کو صاف کرکے چل دیا
اور یہ بھوکے بیٹھے رہ گئے۔

ان کی ایک لونڈی تھی لطیفہ۔ اور اُس لونڈی کا بھی ایک غلام تھا جو ملم کے نام سے مشہور تھا اور تجارت وغیرہ کی وجہ سے دولت مند ہو گیا تھا۔ لطیفہ نے اپنے اس غلام کو دولت مند دیکھ کے اُس کے لیے ایک لونڈی خریدی اور اُس کے ساتھ اُس کا عقد نکاح کر دیا۔ اُن دونوں سے ایک بچہ ہوا جس کا نام زید رکھا گیا اس بچہ کو لطیفہ بہت ہی عزیز رکھتی تھی۔ اور جب وہ بڑا ہوا تو اُسی کو اپنی ساری جائداد کا مختار اور منتظم مقرر کر دیا۔ چند روز کے بعد لطیفہ بیمار ہو کے مر گئی۔ اُس کے مرتے ہی ابوالاسود نے ساری جائداد پر قبضہ کر لیا۔ زید سے حساب طلب کر کے جو کچھ روپیہ اُس کے پاس تھا سب چھین لیا۔ اور اُسے ایسا محتاج اور فقیر کر دیا کہ بصرے کی گلیوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا اور انھیں ترس نہ آتا تھا۔

اسی بخل اور کنجوسی میں بدنام ہونے کا یہ نتیجہ تھا کہ اکثر پڑوسیوں سے بگاڑ رہتا۔ اور پاس پڑوس والے ستاتے۔ ان کا مکان بنی دیل یعنی انھیں کے اہل قبیلہ میں تھا۔ اور پچھواڑے ایک اور شخص کا مکان تھا جس کا دروازہ دوسرے قبیلہ والوں کے محلہ میں تھا۔ درمیان کی دیوار میں دروازہ لگا تھا جس سے ان کو اور اُس کو دونوں کو آسانی تھی۔ انھیں پشت کی طرف جانا ہوتا تو اُس کے مکان میں سے ہو کے نکل جاتے اور اُسے اس محلہ کی طرف آنا ہوتا تو ان کے گھر میں سے ہو کے چلا جاتا۔ مگر چونکہ وہ ایک شریر آدمی تھا اور ابوالاسود کی مخالفت پر آمادہ تھا ارادہ کیا کہ بیچ کا دروازہ چھوپ دیا جائے۔ اہل محلہ نے سمجھایا کہ اس میں تمھارا کوئی فائدہ نہیں بلکہ دروازہ بند ہو جانے سے تمھیں اور ابوالاسود دونوں کو تکلیف ہو گی۔ مگر اُس نے ایک نہ مانی۔ اور دروازہ بند کر ہی کے چھوڑا۔ چند روز میں اُسے تکلیف ہونے لگی۔ اور اب آرزو مند ہوا کہ اب پھر وہ دروازہ کھلے مگر ابوالاسود نے نہ مانا۔ اور گو اُس نے اس غرض کے لیے بڑی بڑی سفارشیں اٹھوائیں مگر ابوالاسود نے کسی کی نہ سنی

اس کے بعد ان کا ایک ہم قبیلہ یعنی دؤلی شخص جو پڑوس ہی میں رہتا تھا دشمنی پر آمادہ ہو گیا۔ راتوں کو ان کے گھر میں ڈھیلے پھینکا کرتا۔ ابوالاسود نے تنبیہ کی تو وہ

شکایت کی۔ جس پر معززین قبیلہ نے جاکے اُسے لعنت ملامت کی اور کہا" ابوالاسود ہمارے قبیلہ کے فخر اور بزرگ ہیں تم جو اُن کے گھر میں پتھر پھینکتے ہو اس سے کہا مل جائے گا؟" اُس نے کہا" میں نہیں خود خدا اُنھیں سنگسار کر رہا ہے۔ اس لیے کہ وہ عزیزوں سے بے پرواا اور بخیل ہیں۔" یہ جواب سن کے لوگ مجبور ہو گئے۔ ابوالاسود کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو اُنھوں نے محلہ اور قبیلہ ہی کو خیرباد کہہ دی۔ اپنا وہ مکان بیچ ڈالا۔ اور بنی ہذیل کے محلہ میں دوسرا مکان مول لیا۔ اس کے بعد کسی نے پوچھا" آپ نے اپنا مکان بیچ ڈالا؟" جواب دیا" میں نے مکان کو نہیں بلکہ پڑوس کو بیچ ڈالا" اُن کا یہ جملہ اس قدر پسند کیا گیا کہ عربی میں ضرب المثل ہو گیا۔

ابوالاسود کو شادی کا زیادہ شوق تھا۔ عرب کی سوسائٹی میں یہ کوئی معیوب بات نہ تھی۔ صوفیوں کی وضع کا اتقا مسلمانوں میں بعد آیا ہے۔ اُس وقت تمام معززین اسلام مرد ہوں یا عورت۔ خاندان نبوت سے ہوں یا کبار صحابہ سے یا دوسرے ائمہ دین ہوں سب کا طرز عمل یہ تھا کہ جائز طریقہ سے نکاح کرنے حسین عورتوں کو پیام دینے اور بصورت لونڈیاں رکھنے میں کسی قسم کا عیب نہیں خیال کرتے تھے۔ یہی عرب کی سادی زندگی تھی۔ اور وہ یہی زندگی تھی جس نے عربوں میں اولوالعزمی پیدا کی۔

ابوالاسود کی اصلی بی بی ام عوف تھیں جو بنی قشیر کی بیٹی تھیں۔ اور بی بی کے تعلقات کی وجہ سے اُنھیں بعض اوقات بنی قشیر میں رہنا بھی پڑا۔ مگر خرابی یہ تھی ابوالاسود مخصوص و ممتاز شیعیان علی میں تھے اور بنی قشیر کا سارا قبیلہ معویہ کا طرفدار شیعہ عثمانی تھا۔ اور خود ان کی بی بی بھی شیعہ عثمانی تھیں۔ ان کا اُن لوگوں میں جاکے رہنا قیامت تھا۔ روز کچشتہ ہوتی۔ اور ہر وقت ایک جھگڑا رہا کرتا۔ وہ لوگ ان کے ستانے کے لیے ان کے سامنے حضرت علی کو بُرا کہتے۔ آپ یہ حملہ کرتے۔ اُنھیں گھڑی گھڑی غصہ دلاتے۔ اور راتوں کو ان کے مکان پر ڈھیلے برسایا کرتے۔ صبح کو جب یہ پوچھتے کہ یہ ڈھیلے کون پھینکا کرتا ہے تو جواب دیتے کہ" ہم میں سے تو کسی نے ڈھیلے نہیں پھینکے۔ غالباً تمھاری بدعقیدگی اور لامذہبی کی وجہ سے خدا ہی تمھیں سنگسار کر رہا ہے۔" اس پر برہم ہو کے اُنھوں نے چند شعر کہے جن میں پہلا شعر تو یہ ہے۔

یقولُ الاَرذلونَ بَنُو قُشیرٍ طِوالُ الدَّهرِ لا تَنسَی عَلِیّاً

(رذیل بنی قشیر کہتے ہین کہ تو کبھی علی کو نہین بھولتا)

پھر درمیان ان کا ایک شعر ہے۔

فَاِن یَکُ حُبُّہُم رُشداً اُصِبہُ وَلَستُ بِمُخطِیٍٔ اِن کانَ غَیّاً

اگر ان کی (اہل بیت کی) محبت کوئی خوبی ہے تو وہ مجھے حاصل ہوگی۔ اور اگر وہ غلطی بھی ہو تو مین خطاوار نہین ہو سکتا۔

اُن کے اس شعر پر بنی قشیر نے اور بعض لوگ کہتے ہین کہ خود معویہؓ نے اعتراضا کہا "اس سے تو معلوم ہوا کہ تمھین محبت اہل بیت کی خوبی مین شبہ ہے" بھلا ابو الاسود کا سا عالم زبان ایسے اعتراض کے جواب مین خاموش رہ سکتا تھا؟ جواب دیا کیا تمھین قرآن بھی یاد نہین رہا؟ اللہ جل شانہ فرماتا ہے "وانا وایاکم لعلی ہدی او فی ضلال مبین" (ہم اور تم دونون یا تو ہدایت پر ہین اور یا گمراہی مین مبتلا ہین)

چند روز بعد فاطمہ بنت وعمی نام قبیلۂ بنی عبد القیس کی ایک لڑکی سے نکاح کیا۔ جو نہایت ہی حسین و خوبرو اور صاحب جمال تھی۔ آخر عمر مین جب یہ پیر فانی ہو گئے اُس وقت پہلی بی بی ام عوف نے تو پوری طرح نباہی اور بڑھاپے مین عیب نفاقت کی مگر فاطمہ قیتسیہ جو جوان و خوبرو تھی صبر نہ کر سکی اُس نے ان کا ناک مین دم کر دیا۔ اور شب و روز پریشان کیا کرتی۔ جس طرح اُس کو جوانی مین پیر خانی شوہر کی وجہ سے تکلیف تھی ویسی ہی تکلیف اُس نے ان کو دی اور ان کی دنیا عذاب کر دی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُنھون نے بھی مرتے دم تک اُس کی جان نہ چھوڑی۔ پریشان ہوتے۔ اور اُس کی شکایت مین اشعار کہتے۔ مگر طلاق نہ دینا تھی نہ دی۔

بصرے مین جس جگہ ان کی نشست رہا کرتی وہان سامنے ہی ایک حسین و پری جمال عورت کا مکان تھا۔ اُس نے ان کی عزت و حرمت دیکھ کے خود ہی انھین شادی کا پیام دیا۔ اور کہا "مین دستکار ہون۔ خوش انتظام ہون۔ اور تھوڑے پے قناعت کر لیتی ہون۔ تمھین منظور ہو تو میرا تمھارا نکاح ہو جائے"۔ انھون نے منظور کیا اور فوراً شادی ہو گئی۔ عقد کے بعد وہ ان کے گھر آئی تو بالکل۔

اپنے بیان کے خلاف ثابت ہوئی۔ روپیہ چرا کے غائب کر دیا کرتی اور ان کے اکثر مخفی راز عالم آشکارا کر دیتی۔ آخر مجبور ہوئے۔ انھون نے اُس کے اُن تمام اعزا کو جو شادی کے دن آئے تھے جمع کیا۔ اور نظم مین اُن سے پوچھا "جو شخص فریب دے کے کوئی معاہدہ کرائے پھر نقصان پہونچائے۔ اور سمجھانے پر بھی اپنی حرکتون سے نہ باز آئے اُس کی نسبت تم کیا کہتے ہو؟" سب نے کہا "اس طرح جو معاہدہ کرایا گیا ہو صحیح نہین قابل فسخ ہے" یہ جواب پائے بولے "اس طرح کا معاہدہ کرانے والی تمھاری قوم کی یہ عورت جس سے مین نے عقد کیا ہے۔ لہذا اب مین اُسے تمھارے سامنے طلاق دیتا ہون" یہ کہہ کے طلاق دے دی۔ اور وہ عزیزون کے ساتھ اپنے قبیلہ مین گئی۔

قبایلہ عبد القیس کی ایک اور عورت کو بھی اُنھون نے پیام نکاح دیا تھا۔ اُس عورت کا نام اسمار بنت زیاد تھا۔ اور اُس کی بہت سی دولت بعض معززین قبیلہ کی امانت مین تھی۔ جس سے ابوالاسود کو بڑی رقم ہاتھ آنے کی امید تھی۔ اسی خیال سے اس تحریک کو راز رکھا۔ مگر اپنے ایک دلی دوست ہثیم سے تذکرہ کر دیا۔ ہثیم ایسا پیٹ کا ہلکا تھا کہ ایک اور نوجوان سے ذکر کر دیا۔ یہ بھی اتفاق کی بات تھی کہ اُسی نوجوان کے ساتھ اسمار کی منگنی ہو چکی تھی۔ خود اسمار ابوالاسود ہی کی گھر مین آنا پسند کرتی تھی لیکن قبیلہ کے دباؤ سے چاہتی تھی کہ اُن کے پیام کا واقعہ راز مین رہے اور جب اچھی طرح بحث وپز ہو جائے۔ اور قبیلہ کے معزز لوگ راضی کر لیے جائین تب نکاح ہو۔ اُس کے پہلے منگیتر کو جیسے ہی خبر ہوئی قبیلہ کے معزز لوگون کے پاس دوڑا گیا۔ اور کہا کہ "اسمار خود سر ہی سے ابوالاسود کے ساتھ نکاح کرنے والی ہے۔ جس طرح بنے اُسے روکیے۔ ورنہ آپ کے اختیار سے بالکل باہر ہو جائے گی۔ اور ابوالاسود سارا روپیہ آپ سے چھین کے اپنے قبضہ مین کر لین گے۔" یہ سنتے ہی سب نے اسمار پر دباؤ ڈالا کہ ابوالاسود کو جواب صاف دے اور اُن کے ساتھ نکاح ہونے کے خیال سے دست بردار ہو۔ ساتھ ہی سب نے زبردستی اُس کا نکاح اُس نوجوان کے ساتھ کر دیا اور ابوالاسود منھ دیکھتے رہ گئے۔ اس پر جو اشعار اُنھون نے کہے ہین اُن مین ہثیم کی راز فاش کر دینے کی شکایت کی ہے۔

اسی طرح ایک بار آپ بنی حنیفہ کی ایک حسین عورت پہ فریفتہ ہوے - اور بے تاب ذوق و شوق سے جا کے اُسے پیام دیا۔ اُس نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ سب باتین طے کر کے باہر نکلے تو اس کے ایک ابن عم نے گھر سے نکلتے دیکھ لیا۔ پوچھا "حضرت یہان کہان؟" کہا "تمھاری بنت عم کو نکاح کا پیام دینے آیا تھا - اور الحمد للہ کہ اُس نے میری درخواست قبول کر لی"۔ اس شخص کا چھوٹا بھائی اُس لڑکی پہ عاشق اور اُسکی آرزو مین بیتاب ہو رہا تھا - جیسے ہی یہ خبر سنی بنی حنیفہ مین دوڑا گیا - اور سارے قبیلہ والون کو خبر کر دی - اُنھون نے کہا "یہ ہرگز نہین ہو سکتا کہ ابوالاسود ہمارے قبیلہ کی لڑکی کو لیجائین"۔ چنانچہ اُنھون نے ایک شخص کو خاص اس کام پر مامور کیا کہ ابوالاسود جب کبھی بنی حنیفہ کی کسی صحبت مین آئین اُنھین چھیڑے ستائے اور ذلیل کرے - اس کے ساتھ اُنھین طرح طرح کی دھمکیان بھی دینا شروع کین - خلاصہ یہ کہ بیچارے کو اس حسینہ کی آرزو سے بھی دست بردار ہونا پڑا۔

اُنھون نے ایک لونڈی خریدی جو شکل صورت مین تو بہت اچھی تھی لیکن اُنکھون مین ذرا کجی تھی جسے لوگ ٹینٹھی کہتے - یہ اُس پر حد سے زیادہ فریفتہ تھے - لوگون نے نام رکھنا شروع کیا کہ آپ ایک ٹینٹھی لونڈی کے عاشق ہین - اس الزام کا جواب اُنھون نے اشعار مین دیا ہے جن مین کہتے ہین کہ "آنکھون مین ایسا خفیف عیب ہونے سے حسن تھوڑے ہی جاتا رہتا ہے؟"

ایک بار آپ نے سنا کہ بازار مین کوئی لونڈی بکنے کو آئی ہے جو نہایت ہی حسین و نازنین ہے۔ خود دوڑے گئے - دیکھا - پسند کیا - اور گھر آ کے اپنے غلام نافع کو جس کی کنیت ابوالصباح تھی روپیہ دے کے بھیجا کہ اس لونڈی کو میرے لیے خرید لاؤ - وہ گیا۔ قیمت طے کی - اور مول بھی لے لیا۔ مگر ان کے لیے نہین بلکہ خود اپنے لیے - جب یہ حال سنا تو ہاتھ مل کے رہ گئے - غلام پر بہت خفا ہوے - بگڑے - اور اُس کی مذمت مین شعر کہے۔ مگر لونڈی جس کی قسمت مین تھی اُس کی ہو گئی - ان کو نہ ملی۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک لونڈی خدمت کے لیے لی - وہ چاہتی تھی کہ ہم بستری کی عزت حاصل کرے اور انھین یہ منظور نہ تھا - نتیجہ یہ تھا کہ وہ اکثر انھین

چھیڑتی۔ بار بار اُن کا دامن پکڑ لیتی اور اُن کے دل میں جگہ پیدا کرنے کی کوشش کرتی۔ آخر جھنجھلا کے اُنھوں نے اُس کی مذمت میں بھی اشعار کہے۔ اور اُس سے صاف کہہ دیا کہ میں نے تجھے خدمت گزاری اور گھر کے کام کاج کے لیے لیا ہے ایسی شرارتوں سے باز آ۔

حکومت عزت شرافت اور علم وفضل نے اُن کے بہت سے دوست پیدا کر دیے تھے لیکن اکثر دوستوں نے انجام میں ایسی بے وفائیاں کیں کہ اُنھیں اکثر دوستوں سے شکایت رہی۔ سب سے بڑا دوست ابوالجارود سالم بن سلمہ ہذلی تھا۔ وہ اپنے شعر انھیں سناتا۔ یہ اپنے اشعار اُسے سناتے۔ اور روز گھنٹوں صحبت رہتی۔ اتفاقاً ابوالجارود کہیں کا والی مقرر ہو گیا۔ وہاں جا کے انھیں ایسا بھول گیا کہ کبھی کوئی خط بھیجا نہ قاصد۔ اور انھوں نے جو خط بھیجے تو ان کا جواب بھی نہ دیا۔ ابوالاسود نے اُس کی بے وفائی کو اشعار میں ظاہر کیا ہے۔

اسی طرح کا ایک دوست معاویہ بن صعصعہ تھا۔ جو پہلے دوست صادق تھا پھر ان کی مخالفت کرنے لگا۔ انھوں نے اس کی بے وفائی کا تذکرہ کیا تو اُس نے انکار کیا۔ پھر انھیں اُس کی مخالفت کا حال معلوم ہوا۔ اور پھر اُس نے معذرت کی۔ کئی دفعہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ اس وضع سے باز نہ آتا کہ پیٹھ پیچھے تو برائی کرتا اور سامنے معذرت۔ آخر اُس کی بھی اشعار میں خبر لی۔

ایک دوست نسیب بن حمید سلمی تھا۔ جو اکثر گھر میں آتا۔ مسجد میں پاس بیٹھتا اور قسمیں کھا کھا کے کہتا کہ دنیا بھر میں تم سے بڑھ کے میرا کوئی دوست نہیں ہے۔ ایک دن وہ ایک پوستین بیچنے کے لیے گھر سے لایا۔ انھوں نے پوچھا اس پوستین کو کیا کرو گے؟ بولا "بیچوں گا" کہا تو ایک کام کرو۔ بازار میں دکھاؤ۔ جو دام لگیں مجھ سے لے لو۔ اس لیے کہ مجھے ایک پوستین کی ضرورت ہے۔" اُس نے کہا آپ ضرورت ہے تو آپ کی نذر ہے۔ بھلا میں آپ کے ہاتھ بیچوں گا؟ لاحول ولا قوۃ انھوں نے کہا "یوں تو میں نہ لوں گا" اُس نے ہزار اصرار کیا انھوں نے قبول نہ کیا۔ آخر انھوں نے اپنے آدمی کے ہاتھ اس پوستین کو بازار میں دکھایا تو دو سو درہم دام لگے۔ انھوں نے پوستین رکھ لی۔ اور دو سو درہم اُس کے پاس

نکال دیے۔ اُس نے روپیہ واپس کر دیا اور کہلا بھیجا کہ "مین تو ڈھائی سو درہم سے کم پر نہ دون گا" یہ سن کے انھین بڑا تعجب ہوا کہ یا تو مفت نذر کر رہے تھے اور یا یہ ہیچ ادائی کہ ڈھائی سو سے کم پر نہ ہو گی۔ چنانچہ اشعار کے ذریعہ سے اُس کی بھی خبر لی۔ مگر یہ نہین معلوم کہ پوستین لی یا نہین غالباً نہ لی ہو گی۔ کیونکہ روپیہ کے صرف کرنے مین نہایت ہی محتاط تھے۔

گو کہ زیادہ محتاج نہ تھے لیکن اکثر لوگون کی مدد اور کفالت کو خوشی سے قبول کرتے بلکہ بعض سے امید وار اعانت بھی ہوا کرتے۔ عبدالرحمن بن ابی بکرہ نے ایک بار اُنھین شکستہ حال اور کم حیثیت کپڑے پہنے دیکھ کے پوچھا "اس لباس کو آپ کب تک پہنتے رہین گے؟" بولے "اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی لباس سے اُکتا تو جاتا ہے مگر مجبوریان علٰحدہ نہین کرنے دیتین" اس جواب نے ابوبکرہ پر ایسا اثر کیا کہ گھر جا کے کچھ نقد اور کپڑون کے سو تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ ان سے اپنا کام چلایئے" انھون نے نہایت شکر گزاری کے ساتھ قبول کیا۔ اور ان کی مدح مین شعر خوانی کی۔

حصین بن ابی الحر عنبری اور نعیم بن مسعود نہشلی حکومت زیاد کے زمانے مین مختلف مقامات کے حاکم تحصیل تھے۔ ابوالاسود سے چونکہ دونون سے تعلقات تھے لہذا ان دونون کے پاس آدمی بھیج کے مدد اور کفالت کی خواہش کی۔ نعیم نے تو ان کی آرزو کے مطابق خدمت کی۔ اور ایسا کچھ دیا کہ یہ خوش ہو گئے۔ مگر حصین نے برافروختہ ہو کے ان کا خط پیچھے پھینک دیا۔ جو کہ اہل عرب مین سخت تحقیر کرنے کی علامت تھی۔ آدمی نے واپس آ کے جب یہ حال بیان کیا تو ابوالاسود نے حصین کی ہجو مین چند اشعار کہے جو ان کی زبان سے نکلتے ہی عوام مین مشہور ہو گئے۔ حصین نے جب ان شعرون کو سنا تو نہایت ہی برہم ہوا اور انھین برا بھلا کہا۔ ان کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انھون نے اشعار سے اس کی اور زیادہ خدمت کی جس نظم نے اُسے بہت ہی بدنام اور ذلیل کر دیا۔

اس سے بڑھ کے اور کیا ہو گا کہ اس کے مدتون بعد اسی حصین کے پوتے عبیداللہ قاضی بصرہ تھے۔ کسی شخص نے ان کے اجلاس مین اپنا دعوی پیش کیا۔ دوران مقدمہ مین کسی موقع پر بسبیل تمثیل قاضی عبیداللہ نے ایک شعر پڑھا مدعی نے خود آ بڑھ کے کہا "مین کچھ

پوشیدہ طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں" قاضی صاحب نے کان قریب کر کے کہا "فرمائیے" کہا "اس شعر کا چھپانا سب سے زیادہ آپ ہی کا کام ہے۔ یہ اُن اشعار میں ہے جو ابوالاسود دؤلی نے آپ کے دادا حصین کی ہجو میں کہے تھے۔" یہ سن کے قاضی عبیداللہ ہنسے۔ اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر دعوی جو بالکل بے بنیاد تھا خارج کر دیا۔ اور رقم مستدعیہ اس احسان کے معاوضے میں مدعی کو اپنے پاس سے دلوا دی۔

دودھ کا بڑا شوق تھا اور دو ایک دودھ دینے والی اونٹنیاں ضرور رہا کرتیں۔ ایک صاحب کو ان کی ایک اونٹنی اتفاقاً پسند آ گئی۔ اور اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح اسے سستے داموں ابوالاسود سے لے لیں۔ ایک دن ملنے کو آئے اور اس اونٹنی کے عیب بیان کرنا شروع کیے کہ اس میں یہ عیب ہے اور یہ خرابی ہے لیکن اگر آپ اسے بیچ ڈالیں تو میں اس خیال سے خرید لوں گا کہ آپ بالکل گھاٹے میں نہ رہیں۔ یہ ان سے بھی بڑے اُستاد تھے چنانچہ اُن کی کوئی بات پیش نہ گئی۔ اور ہر بات میں اُنھیں قائل کر دیا۔ آخر وہ مجبور ہو کے واپس گئے اور اُنھوں نے اُن کی ہجو میں بھی چند اشعار کہہ ڈالے۔

شاعری کا بہت زیادہ شوق تھا۔ اور پورا دیوان موجود ہے۔ مگر فارسی اور اردو شعرا کا سا دیوان نہیں جس میں محض طرحوں پر بے ضرورت طبع آزمائی کی جاتی ہے۔ اُن کے تمام اشعار واقعات سچے جذبات اور دلی جوش سے لبریز ہیں جب کوئی واقعہ پیش آتا یا کسی بات کا جوش دل میں پیدا ہوتا اُسے اشعار کے ذریعہ سے ظاہر کر ڈالتے۔ اسی وجہ سے ان کا دیوان ایسا ہے جس سے اُن کی پوری سوانح عمری کا پتہ لگا کے اُن کی لائف مرتب کی جا سکتی ہے۔ بخلاف اس کے ہمارے شعرا نظم کے طومار جمع کر دیتے ہیں جن سے اُن کی زندگی اور اُن کے حالات کو کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ اور اگر سچ پوچھیے تو زندہ اور مردہ شاعری میں یہی فرق ہے۔

روزانہ پھرنے۔ اور باہر کی سیر سے ورزش کا فائدہ اُٹھانے کی برکت تھی کہ بہت بڑی عمر پائی۔ اور آخر عمر تک اُن کے حوصلوں میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے پایا تھا۔ ضعیف العمری میں کسی ضرورت سے ملک فارس کے سفر پر آمادہ ہو گئے۔ بیٹے نے کہا "بابا جان۔ اب آپ کے قوی ویسے نہیں رہے۔ یہ جھیلنے کا جاڑا اور آپ فارس کو چلے

ہین۔ جاڑون کی شدت ذرا کم ہولے اور قافلون کی آمد و رفت جاری ہو جائے تب چلے جایئے گا۔ آج کل سفر مین مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کے دشمنون کو کوئی صدمہ نہ پہونچ جائے اس کے جواب مین اُنھون نے اپنے چند شعر پڑھے جن مین ظاہر کیا ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے انسان کو راضی بہ رضا رہ کے صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ الغرض بیٹی کا کہنا نہ مانا اور کوچ کی تیاریان کر دین۔

وہان سے واپس آنے کے بعد فالج گرا۔ جس نے بہت کچھ معذور کر دیا۔ مگر پھر بھی روز باہر کی ہوا کھاتے۔ اور جس طرح بنتا شہر کا ایک چکر ضرور لگا لیتے۔

اُن کی اولاد کے متعلق صرف اس قدر پتہ لگ سکا کہ ایک بیٹا تھا اور ایک بیٹی۔ بیٹے کا نام تو ابو حرب تھا۔ مگر بیٹی کا نام نہین معلوم۔ غالباً یہی بیٹی تھی جس کی زبان کی غلطی دیکھ کے حضرت علیؓ کے پاس دوڑے گئے۔ اور علم نحو کے ابتدائی اصول حاصل کیے تھے۔ اور اُسی نے آخر عمر مین سفر فارس سے روکا تھا۔

خود ابو الاسود کی قناعت و خانہ نشینی کا اُن کے بیٹے ابو الحرب پر بھی اثر پڑ گیا۔ چنانچہ اُنھون نے بھی باپ کی طرح دُنیا طلبی اور کسب معیشت مین غفلت کرنا شروع کی۔ یہان تک کہ اُن کا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھ رہنا ابو الاسود کو ناگوار گزرنے لگا۔ ابو حرب نہ کہین نوکری کرتے۔ نہ کسی قسم کی تجارت کرتے۔ اور نہ کوئی ذریعہ تحصیل زر کا تھا۔ اس پر ابو الاسود نے انھین سرزنش کی تو کہا "میری قسمت مین جو ہے ہوگا۔ اور جو کچھ ملنے والا ہے ہر طرح مل جائے گا" اس کے جواب مین ابو الاسود نے یہ دو شعر کہے۔

وما طلبُ المعیشۃ بالتمنّی ولکن اَلقِ دلوک فی الدلاء

معاش کو تلاش کرنا کسی چیز کو زبردستی چاہنا نہین ہے بلکہ لوگون کے ڈولون کے ساتھ تم بھی اپنا ڈول ڈال دو۔

تجئک بملئہا یوماً ویوماً تجئک بحمأۃ وقلیل ماء

ایک دن تو وہ پانی سے بھرا ہوا آئے گا اور ایک دن اُس مین زیادہ کالی مٹی اور تھوڑا سا پانی ہوگا۔

آخر ۸۵ برس کے ہو کے سنہ ۶۹ھ مین مرض موت مین مبتلا ہوئے مرتے وقت لوگون نے کہا "آپ کو ہم مغفرت اور جنت کی خوشخبری دیتے ہین" ٹھنڈی سانس لے کے

جواب دیا "افسوس - ایسی زندگی کہان سے لاؤن جس سے مغفرت کی امید ہو" عام راے یہ ہے کہ طاعون جارف مین جابن اور بہت سی خلقت نذر اجل ہوئی اُنھون نے بھی سفر آخرت کیا مگر بعض لوگ کہتے ہین کہ اس سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے - اس لیے کہ مختار کے عہد مین اُن کا کہین ذکر نہین آیا ہے - بہرتقدیر ایک طولانی زندگی بسر کرکے اور حضرت علی جن کی محبت کا مرتے وقت تک دم بھرتے رہے تھے اُن پر اور اُن کے محترم خاندان پر طرح طرح کے مظالم اپنی آنکھون سے دیکھ کے دنیا سے رخصت ہو گئے - انا للہ وانا الیہ راجعون -

ماہ اپریل کا موسم کشمیر

باغ عالم کی ہر روش پر کھڑے ہو کر ذرا غمیق نظر سے دیکھو کہ یہان کے تغیرات وانقلابات مین کیسے کیسے عبرت خیز حالات مضمر ہین - رات کے اختتام پر دن کا جلوہ افروز ہونا اور شب و روز اوقات کا بد لتا رہنا در پردہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ گردش دولابی کسی نہایت ہی تیز رفتار مشین سے وابستہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ دن جو ہم سے رخصت ہو گیا "کل" کے نام سے موسوم ہو کر ہماری ہزار ہا آرزؤن کو دوسری آنے والی "کل" کے آغوش مین چھوڑ جاتا ہے - اور ہم پورے تعلق خاطر کے ساتھ اُس امید بھری "فردا" کے منتظر ہو جاتے ہین - آخر ارمانون کے جھرمٹ مین اور تمناؤن کے پُرشان جلوس کے ساتھ وہ "کل" "آج" کا لباس پہن کے سامنے آتی ہے اور ہم جی بھر کے اُس کا کرو فر دیکھنے بھی نہین پاتے کہ سارے کام ادھورے اور ساری آرزوئین ناتمام چھوڑ کے نظر سے غائب اور اُس نقطہ موہوم سے جا ملتی ہے جو در اصل معدومیت کا نشان ہے - اسی کل والی "کل" پر منحصر نہین اُس عالم ناپائدار کی ہر رات ہر دن - ہر ماہ - ہر سال بلکہ سارے عالم ہستی کی انتہا یہی نقطہ موہوم ہے -

مگر اس نقطہ موہوم پر پہونچنے سے پہلے ساری آیندہ مسرتین "آج" کے شہ نشین پر آکے عجیب عجیب جلوے اور بڑی بڑی پُر لطف کیفیتین دکھا دیا کرتی ہین جن مین سے بعض تو ایسی ہوتی ہین کہ کسی طرح بھولنے ہی کو نہین آتین - چنانچہ دلچسپیون کے اسی سلسلہ مین ہر سال موسم کا دور بھی ایک وقت معین پر اپنا دلچسپ خواب دکھاتا ہے - لیکن نگاہ پُرشوق اُس سیر سے سیر نہین ہونے پاتی کہ موسم بہار کسی بے درد مہمان

شب کی طرح دامن ہاتھ سے چھڑا کے نکل جاتا ہے اور وہ ناتمام سیر ایک خواب پریشان بن کے یاد رہ جاتی ہے۔

انھیں موسمی دلچسپیوں میں سب سے زیادہ پُر لطف ہر سال ماہ اپریل میں وادی کشمیر کی ارض مقدس کا سماں ہوتا ہے۔ جہاں زمین حلۂ بہشت پہن کے آسمان پر چشمک زن ہوتی ہے۔ ہر پہاڑ طور سینا بن جاتا ہے۔ سیاحوں اور جمال قدرت کے شیدائیوں سے ارنی کے نعرے بلند ہوتے ہیں اور ادھر ہر طرف سے معبد تمکنت آواز آتی ہے کہ لن ترانی۔ زمین عروسی لباس پہن کے خاکساری بھول جاتی ہے اور آسمان کی طرف خطاب کر کے کہتی ہے "تیری پیشانی پر اگر تارے جگمگا رہے ہیں تو میرے دامن کا ہر پھل بوٹا اور میرے آغوش کی ہر ہر کلی تیری آب و تاب کو ماند کر رہی ہے۔ تیرے سر پر اگر کہکشاں کی موتیوں بھری مانگ ہے تو میرے دامن میں لہرا لہرا کے بہنے والے دریائے جہلم کا لہریا ٹکا ہوا ہے۔ تیری شفق اگر لیلائے شب کے رخ زیبا پر سرخ غازہ ملتی ہے تو میرے چمن زار دن میں ہر پھولوں کا کبریت احمر دکھا دکھا کے آخر تک ید بیضا کا معجزہ ظاہر کرتا رہتا ہے۔ مشاطۂ قدرت نے اگر تجھے مہر و ماہ کا زیور پہنایا ہے تو مجھے سر سے پاؤں تک ایسے ایسے سیکڑوں جواہرات سے آراستہ کر کے معشوقۂ عالم بنا دیا ہے۔ مانا کہ اُس حضرت رب العزت نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں "لولاک لما خلقت الافلاک" فرما کے تجھ میں ایک کی جگہ چار چاند لگا دیئے۔ اور آپ کی سیر سمٰوات دنیا کی اعلیٰ ترین معراج تھی مگر کیا تجھے یہ نہیں یاد رہا کہ جس فخر بنی آدم کی شان میں یہ ارشاد ہوا ہے اُن کے قدموں سے ساری فضیلت زمین ہی کو حاصل تھی۔ مانا کہ تیری حوریں حسن و جمال میں اپنا نظیر نہیں رکھتیں مگر سچ بتا دلکشی اور دلربائی کے جیسے نرشے کشمیر جنت نظیر کے مہوشوں اور اس مینو سواد سرزمین کی پیاری صورتوں نے دکھائے ہیں کبھی کسی عروس فلک کو بھی نصیب ہوئے تجھے ہا تیرے ہاروت و ماروت آج تک دنیا میں اسیر ہیں اور دنیوی دلرباؤں کی کشش حسن کا ثبوت دے رہے ہیں۔ بھلا تیرے بالاخانے پر بھی کوئی ایسا دلدادۂ ارض ہے جسے کسی حور نے اپنے کمند گیسو میں اُلجھا کے اوپر کھینچ لیا ہو؟ افسوس تاروں کی آنکھیں دن کو نہیں کھلتیں ورنہ دیکھتے کہ مشاطۂ قدرت میری عروس بہار کی زیب و زینت کے لیے کیسے کیسے سامان کر رہی ہے۔ کالی گھٹا میں اس شاہد رعنا کی کاکل

ہیجان مین جنھون نے اپنی لمبی اور نہ سمجھنے والی کمند مین اسیر کرکے ایک عالم کو پریشان کر رکھا ہے - وہ دامن ہائے کوہ اس دلربا نازنین کا چہرۂ زیبا ہین جو صدہا رنگ کے زیور مرصع سے آراستہ ہے - ابر اس معشوقۂ ماہ طلعت پر نچھاور کرنے کے لیے موتی برسا رہا ہے - جنھین مشاطۂ بہار جمع کر کرکے اُس کے نازک اعضا پر آراستہ کرتی اور اُس کے بہشتی حلون مین ٹانکتی جاتی ہے - اس خطۂ بے نظیر کی ساری زمین پر عروس بہار کی سیر و تفریح کے لیے سبزے نے اپنا مخملین فرش بچھا دیا ہے - جو ہر جگہ ایک نئی شان اور نئی آن بان سے رنگ بدلتا اور صناع ان قدرت کی جدت طرازیون کا ثبوت دیتا ہے - اگر سرسون کے کھیتون مین یہ فرش بسنتی ہو گیا ہے تو السی کے کھیتون مین زنگاری ہے یا کشت زعفران مین سونا برس رہا ہے تو اُس کے قریب ہی کسی تختے مین سفید پھولون کی چادر بچھ گئی ہے - پھر ان رنگ رنگ کی زمینون پر صدہا رنگ کے پھولون نے بیل بوٹے بنائے ہین جن مین سے ہر ہر پھول اور ہر ہر کلی اپنے حسن پر نازان ہے - پھر ان رنگ برنگ زمینون اور گوناگون گل آرائیون پر شبنم کے موتیون کی سجاوٹ معلوم ہوتا ہے کہ عروس کشمیر کو مشاطۂ بہار نے سر سے پاؤن تک موتیون سے آراستہ کر دیا ہے ہلکی ہلکی پھوہار اس معشوقہ کے کپڑون مین روز موتیون کی نئی جھالرین ٹانکا کرتی ہے - درختون کو دیکھیے تو ہر شجر نونہال چمن بنا ہوا ہے - دامن کہسار مین نسرین و سمن کے گلبنون کا اجلاپن ایک نہایت ہی مناسب ترتیب سے اپنے سکون و سکوت کی شان دکھا کے ناظرین کو محو حیرت بنائے ہوئے ہے - معلوم ہوتا ہے کہ یہ گلبن نہین تجلیات ربانی کے مظاہر ہین - اس رنگینی عالم کے زمانے مین جن درختون مین شگوفے نہین اُن کا بھی یہ حال ہے کہ صالحین جنت کا لباس سبز پہن لیا ہے - مست خرام ہوا کے جھونکون سے خوش ہو ہو کے اپنی برگ و نوا سے حمد باری کا نغمہ گاتے - اور بیخودی کے ساتھ سرون کو سجدے مین جھکا جھکا کے اُٹھاتے ہین - اور اس سے بھی سیری نہین ہوتی تو جھک جھک کے معشوقان چمن کا منھ چومتے - پھر خوشہ ہائے انگور کے لب میگون سے لب بلب ہوکے مے ہوش ربا سے سیراب ہو کے اس طرح مصروف رقص ہو جاتے ہین کہ معلوم ہوتا ہے صوفیان پاک باطن پر حال کا عالم طاری ہے -

آہ اے فلک ناپائدار و نیرنگ سیب کے درختون کو دیکھ ناشگفتہ کلیان ہین کہ کسی

پاش کش حسینہ ماہ طلعت کی گوری انگلیاں جن کی نوکیں عاشق کے خون میں ڈوب کے باعث ابھرین گئی ہیں۔ شگفتہ پھول شباب میں ڈوبی ہوئی شوخ ادا دلربائیں ہیں۔ اور پھول نسیم کی سرد مہری سے زمین پر گر گئے ہیں وہ بھی نازک دل بلبل کے زخم پر نمک پاشی کر رہے ہیں۔

زمین اپنی اس خوش نصیبی پر نازان اور آسمان پر طعنہ زنی کر رہی تھی کہ یکایک چمن زار میں سوسن نے بصد زبان گلاب اور سارے پھولوں کے کان میں کوئی ایسی بات کہہ دی کہ سب کے چہرے اُتر گئے۔ نسترن حسن مہروشان چمن کے چہروں پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ نرگس کی چشم مخمور میں آنسو بھر آئے۔ سب پھول مرجھا مرجھا کے گلبن سے گرنے لگے۔ اور گلزار کی حالت ہی دگرگون ہو گئی۔ یہ حالت دیکھتے ہی زمین کو اپنے تمام دعوے بھول گئے۔ گھبرا گھبرا کے ہر ہر شاہد چمن سے پریشانی کا سبب پوچھنے لگی۔ آخر کھلا کہ سوسن نے آمد خزان کا پیغام سنا کے سارے حسینان چمن کو پریشان کر دیا۔ جسے سنتے ہی نونہالان چمن کا نشہ ہرن ہو گیا۔ اور جسے دیکھیے اُس کا چہرہ زرد تھا۔

آہ! یہ ساری بہار اتنی ہی دیر کے لیے تھی۔ ع روے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد
ہر کل والی کل نے آج کی صورت اختیار کر کے جو لطف دکھایا تھا ایک چشم زدن میں فنا ہو کے اسی نقطہ موہوم سے جا ملا جو ہمیشہ مزہ کر کرا کر دیا کرتا ہے۔ جانتے ہیں کہ یہ خزان بھی نہ رہے گی ع بہار نماند چنین نیز ہم نخواہد ماند۔ لیکن اس وقت تو سارا مزہ جاتا رہا۔ کیسے عیش و طرب میں مصروف تھے۔ کس طرح شاہد آرزو سے ہم آغوش تھے۔ اور کس لطف کے ساتھ تمناؤں اور ارمانوں کی خوش جمال پریوں کو سینے سے لپٹائے ہوئے تھے۔ آہ! ادھم بھر پلٹ کچھ بھی نہ رہا۔ کیا تھا اور کیا ہو گیا؟

پہلے یہ ہے کہ ان آزار دہ تغیرات و انقلابات سے کوئی نہیں بچا۔ اور موالید ثلثہ میں سے کوئی بھی نہیں جو زمانے کی اس بے رحمی سے محفوظ رہتا ہو۔ یا ان جانگزا صدمات کے اثر سے اینچ نہ پاتا ہو۔ یہی انقلاب بتا رہے ہیں اور اسی رد و بدل سے پایا جاتا ہے کہ اس گردش دولابی کا اثر رات دن سال و ماہ سب ہی پر پڑتا ہے۔ اور عالم تخلیق میں ہماری نظر کے سامنے تو کوئی ایسا نہیں جسے مصیبت نہ ستاتی ہو۔ ہاں اس کون و فساد اس ردوبدل اور اس حدوث و انقلاب سے اگر کوئی بچا ہے تو وہ کارساز مطلق جو اس دولابی مشین کو

چلا رہا ہے اور جس کی سرمدی ذات ہمیشہ اپنے اعلیٰ کمالات کے ساتھ یکساں عظمت
جلال سے قائم رہی اور ہمیشہ قائم رہے گی۔ لہذا اے سرگشتگان وادی حیرت اور
دست برد سے پناہ مانگنے والو اگر اس رد و بدل اور ان انقلابات سے بچنا چاہتے
ہو تو تم بھی اسی ذات سرمدی اور اسی ایک حال پر قائم رہنے اور فنا و
بقا کی کشمکش سے مبرا و منزہ ہونے والے صناع مطلق سے قربت حاصل کرو تا کہ تم
بھی بہار و خزاں کے انقلابات سے مصئون و مامون رہو کیونکہ تمھیں اس سے جس قدر
قربت ہوتی جائے گی اسی قدر حدوث و تکوین کی تکلیفوں سے آزاد ہوتے جاؤ گے

راقم راجہ شیر خاں جاگیردار بھی پورہ راجپوت

ایک ہندو دربار میں مسلمان ایلچی

(نمبر ۲)

مولانا کمال الدین عبدالرزاق فرماتے ہیں "میں آخر ذی الحجہ میں وارد بیجانگر ہوا تھا۔ ایک بلند عالی شان مکان میں ٹھہرایا گیا جہاں پہونچتے ہی مجھے ایسا آرام ملا کہ سفر کی تکلیف سے نجات پائی۔ اور کئی دن تک ستاتا رہا۔ یہاں تک کہ ماہ محرم کی پہلی تاریخ ہوئی اور میں ایک پر لطف شہر کی سیر کر رہا تھا اور ایک نہایت ہی عیش و آرام کے گھر میں مقیم تھا۔

یکایک ایک دن راجہ کا چوبدار آیا اور بتایا کہ مجھے حضور راجہ صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ شام کے قریب محل میں گیا۔ اور حاضر دربار ہوتے ہی میں نے پانچ خوبصورت گھوڑے اور دو کشتیاں جن میں سے ہر ایک میں نو نو تھان دیبائے و مشتی کے تھے نذر کیں۔ اس وقت راجہ صاحب اپنے چہل ستون کے دیوانخانے میں بڑی شان و شوکت سے رونق افروز تھے۔ اور ان کے دونوں جانب برہمنوں اور دیگر معززین دربار کا مجمع کثیر تھا۔ زیتونی رنگ کے اطلس کا لباس تھا اور گلے میں موتیوں کا ایک مالا تھا جس میں ایسے اعلیٰ درجہ کے اور بڑے بڑے موتی تھے کہ جوہری بڑی دشواری سے ان کی قیمت کا اندازہ کر سکتے
رنگت گندم گون تھی اور کشیدہ قامت تھے۔ عمر کے لحاظ سے ابھی عنفوان شباب تھا اس لیے کہ وہ سبزہ آغاز تھے اور ٹھوڑی پر ابھی تک بال نہیں نکلے تھے۔ بہرحال ان کی

ہیبت اور وضع قطع میں کوئی ایسی بات تھی کہ حاضرین پر رعب پڑتا تھا۔

میں نے نذرانہ پیشکش کرنے کے بعد سر جھکا کے آداب بجا لایا۔ جس پر خوش ہو کے انھوں نے مجھے اپنے قریب بٹھا لیا اور جو خط میں نے اپنے بادشاہ کی جانب سے پیش کیا تھا اپنے ہاتھ سے لے کے ترجمان دربار کے حوالے کیا۔ پھر مجھ سے کہا "اس بات پر میرا دل بہت ہی خوش ہے کہ سلطان اعظم نے اپنا ایک سفیر میرے پاس بھیجا" اس وقت میں کچھ تو ہوا بند ہونے کی وجہ سے اور کچھ اپنے کپڑوں کے بوجھ سے پریشان اور پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ میری اس حالت پر ترس کھا کے راجہ صاحب نے ایک خطائی پنکھا جو اُن کے ہاتھ میں تھا میرے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد لوگ ایک کشتی لائے جس میں رکھ کے مجھے پان کی دو ڈھولیاں، ۲۰ مثقال کافور اور دیگر اشیا دی گئیں جنھیں لے کے میں وہاں سے رخصت ہو کے میں اپنی فرودگاہ پر آیا۔ کھانے کے عوض سید معاینی بیدکی جنسیں میرے لیے راجہ صاحب کے وہاں سے روزانہ آتی تھیں جن میں دو مینڈھے، دو مرغیاں، ۵ من چاول (من سے مراد غالباً اُس زمانے کا کوئی چھوٹا وزن ہے)، ایک من گھی، ایک من شکر اور دو اشرفیاں ہوتی تھیں۔ ہفتہ میں دو بار شام کے قریب میں راجہ کی باریابی سے سرفراز ہوتا تھا۔ اس موقع پر راجہ صاحب مجھ سے خاقان سعید شاہرخ مرزا کے حالات دریافت کیا کرتے۔ اور ہر حضوری میں مجھے پان مع مسالہ اور کافور ملا کرتا۔ ترجمان کے ذریعہ سے راجہ صاحب نے مجھ سے فرمایا "ہمارے بادشاہ سفیروں کو ساتھ کھلاتے اور اُن کے سامنے کھانا چنواتے ہیں لیکن ہم پر غیر ممکن ہے۔ اس لیے کہ میں اور تم ساتھ نہیں کھا سکتے۔"

اس موقع پر قابل مصنف نے ہندوستان کے پان کا تذکرہ کیا ہے اُس کے کھانے کی ترکیب بتائی ہے۔ اُس کے فوائد اور لذت بتائی ہے۔ اور لکھا ہے کہ علاوہ دیگر منافع کے پان مقوی بھی بہت زیادہ ہے اور غالباً یہی سبب ہے کہ راجہ کے رنواس میں سات سو کے قریب رانیاں اور حرمیں ہیں۔ کوئی لڑکا جس کی عمر دس سال سے زیادہ ہو محل کے اندر نہیں جانے پاتا۔ اور ہر رانی اور حرم کے متعلق ماماؤں کہاریوں وغیرہ کا خاص عملہ ہے۔ محل میں دو رانیاں ایک مکان میں نہیں رہ سکتیں۔ بلکہ ہر ایک کا مکان اور اُس کے ساتھ پکانے والیاں کہاریاں اور چھوکریاں سب جدا مقرر ہیں

نگر مین جب کوئی حسین و پری جمال لڑکی نظر آتی ہے تو مان باپ کو راضی کرکے خریدلی جاتی ہے۔ جس کے بعد وہ بڑے تزک و احتشام سے حرم مین لا کے داخل کی جاتی ہے۔ پھر اُسے کوئی نہین دیکھ سکتا۔ اور اُس کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔

یہان آنے سے پہلے جب مین کالی کٹ مین پڑا ہوا تھا بیجانگر مین ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ مہاراجہ صاحب کے بھائی نے ایک نیا محل تعمیر کرایا تھا۔ جب وہ تیار ہو گیا تو مہاراجہ اُس کے وزیرون درباریون۔ اور معززین شہر کی دعوت بڑی دھوم دھام سے کی۔ سارے شہر کے نقارے جھانجھ اور ترہیان بجانے والے جمع کیے کہ جب کوئی مہمان محل کے کمرے مین داخل ہو زور و شور سے بجایا کرین۔ سارے امراے شہر اور کل ارکان دولت اور جاگیردار ایک بڑے ہال مین جمع تھے مگر چونکہ ہندوؤن مین لوگ ایک ساتھ بیٹھ کے نہین کھا سکتے اس لیے ہر امیر علیحدہ علیحدہ اُٹھا کے اندر چوکے مین لے جایا جاتا اور جیسے ہی وہ اندر قدم رکھتا وہ شخص آکے اُسے تلوارون سے کاٹ ڈالتے۔ اور باجون کے شور و ہنگامہ مین کسی کی چیخ پکار کی آواز بھی نہ سنی جاتی۔ اس طرح سارے درباری اکثر معززین شہر اور تمام افسران فوج ایک ایک کرکے قتل ہو گئے۔ اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔ یہان سب کے بعد بے مہر بھائی خود راجہ صاحب کی خدمت مین حاضر ہوا اور عرض کی کہ "آپ حضور غریب خانے پر رونق افروز ہو کے ہماری عزت افزائی فرمائین" چونکہ راجہ کی زندگی تھی اور خدا کو اُس کی جان بچانا تھی اس لیے کہنے لگا "اس وقت میری طبیعت نہین اچھی ہے۔ مین نہین آسکتا۔ تم اور سب لوگون کو کھلا دو" بھائی کے اصرار پر جب راجہ نے کسی طرح نہ قبول کیا تو وہ خنجر نکال کے جسے چھپائے لیے گیا تھا جھپٹ پڑا اور راجہ پر کئی حربے کرکے اُسے اس طرح ڈھکیلا کہ وہ بے دم ہو کے تخت کے پیچھے جا گرا۔ راجہ کو گرتے دیکھ کے دغا باز بھائی سمجھا کہ وہ مر گیا لیکن اس پر بھی اپنے ایک سازشی کو اُدھر بھیجا کہ اُس کی لاش کو کاٹ کے قیمہ قیمہ کر دے اور اُس کا سر کاٹ لائے۔ یون اپنا پورا اطمینان کرکے وہ محل کے دروازے پر آیا۔ اور تمام لوگون سے پکار کے کہا "مین نے راجہ۔ اُس کے بھائیون۔ امیرون۔ وزیرون اور سارے فوجی افسرون کو قتل کر ڈالا اور اب تمہارا بادشاہ مین ہون!"

اُدھر وہ شخص جو راجہ کا سر کاٹنے کو گیا تھا جب تخت کے پیچھے اُس کے قریب گیا

راجہ جو دراصل مرا نہ تھا بلکہ بے دم ہو کے گر پڑا تھا سنبھل بیٹھا اور اپنی تلوار سے اُس پر ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ اُسی جگہ ڈھیر ہو گیا۔ اتنے مین راجہ کا ایک جان نثار دوست بھی آ گیا جس نے اپنی تلوار سے اُس کا کام بالکل تمام کر دیا اور راجہ اور وہ دونون زنانے محل مین سے ہو کے باہر نکل گئے۔

اب راجہ کا غاصب اور غدار بھائی ہر طرف سے مطمئن ہو کے عدالت مین اجلاس کر رہا تھا اور لوگون سے اپنی بادشاہی کا عہد لے رہا تھا کہ یکایک راجہ نمودار ہوا۔ جس نے مجمع مین آتے ہی باواز بلند کہا "دیکھو مین زندہ موجود ہون۔ اس قاتل بدمعاش کو فوراً گرفتار کر و۔" اس آواز کے ساتھ ہی تمام حاضرین دربار غدار مدعی سلطنت پر جھپٹ پڑے اور دم بھر مین کاٹ کے ڈال دیا۔ اب دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ سارے اعزاے شاہی تمام اخوان السلطنت اور کل وزرا و امرا قتل ہو چکے تھے۔ سوا راجہ کے وناٹک کے جو اتفاق سے سیلان مین گیا ہوا تھا۔ وہ فوراً آدمی بھیج کے بُلوایا گیا اور جتنے لوگ اس سازش مین شریک تھے طرح طرح کے عذابون سے قتل کیے گئے اور اس آنست میں راجہ کے زندہ بچ جانے پر مہانومی کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔

اس تقریب کے موقع پر مولانا عبدالرزاق بیجانگر مین موجود تھے۔ کہتے ہین کہ تمام اعیان سلطنت امراے شاہی اور رؤساے اضلاع کو راجہ کی طرف سے حکم تھا کہ مہانومی کے دن رجب کی ۱۴ ار (ستمبر ۱۴۴۲ء) کو سب لوگ دردولت پر حاضر ہون۔ بڑے بڑے زمیندار اور حکام ساری قلمرو سے جو تین مہینہ کی مسافت تک پھیلی ہوئی تھی بڑے بڑے لشکرون اور ہزارون ہاتھیون کے ساتھ نوبت نقارے بجاتے ہوے آ کے بیجانگر مین جمع ہوے۔ ان ہاتھیون کی پیٹھون پر خوبصورت ہودے تھے جن مین روغن نفت کی پچکاریان مارنے اور آگ برسانے والے سُورما بیٹھے ہوے تھے۔ اور ان ہاتھیون کو سونڈون مستکون اور کانون کو عجیب عجیب قسم کے رنگ برنگ نقش و نگار بناے گئے تھے۔ اس تاریخ بیجانگر مین اتنا کثیر التعداد لشکر اور اتنے ایک ہاتھی جمع ہو گئے تھے کہ عرصۂ حشر کا سمان بندھ گیا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ بیجانگر کا راجہ کیسی عظمت و جبروت کا راجہ ہے۔

خاص مہاتومی کے دن ایک خوبصورت میدان میں خوشنما اور نظر فریب کوشکیں یا برج قائم کیے گئے تھے جو زمین سے دو یا تین زینے بلند تھے جن پر چوٹی سے نیچے تک انسانوں اور ہر قسم کے جانوروں کی تصویریں نہایت ہی لطافت و نزاکت سے بنائی گئی تھیں ان میں سے بعض برج کی تعمیر میں یہ صنعت رکھی گئی تھی کہ چکر کھاتے تھے - اور ان کی گردش سے ہر وقت نظر کے سامنے تصویروں کا ایک نیا نقشہ ہو جایا کرتا تھا - میدان کے سامنے ایک بہت ہی بڑی عالیشان اور نو منزلی عمارت تھی جس میں ہر طرف ستون تھے اور جو نہایت ہی اہتمام اور بکمال نزاکت کے ساتھ آراستہ کی گئی تھی۔ اس کے سب سے اونچے اور نویں درجے پر راجہ کا تخت تھا - اس عمارت کے ساتویں درجے پر کمال عزت سے مجھے جگہ دی گئی جہاں میرے اور میرے ہمراہیوں کے سوا اور کوئی نہ تھا اس شاہی ایوان اور ان کوشکوں کے درمیان کا حصۂ زمین خوب سطح کر کے نہایت ہی خوبی کے ساتھ سجا اور آراستہ کیا گیا تھا - یہاں ہر وقت ارباب نشاط کا مجمع رہتا حسین و نازنین اور جوش شباب میں ڈوبی ہوئی دلرباؤں کے طائفے مجرے کو حاضر تھے یہ سب راجہ کے سامنے ایک پردے کے پیچھے تھیں - یکایک دونوں جانب سے پردہ اٹھ گیا اور ان نازنینوں نے عجب دلربائی و ناز آفرینی کی حرکات سے نزاکت کے ساتھ قدم اٹھا اٹھا کے ناچنا شروع کیا اور تمام حاضرین بیخود ہو گئے -

اس موقع پر نٹوں اور مداریوں نے اپنے کرتب دکھائے جن میں یہ امور قابل حیرت تھے موٹی موٹی کڑیوں اور دھنیوں کو جوڑ کے ایک ممبر سا بنایا گیا جس کا ہر درجہ ایک گز کا تھا اور مجموعی بلندی دس بارہ گز کے قریب تھی - اس ممبر پر ایک بڑا ہاتھی چڑھایا گیا دھنیوں کا عرض ہاتھی کے پاؤں سے کم تھا مگر وہ ہوشیاری کے ساتھ اوپر تک چڑھ گیا - اور وہاں پہونچ کے گانے والیوں کی لے پر ناچنے اور گت پر سونڈ ہلانے لگا - اسی طرح بڑی بھاری ترازو بنائی گئی جس میں ایک جانب پلڑے پر ایک ہاتھی کھڑا کیا گیا اور دوسرے پلڑے پر اتنے ایک پتھر رکھے گئے کہ ہاتھی والا پلڑا اٹھ کے بہت بلندی پر پہونچ گیا - اور وہاں اسی پلڑے پر سے گت پر ناچنے کودنے اور سونڈ ہلانے لگا - اور کچھ دیر تک ہاتھی والا پلڑا اونچا نیچا ہوتا رہا -

اسی طرح کے اور کرتب دکھائے گئے - اور تین دن تک یہ جشن طرب قائم رہا -

صبح سے شام تک روز ایسے ہی لطف اور تماشے نظر آتے۔ اور رقص و سرود کی محفل گرم رہتی۔ جب ہم نے تمام ارباب نشاط اور بازیگرون کو انعام و اکرام اور جوڑے عطا فرمائے۔ تیسرے دن جب کہ رخاست کا وقت قریب تھا مجھے باریابی کا موقع دیا گیا۔ مین تخت کے سامنے مودب کھڑا ہو گیا تخت شاہی بہت بڑا اور سونے کا تھا جس مین جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اور اُس کی تیاری مین نہایت نزاکت اور اعلیٰ درجہ کی صنعت دکھائی گئی تھی۔ دیکھتے ہی دل کو یقین ہو جاتا کہ ایسا کام سوا ہندوستان کے اور کسی مملکت مین نہ بن سکے گا۔ تخت کے آگے ایک یموتی رنگ کے اطلس کا گاؤ تکیہ تھا جس کے گرد بے بہا موتیون کی چار لڑیان ٹکی ہوئی تھین۔ اس جشن مین تین دن تک اسی تخت پر گاؤ تکیہ لگا بیٹھا رہا۔ اور جب مہمانون کی تقریب اختتام کو پہونچی تو اُس نے تیسرے دن مغرب کے وقت اپنے اِس ادنیٰ خادم کو (مجھے) باریابی کی عزت دی۔ مین جب تختگاہ مین پہونچا تو دیکھا کہ تقریباً دس گز کا اونچا ایک پختہ چبوترہ ہے جس پر چار زینے چڑھ کے جاتے ہین۔ جس کمرہ مین یہ چبوترہ ہے اُس کی چھت اور دیوارین سونے کے پترون سے نقش و نگار بنائے گئے ہین۔ ان مین پھولون کی جگہ جواہرات جڑے ہین۔ اور پترا اتنے گندہ اور موٹے ہین جتنی تلوار کی پشت کا دل ہوتا ہے۔ جو گل بوٹون کی وضع مین کاٹ کے سونے کی میخون سے در و دیوار اور چھت مین جڑے گئے ہین۔ جن مین پھولون کی جگہ جواہرات جڑے تھے اور اُس پر راجہ شاہانہ وقار سے رونق افروز تھا۔ اس موقع پر اُس نے مجھ سے سلطان شاہ رخ مرزا اُس کے امرا و اہل دربار کے حالات اُس کے لشکر اور اُس کے گھوڑون کی تعداد دریافت کی۔ سمرقند۔ ہرات اور شیراز کے عجائبات پوچھتا رہا۔ میرے حال پر نہایت ہی مہربانی کی۔ اور کہا "مین عنقریب چند ہاتھی کچھ خواجہ سرا اور یہان کے بہت سے نادر ہدیے ایک ہوشیار ایلچی کی معرفت تمھارے سلطان کے پاس بھیجنے والا ہون"۔

اسی صحبت مین حاضرین دربار مین سے کسی نے مترجم کے ذریعہ سے پوچھا "یہ جو نفیس سوزن کاریان جو بچھے ہوئے ہین تمھارے وہان بھی تیار ہو سکتے ہین؟" مین نے کہا "ممکن ہے کہ ایسے ہی اچھے وہان بھی بن سکین مگر ایسی چیزون کے بننے کا ہمارے یہان رواج نہین ہے"۔ راجہ نے میرے اس جواب کو نہایت ہی پسند کیا اور مجھے کچھ نقد انعام پان اور راجہ کے خاصہ کے کچھ میوہ جات عطا ہوئے۔

اسی زمانے مین راجہ بیجانگر اور سلطان کلبرگہ علاء الدین احمد شاہ بہمنی سے لڑائی چھڑ گئی۔

سلطان مذکور نے جب یہ خبر سنی کہ راجہ کے بھائی نے دغابازی کر کے تمام وزیروں اور سرداران فوج کو قتل کرڈالا تو بہت خوش ہوا اور یہ خیال کر کے کہ آج کل راجہ بجانگر کمزور اور بے دست و پا ہو رہا ہے ایک سفیر بھیج کے راجہ سے سات لاکھ اشرفیاں طلب کیں۔ راجہ اس پر بہت برہم ہوا۔ اور کہا "چند آدمیوں کے مار ڈالے جانے سے میں کمزور نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ روپیہ کیوں دوں"؟ اس کے ساتھ ہی دونوں طرف سے فوج کشی ہو گئی۔ راجہ نے اپنے قابل وزیر دنانک کو سپہ سالار بنا کے میدان جنگ میں بھیجا جو فتحیاب ہو کے گلبرگہ کی قلمرو میں تاخت و تاراج کر گئے اور اپنے ساتھ بہت سے اسلامی قلمرو کے اسیروں کو لے کے واپس آیا۔ دنانک کی غیبت میں راجہ نے چند روز کے لیے "ہمبا نوزیر" نام ایک اور شخص کو وزیر کا قائم مقام مقرر کر دیا تھا۔ یہ نہایت ہی نالائق اور مغرور و متکبر شخص تھا۔ مجھے جو یومیہ خوراک ملا کرتی تھی اس نے با اختیار ہوتے ہی موقوف کر دی۔ مگر جب دنانک فتح کر کے واپس آیا اور انتظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لیا تو میری خوراک بند کرنے پر اس نے "ہمبا نوزیر" کو بہت سرزنش کی۔ اور اس کے عوض خزانے کے نام سات ہزار فنام کا ایک چک میرے پاس بھیج دیا۔

انہیں دنوں شہنشاہ دہلی کے پاس سے خواجہ جمال الدین نام ایک بزرگ ایلچی بن کے آئے تھے۔ میری نسبت بندرگاہ ہرمز کے رہنے والے بعض حاسدوں نے مشہور کر دیا کہ میں سلطان شاہ رخ مرزا کا بھیجا ہوا نہیں ہوں بلکہ آپ ہی آپ ان کا سفیر بن گیا ہوں۔ یہ بات راجہ کے کان تک بھی پہونچی اور نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ کا ارادہ تھا کہ مجھی کو اپنی سفارت کے خلعت سے سرفراز کر کے مرزا شاہ رخ کے دربار میں روانہ کرے۔ چنانچہ مجھے رخصت کرتے وقت اس نے مجھ سے کہا "لوگ کہتے ہیں کہ تم سلطان شاہ رخ مرزا کے سفیر نہیں ہو اگر یہ شبہ نہ پڑ گیا ہوتا تو میں تمہاری بڑی ہی عزت کرتا۔ لیکن اگر کبھی دوبارہ تمہارا یہاں آنا ہوا اور مجھے اس بات کا یقین بھی ہو گیا کہ تم خاص سلطان کے بھیجے ہوئے ہو تو یہاں تمہاری ویسی ہی قدر و منزلت کی جائے گی جیسی کہ میری سلطنت اور میرے رتبے کے شایاں ہے"

اس کے بعد میں رخصت ہو کے واپس روانہ ہوا۔ اور میرا یہ سفر ختم ہوا۔

تصانیف مولانا شرر اور مطبع دلگداز کی دوسری کتابیں

تصنیفات مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

تاریخ و سیر وغیرہ

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات۔ ۔۔/۔

(۲) ابوبکر شبلی۔ حضرت شیخ شبلی کے حالات ۔۔/۔

(۳) تاریخ سندھ۔ سندھ کی مکمل تاریخ ہر دو جلد قیمت
جلد اول ۔۔ جلد دوم ۔ ۔ ۔

(۴) حروب صلیبیہ۔ مصنفہ مسٹر کاکس ترجمہ ونونس۔ ۔/۔

(۵) تاریخ بغداد۔ مرکز خلافت عباسیہ۔ ۶/۔

(۶) ملکۂ زنوبیہ۔ ایک عربی شہزادی ملکہ۔ ۳/۔

(۷) خواجہ معین الدین چشتی۔ ۶/۔

(۸) حکم رفاعیہ۔ مصنفہ شیخ احمد رفاعی کا ترجمہ ۳/۔

(۹) تعالیٰ صاحب بیس لکھنؤ مرحوم کے حالات۔ ۔/۔

(۱۰) سکینہ بنت حسین۔ جناب سکینہ کے حالات۔ ۶/۔

(۱۱) سر سید کی دینی برکتیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔/۔

ناول

(۱۲) حسن کا ڈاکو۔ سب سے نیا اخلاقی ناول۔ ۲/۔

(۱۳) زوال بغداد۔ شیعہ و سنیوں کا جھگڑا اور نسل عباسیہ کا استیصال

(۱۴) غیب دان دلہن۔ پاکدامن اور عفیفہ اور تالیف بی بی کی برکتیں اسکی حیرت انگیز غیب دانی۔ ۔/۔

(۱۵) ماہ ملک۔ مولانا کا نیا اور اچھوتا ناول۔ ۔/۔

(۱۶) یوسف نجمہ کامل۔ جگمگاتی زمین آپ بیتی۔ ۔/۔

(۱۷) شوقین ملکہ۔ پہلی اور دوسری صلیبی لڑائیاں۔ ۔/۔

(۱۸) فتح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ۔ ۔/۔

(۱۹) مقدس نازنین۔ ایک [illegible] کا جوہر بن جانا۔ ۔/۔

(۲۰) ملک العزیز ورجنا۔ تیسری صلیبی لڑائی۔ ۔/۔

(۲۱) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کے حالات ہر حصہ ۔/۔

(۲۲) فردوس بریں۔ یعنی جنت کی سیر ۔/۔

(۲۳) حسن انجلینا۔ روم و روس کی لڑائی ۔/۔

(۲۴) منصور موہنا۔ ایک عربی خاندان سندھ میں ۔/۔

(۲۵) شہید وفا۔ اسپین میں مسلمانوں کی پامالی۔ ۔/۔

جلد ہائے دلگداز

جلد دلگداز [illegible] ۔/۔ جلد دلگداز ۱۹۰[illegible] ۔/۔

جلد دلگداز ۱۹۰[illegible] ۔/۔ جلد دلگداز ۱۹۰[illegible] ۔/۔

جلد دلگداز ۱۹۰[illegible] ۔/۔ جلد دلگداز ۱۹[illegible] ۔/۔

جلد دلگداز ۱۹۰[illegible] ۔/۔ جلد دلگداز ۱۹۱۲ ۔/۔

دیگر اعلیٰ مطبوعات دلگداز پریس

معاشرت۔ ایک اعلیٰ درجے کی اخلاقی کتاب یعنی انگلستان سرجان لبک کی پوائنٹ لافٹ کا ترجمہ۔ ۔/۔

اتالیق بی بی۔ میاں [illegible] کے افعال بیبیاں کی مزید انکی بیٹیاں۔ ۔/۔

رفع النقاب۔ مروجہ پردے کے خلاف ایک مدلل رسالہ۔ ۔ ۔ ۔/۔

کارخانہ روض الریاحین۔ لکھنؤ کا اعلیٰ عطر

(آپ ایک دفعہ آزما کے تو دیکھیں!)

عطر کیلئے لکھنؤ مشہور ہی مگر افسوس کہ جو عطر یہ وہ باہر والونکو نہیں ملتا کیونکہ کمیشن ایجنٹوں کی روانگی نوکرون کے ہاتھ ہوتی ہے اُنکے دخل و فصل کا خیال ہے ان غریبوں ہی کو اُٹھانا پڑتا ہے جو باہر سے منگواتے اور بے دیکھے خریدنے پر مجبور ہیں اور بعض اشتہار دینے والوں کی یہ حالت ہے کہ ردی مال کو اور کبھی چار کا بھیج دیتے ہیں۔ یہ تمام خرابیاں دیکھ کے ہم نے طے لیا ہو کہ باہر کے جو صاحب طلب فرمائیں اُن کے لیے معتبر اور مستند کارخانے کے عطر اعلیٰ درجے کے تیل وغیرہ خاص طور پر اہتمام کے ساتھ کمال بخوبی جانچ کے اور بکفایت خرید کے روانہ کر دیا کریں جس کا بہت اچھا اور قابل اطمینان انتظام کیا گیا ہے۔ عطر کے شائق ایکبار ضرور منگوا کر دیکھ لیں کہ ہمارے ذریعے سے آپ کو کیسا اچھا عطر ارزاں داموں کو ملتا ہے۔

عطروں کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر حنا فی تولہ [illegible]	عطر مولسری فی تولہ [illegible]	عطر نگترا فی تولہ [illegible]	عطر مخلط اصلی فی تولہ [illegible]
عطر موتیا [illegible]	عطر پانڑی [illegible]	عطر سیوتی [illegible]	عطر حنک پری [illegible]
عطر چنبیلی [illegible]	عطر راحت روح [illegible]	عطر شمامہ [illegible] مجموعہ [illegible]	روح گلاب [illegible]
عطر کیوڑا [illegible]	عطر گل حنا [illegible]	عطر بیگم [illegible] عطر عروس [illegible]	روح خس اصلی [illegible]
عطر خس [illegible]	عطر مٹی [illegible]	عطر سہاگ [illegible]	روح پان اصلی [illegible]
عطر نرگس [illegible]	عطر جوہی [illegible]	عطر ار گجہ [illegible]	عطر نایاب اصلی [illegible]
عطر چمپا [illegible]	عطر گلاب [illegible]	عطر اگر [illegible]	عطر عنبر [illegible] (دیکھو کیفیت ہاری)

خوشبودار تیلوں کی فہرست بھی ملاحظہ ہو

روغن چنبیلی فی سیر [illegible]	روغن بیلا فی سیر [illegible]	روغن کیوڑا فی سیر [illegible]	روغن حنا فی سیر [illegible]

اعلیٰ درجے کا خوشبودار عمدہ اور بامزہ تمباکو

زردہ تمباکو مشکی فی سیر [illegible]	قوام تمباکو مشکی فی تولہ [illegible]	گولیاں تمباکو مشکی طلائی فی تولہ [illegible]	نوٹ درخواست آتے ہی ویلیو پی روانہ ہوگا۔ [illegible]
زعفرانی [illegible]	زعفرانی [illegible]	نقرئی [illegible]	مصارف ڈاک ذمہ خریدار

آپ کا خادم محمد عبد الحلیم شرر اڈیٹر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

نمبر ۷ جلد ۱۵

جولائی سنہ ۱۹۱۳ عیسوی مطابق سرطان سنہ ۱۳۴۲ محمدی

ایڈیٹر

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

منیجر و پبلشر

خاکسار حکیم محمد سراج الحق عفا اللہ عنہ

جو

دلگداز پریس مین چھپ کے لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان

سے شائع ہوا

کائنات جو

یہ سن کے اکثر لوگون کو تعجب ہوگا مگر محققین کا قول ہے کہ ہم کو بہ نسبت خود اپنی کرۂ زمین کے آفتاب کی جو کا حال زیادہ معلوم ہے البتہ اگر اس کا تصفیہ آسانی سے ہو سکے کہ قرص آفتاب کی قلمرو کہان تک ہے اور اُس کا جو کہان سے شروع ہوتا ہے۔ جو شمس مین ہمیشہ مختلف گاسون کا ایک عظیم الشان تلاطم اور تموج رہتا ہے جس کا صرف ہم مشاہدہ ہی نہین کرتے بلکہ اُس کا رقبہ اور سرعت رفتار تک آسانی سے بتا سکتے ہین اور کچھ زمانہ سے گاسون کی نوعیت اور اُن کا تناسب بھی ہم پر منکشف ہو گیا ہے۔

شعاع شمسیہ کی تحلیل "اسپکٹرا سکوپ" کے ذریعہ سے ہوتی ہے جو علم ... (انزکس) کا ایک بہت مشہور اور متداول آلہ ہے جس کے تجارب سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر آفتاب محض ایک قرص نوری ہوتا۔ اور اُس کے چارون طرف گاسون کا کوئی حلقہ نہ ہوتا جیسا کہ ہماری زمین کے چارون طرف ہے تو ہم کو وہ شعاع آلۂ مذکور کے اندر سے قوس قزح کے مختلف رنگون کی ایک ہموار پٹی کے مانند نظر آتی مگر در اصل ایسا نہین ہے مختلف ... رنگون کے علاوہ کچھ سیاہ دھاری دار خطوط بھی جا بجا اُسی روشنی مین ملے جلے نظر آتے ہین جس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ کچھ اور اشیا بھی بطور حجاب کے ہمارے اور آفتاب کے درمیان حائل ہین۔ اب اگر ہم بعض دیگر اشیا کی روشنی بھی اسی آلہ کے ذریعہ سے دیکھین تو ان مین بھی بجنسہ ویسے ہی

خطوط ہم کو نظر آتی ہین جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ گاسین جو آفتاب کے گرد حائل ہین اور یہ چیزین دونون ایک ہین - اسی "آلہ اسپکٹرو اسکوپ" کے ذریعہ سے ہم اُن گاسون کا درجہ حرارت اور وزن بھی بخوبی دریافت کر سکتے ہین۔

مذکورۂ بالا تجربے کے علاوہ جدید طرق عکاسی کے ذریعہ سے آفتاب کی مختلف تصویریں مختلف قسم کی مخصوص روشنیون مین لی گئی ہین جس سے عجیب عجیب انکشاف ہوئے ہین۔ آفتاب کی شعاعون مین ایک خاص قسم کی روشنی شامل ہے جس کو "کیلشیم" کی روشنی کہتے ہین - پس فرض کرو کہ ایک فوٹوگراف کی پلیٹ پر سوائے "کیلشیم" کے اور کسی قسم کی روشنی نہ ڈالی جائے اور اس شیشہ سے آفتاب کا فوٹو لیا جائے تو یہ فوٹو خاص "کیلشیم" کی شعاعون کا کہا جائے گا - اسی اصول پر پروفیسر ہیل نے جو رصد گاہ شمسی واقع ماؤنٹ ولسن امیریکا کے ایک مشہور اُستاد علم ہیئت ہین ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس کا نام "اسپکٹرو ہیلیوگراف" رکھا ہے۔ جس کے ذریعہ سے آفتاب کی تصویرین جدید طرق عکاسی کے بموجب صرف ایک ہی روشنی مثلاً "کیلشیم" یا ہائیڈروجن یا کوئلہ وغیرہ کی روشنی مین لی جا سکتی ہین جن کے ذریعہ سے ذکر آفتاب کے چارون طرف خاص خاص رنگ کے حلقے نظر آتے ہین۔

یہ عجیب بات ہے کہ زمین کی جَو کا حال بہ نسبت آفتاب کی جَو کے ہم کو بہت کم معلوم ہے - گو ہوا کے دو مشہور اجزا یعنی آکسیجن اور نائیٹروجن ایک مدت دراز سے معلوم تھے۔ یہ کس کو یقین ہو سکتا ہے کہ ایک تیسری چیز یعنی "آرگن" جس کی مقدار ہوا مین اجزاء مائیہ سے کسی طرح کم نہین ابھی پورے بیس سال کا بھی زمانہ نہین ہوا کہ مشاہدے مین آئی جس کے کاشف مشہور سائنس دان لارڈ ریلے اور سر ولیم ریمسے ہین یہی حال گاس "ہلیوم" کا بھی ہے جو اس کے بھی بعد دریافت ہوئی مگر اس کا وجود آفتاب مین بہت پیشتر سے معلوم تھا۔ ہلیوم کے بعد کثرت سے نئی نئی گاسین دریافت ہوئین مثلاً (۱) 'نیون' منکشفہ پروفیسر ریمسے) جس کا ثقل مابین 'ہلیوم' اور 'آرگن' کے ہے یعنی 'ہلیوم' سے زیادہ بھاری اور 'آرگن' سے زیادہ ہلکی (۲) 'کرپٹن' (۳) 'زینن' - اگر 'آرگن' بوجہ کمی مقدار یعنی سو حصون مین صرف ایک حصہ ہونے کے اب تک ناپدید رہی تو نمبر (۲) و (۳) بسبب انتہائی لطافت ورقت کے پردۂ راز مین مخفی تھین - نمبر (۲) ہوا کے دس لاکھ حصون مین ایک حصہ اور نمبر (۳) اس سے بھی بیس گنی زیادہ لطیف و رقیق یعنی ہوا کے دو کرور

حصوں میں صرف ایک حصہ ہے۔

ہوا کی بلندی سمندر کی سطح سے ۱۰۰ میل تسلیم کی گئی ہے یعنی اتنے فاصلہ تک ایسے مناظر نظر آتے ہیں جن کے واسطے ہوا کی موجودگی کی ضرورت ہے مثلاً قطب شمالی کا وہ عجیب منظر جو آرورا بوریلس (شفق شمالی) کے نام سے مشہور ہے اور ممالک قطبیہ شمالی میں اکثر رات کے وقت نظر آتا ہے۔ حکما اس کا سبب تموجات برقیہ کو بتلاتے ہیں۔ اس منظر کی حالت یہ ہے کہ ممالک مذکور میں افق شمالی سے روشنی کی دھاریاں سمت الراس تک کھنچی ہوئی نظر آتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں شہاب ثاقب ٹوٹ رہے ہیں۔ بعض اوقات یہ عجیب روشنی بصورت قوس مشرق سے مغرب تک اور بعض اوقات لہردار شعاعوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس کا رنگ نارنجی سے لیکر گہرا سرخ ہوتا ہے۔ جب یہی مناظر ممالک قطبیہ جنوبی میں نظر آتے ہیں تو شفق جنوبی (آرورا آسٹریلس) کہلاتے ہیں۔ شہاب ثاقب جن کا سبب بعض اجزاے مادی کا ہوا کے ساتھ تصادم ہے ۱۲۵ میل سے زیادہ ارتفاع پر نظر نہیں آتے مگر خواہ عمق ۱۰۰ میل ہو یا ۱۲۵ میل یہ امر کسی طرح متحقق نہیں ہو سکتا کہ اوپر کے طبقوں میں ہوا کی ترکیب اور امتزاج کس قسم کا ہے۔ ابر کی انتہائی بلندی صرف ۱۰ میل ہے اور گو غبارے ۱۰ میل سے زیادہ بلند یعنی ۱۹ میل تک جا سکتے ہیں مگر ان کی اوسط پرواز ۷ میل سے زیادہ نہیں پس اس سے زیادہ بلندی پر مشاہدہ اور تجربہ کا کچھ دسترس نہیں چل سکتا اور ہمارے معلومات وہاں کی نسبت اگر کچھ ہیں تو زیادہ سے زیادہ وسیع قیاسات کیے جا سکتے ہیں۔ ۷ میل بلندی کے تجارب سے جو دو امر یقینی طور پر کیے جا سکتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ بخارات مائیہ وہاں کالعدم ہیں اور درجہ حرارت جو زمین کی دوری سے تدریجاً کم ہوتا جاتا ہے وہاں پہونچ کے تقریباً قائم ہو جاتا ہے یا ایک معتدبہ فاصلہ تک برابر قائم رہتا ہے۔ درجہ حرارت مقامات مذکور میں نقطہ انجماد (مقیاس سنٹی گریڈ) سے ۵۵ درجہ نیچے ہے۔

مقامات مذکور تک ہوا میں بسبب حرارت آفتاب اور نیز بسبب زمین کی حرکت دوری کے برابر تموج اور تلاطم رہتا ہے جس کی وجہ سے مختلف گاسوں کی ترکیب و امتزاج میں کوئی فرق نہیں پڑتا وہ آپس میں خوب ملی جلی رہتی ہیں۔ مگر اس سے زیادہ بلندی پر کمی حرارت یا شدت برودت کی وجہ سے ان بالائی اور زیرین تموجات کا ہمیں پتہ نہیں چلتا جو

نیچے کی ہوا مین امتزاج کے باعث ہوتے ہین لہذا حکما کا قیاس ہے کہ زیادہ بلندی پر بیدانی ایسا نہین ہے جیسا سطح کے قریب بلکہ وہان مختلف گاسین محض اپنے ثقل تناسبہ کے اعتبار سے تہ بتہ قائم ہین جیسا کہ ہم ایک ظرف مین تیل پانی اور پارہ ملا کر اور خوب ہلا کر چھوڑ دین تو تھوڑی دیر مین یہ تینون مائع قائم ہو جائین گے۔ پس ہماری اس جو کے اعلی طبقون مین ایک خالص تہ ہائڈروجن کی ہے جس کے اوپر ہلیوم ہے۔ گزشتہ سال پروفیسر ویجینر نے طبقہ ہائڈروجن کی موجودگی کی نسبت بہت معقول ثبوت پیش کیے تھے اور فاصلہ کی نسبت تخمینا کہا تھا کہ ۲۰۰ میل پر ہے۔ یہ بھی کہا تھا کہ زبردست قراین سے کہا جا سکتا ہے کہ بہت بلند طبقہ مین ایک اور گاس بھی ہے جو اب تک دریافت نہین ہوئی اور ہائڈروجن سے بہت زیادہ ہلکی ہے جس کا نام وہ جیوکارونیم بتلاتے ہین یعنی زمین کی کارونیم بمقابلہ اس گاس کے جو مثل ہلیوم کے آفتاب مین موجود ہے مگر اب تک زمین پر دریافت نہین ہوئی البتہ پروفیسر نانسینی کا خیال ہے کہ ان سے اور اس سائنس کی ہوائی پری سے کسی آتش فشان پہاڑ میں ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔ مگر یہ لطیف و نازک اندام پری عام آنکھون سے اب تک غائب اور عام مس سے اب تک دور ہی دور رہتی ہے۔

کرۂ ارض اور آفتاب کی جو مین ایک بڑا فرق یہ ہے کہ گو ہماری معلومات بعض امور مین آخرالذکر کی نسبت زیادہ وسیع ہین مگر اس کی وسعت کا حال ہمین معلوم نہین ہم بالکل نہین جانتے اور نہ موجودہ آلات کی مدد سے جان سکتے ہین کہ قرص کہان تک ہے اور جو کہان سے شروع ہوتا ہے بلکہ اگر حکیم آگسٹ اشمط کا قول مانا جائے تو قرص کوئی شے ہی نہین محض ایک مرئی دھوکا ہے۔ مگر ہمارا ایشیائی فلسفی و شاعر اس نکتہ کو پہلے ہی سمجھا

ہین ستارے کچھ نظر آتے ہین کچھ ۔۔۔ دیتے ہین دھوکا یہ بازیگر کھلا

مرزا محمد عسکری۔ بی۔ اے

ایڈیٹر ہم اپنے معزز و فاضل دوست مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے کے نہایت ہی شکرگزار ہین جن کی عنایت سے دلگداز کو اس گران بہا مضمون کے شایع کرنے کا موقع ملا اس قسم کے محققانہ مضامین کی ہندوستان کو بیحد ضرورت ہے۔ ہم نہایت ہی خوش ہون گے اگر علم ہیأت کے متعلق ہمارے کرم فرما مضامین کا ایک سلسلہ جاری کرین جس کے ذریعہ سے فن مذکور مکمل طریقہ سے سمجھ مین آسکے اور ان لوگون کے شبہات دور ہون جو آج تک حرکت ارضی کو نہین تسلیم کرتے

ابن المعتز

دنیا مین عبرت و ناداری کی جتنی مثالین دولتمندون اور ملوک و سلاطین کی ملتی ہین اور کسی طبقہ کے لوگون مین نہین مل سکتین۔ مانا کہ بادشاہون کے ادنے ادنے حالات لوح زمانہ پر ثبت اور اوراق تاریخ مین درج ہو جاتے ہین اور دوسرون کے حالات کی کسی کو خبر نہین ہوتی کوئی یہ بھی نہین جانتا کہ دنیا مین کب آئے۔ کیونکر جیے۔ اور کب نیست ہو گئے۔ لیکن پھر بھی اس مین شک نہین کہ جو لوگ جتنے زیادہ معزز و سربرآوردہ ہوتے ہین اُسی قدر زیادہ آماجگاہ حوادث بنتے ہین۔ اور مصداق "نزدیکان را بیش بود حیرانی" سب سے زیادہ مصیبت اکثر بڑے لوگون اور بادشاہون کو جھیلنا پڑتی ہے۔

"ابن المعتز" جس کے محترم نام کو ہم نے زیب عنوان بنایا ہے سچ پوچھیے تو برائے نام ہی صاحب دولت و حکومت تھا اُس کا شمار دراصل جادو بیانون اعلیٰ درجہ کے ادیبون اور مشہور و مقبول علما و فضلا مین ہے۔ اُس کی شاعری نے زبان عرب مین نئی جان ڈال دی تھی اور اُس کی عمر کا سارا حصہ علمی مشاغل اور اہل علم و فضل کی صحبت مین بسر ہوا تھا۔ صرف چند گھنٹون کے لیے تاج و تخت کا گنہگار تھا جس کا ایسا سخت خمیازہ برداشت کرنا پڑا کہ اُس کی حالت بہت بڑے نامرادان سلطنت سے بھی زیادہ عبرت ناک ہے۔ اُسے تخت و تاج کا کچھ زیادہ شوق بھی نہ تھا۔ مذاق مین تمکنت و خودداری اور حب جاہ و ہوس ریتی کے عوض نیک نفسی و رحمدلی کا عنصر اس قدر غالب تھا کہ جب ارکین دولت اور عمائد بغداد نے حاضر ہو کے تاج شہریاری پیش کیا تو کمال بے پروائی سے بولا "مین ایسے تخت و تاج سے باز آیا جو خونریزی اور قتل و غارت سے ملتا ہو۔ اگر اس کا اطمینان دلایا جائے کہ میری تخت نشینی مین کسی ایک متنفس کا بھی خون نہ بہے گا تو بے شک قبول کرون گا ورنہ مجھے خون کا بھرا تخت شاہی نہین چاہیے۔" حاضرین نے زمین بوس ہو کے عرض کیا کہ "حضور کی مرضی کے موافق ہی ہوگا۔ اور ہم وعدہ کرتے ہین کہ امیرالمومنین کی مسندنشینی کے لیے کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹے گی۔" بے شک یہ وعدہ پورا ہوا۔ اور بغیر اس کے کہ کسی مخالف یا حریف سلطنت کی جان لی جائے وہ سریر خلافت پر جلوہ افروز ہو گیا۔ لوگون نے جوش و خروش سے ساتھ اُس کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن اس بیعت کو چوبیس ہی گھنٹے گزرنے پائے تھے کہ

کسی بدخواہ سلطنت یا باغی خلافت کے عوض خود اُس کی قربانی تخت و تاج پر چڑھا دی گئی۔ بے شرم ترکی ہزاران فوج کے بے رحم ہاتھون نے اُس کو مسند شاہنشاہی سے کھینچ کے نیچے گرا دیا اور طرح طرح کے عذابون سے اُس کی جان لی۔

اس کا پورا نام و نسب عبداللہ بن محمد المعتز بن المتوکل بن المعتصم ابن ہرون الرشید تھا باپ دادا پردادا لکڑدادا اور اُن کے بعد دیگر اجداد بڑے بڑے تاجدار اور آل عباس کے نامور خلیفہ ہوتے آئے تھے۔ پردادا یعنی المعتصم باللہ نے جو عباسیون کا آٹھوان خلیفہ تھا عربون کو عیش و طرب مین سرشار و مخمور دیکھ کے نوجوان ترکی و تاتاری غلامون کی ایک نئی فوج بھرتی کی۔ اور بغداد کے قریب ہی "سُرمن رأی" نام ایک نیا شہر بسا کے اُس مین اُن کا کیمپ قائم کیا۔ ان نئے سپاہیون کی اطاعت اور خلیفہ کی شفقت و مرحمت سے اس فوج اور اس کے سردارون کا زور روز بروز بڑھتا گیا یہان تک کہ شرفاے عرب خانہ نشین تھے اور حکومت کے تمام اعلی عہدے اسی فوج کے ترکی و تاتاری افسرون کے ہاتھ مین تھے۔ اور چند روز کے بعد خود خلافت و سلطنت انھین لوگون کے قبضہ مین تھی۔ جسے چاہتے تخت خلافت سے اُتار دیتے اور جس کو چاہتے خلیفہ بنا لیتے۔

بعینہ یہی حال دولت عثمانیہ کا ہوا۔ جہان اُس خاندان کے دوسرے تاجدار سلطان اورخان نے ۷۳۰ھ مین نوعمر مسیحی اسیرون اور غلامون کی ایک فوج مرتب کی جن کو اسلامی عقائد و عثمانی معاشرت کے ساتھ اعلی درجہ کی فوجی تعلیم دی جاتی اور انھین باور کرا دیا جاتا کہ سلطان کے سوا دنیا مین نہ اُن کا کوئی عزیز و قریب ہے اور نہ کوئی دوست آشنا۔ اور نہ اُن کے دنیا مین رہنے کی غرض صرف دشمنان خلافت و دین سے لڑنا ہے۔ اُس عہد کے مشہور ولی اللہ حاجی بکتاش نے ان نئے کمسن سپاہیون کو "ینی چری" (نئے سپاہی) کے نام سے نامزد کر دیا۔ جو لفظ یورپ مین بگڑ کے "جان نزاری" بن گیا۔ اس نئی فوج نے بعد کے زمانے مین بڑے بڑے کمالات دکھائے۔ اور دولت عثمانیہ کے ابتدائی عروج و اقبال مین سب سے زیادہ دخل اسی فوج کو تھا۔ لیکن انجام مین ان لوگون کا زور اس قدر بڑھا کہ سلطنت اُن کی لونڈی تھی جسے چاہتے بادشاہ بناتے اور جسے چاہتے تخت سے اُتار دیتے۔ مگر دولت عثمانیہ مین آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر سلطان محمود خان نے اس فوج کا استیصال کر دیا۔ اور تخت و تاج کو ہمیشہ کے لیے اُن سرکش سپاہیون کے شر سے امن مل گیا۔ مگر دولت عباسیہ مین

کوئی محمود خان نہین پیدا ہو سکا جو خلافت کو ترکون کی فتنہ انگیزیون سے [illegible] کردیتا۔ چنانچہ ان سانپ کے بچون (ترکی سپاہیون) نے اُسی معتصم باللہ (جس نے انھین آستین مین رکھ کے پالا تھا) دوسرے بیٹے المتوکل علی اللہ کو جو عباسیون کا دسوان تاجدار تھا کاٹا اور اُسے ۲۴۷ھ مین نہایت ہی بُری طرح تخت وتاج سے جدا کر کے مار ڈالا۔ اس ایک ہی واقعہ نے اُن مین محسن کشی کا جوش اس قدر بڑھا دیا کہ متوکل کے بیٹے المنتصر باللہ کو تخت نشین کر کے چھ ہی مہینہ بعد تخت وتاج سے جدا کر دیا۔ اور اُس کی اولاد کو محروم کر کے اُس کے چچا المستعین باللہ ابن معتصم باللہ کو تخت پر بٹھایا جو کہ عباسیون کا بارھوان خلیفہ تھا۔ مگر ترکون کا تلون وتمرد یوماً فیوماً ترقی ہی کرتا جاتا تھا المستعین باللہ جو کہ صاحب علم اور ذی ہوش وفراست خلیفہ تھا تین ہی سال حکومت کرنا نصیب ہوا تھا کہ ترکی سرداران فوج خلاف ہو گئے۔ اور جب دیکھا کہ وہ ہماری اطاعت نہین کرتا تو اُسے گرفتار کر کے قید خانے مین بند کر دیا اور اُس کی جگہ متوکل کے دوسرے بیٹے محمد کو وارث سریر جہانبانی بنایا۔ جس نے تخت عباسی پر قدم رکھتے ہی اپنا لقب المعتز باللہ اختیار کیا۔ المعتز نہایت ہی حسین وخوبرو شخص تھا اور تخت نشینی کے وقت اُس کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ اور یہی اُس شاعر خلیفہ کا باپ ہے جس کے حالات لکھنے کے لیے ہم نے قدم اُٹھایا ہے۔ اس کی ماں ایک ترکن تھی جو حسن وجمال مین فرید زمانہ اور نہایت ہی ممتاز تھی اور اس کے ساتھ نہایت ہی دولت مند تھی۔ مگر جتنی مالدار تھی اُتنی ہی بخیل بھی واقع ہوئی تھی۔ اُس کے بیٹے المعتز باللہ نے جب عنان حکومت ہاتھ مین لی تو خزانہ خالی تھا۔ اور فوج تنخواہ مانگ رہی تھی۔ معتز نے ماں سے کچھ روپیہ مانگا تو اُس نے دینے سے قطعی انکار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہی سرداران ترک جنھون نے اُسے تخت پر بٹھایا تھا روپیہ کا تقاضا کرتے کرتے برافروختہ ہو گئے ایوان خلافت مین گھس آئے اور المعتز کی تخت نشینی کو ساڑھے تین ہی برس ہوئے تھے کہ اُسے پاؤن پکڑ کے سریر خلافت سے کھینچ لائے۔ اور باہر دھوپ مین ڈال دیا۔ گرمیون کا موسم اور دھوپ کی تپش۔ المعتز نے پانی مانگا۔ مگر کسی نے نہ دیا۔ اور آخر دھوپ مین جھلس جھلس کے وہ بھوکا پیاسا مر گیا۔ یہ انجام تھا عباسیون کے تیرھوین خلیفہ کا۔ اب ترکون نے ۲۵۵ھ مین واثق باللہ کے بیٹے محمد کو خلیفہ بنایا جس نے المہتدی باللہ اپنا لقب اختیار کیا۔

اور سلسلۂ خلافت مین چودھوان عباسی خلیفہ ہے۔ اس غریب کو تخت پر بیٹھے پورا سال بھی نہین ہوا تھا کہ سرداران ترک نے اُس کے تخت سے اُتارنے پر بھی اتفاق کیا اور قصر خلافت پر چڑھ گئے۔ مہتدی بہادر آدمی تھا تلوار لے کے باہر نکل آیا اور اُن سے لڑنے لگا۔ مگر کب تک اور کتنون سے لڑتا۔ آخر ترکون نے ہاتھ پکڑ کے اُسے گرایا اور اس شدت سے کچلا اور اُس کا پیٹ دبایا کہ روح پرواز کر گئی۔ مہتدی کے بعد ۲۵۶ھ مین متوکل کا بیٹا علی خلیفہ ہوا جس کا لقب معتمد علی اللہ تھا۔ وہ ۲۳ سال تک حکومت کر کے اپنی موت سے مرا۔ یہ پندرھوان عباسی خلیفہ تھا۔ اُس کے بعد ۲۷۹ھ مین اُس کا بھتیجا احمد بن طلحہ بن متوکل سولھوان وارث خلافت قرار پایا جس نے اپنا لقب المعتضد باللہ قرار دیا۔ اُس کے بعد یکے بعد دیگرے معتضد کے دو بیٹے خلیفہ ہوے جن مین پہلا علی اور دوسرا جعفر تھا۔ علی نے ۲۸۹ھ مین خلیفہ ہو کے المکتفی باللہ اپنا لقب اختیار کیا۔ اور اُس کے مرنے پر اُس کے بھائی جعفر نے ۲۹۵ھ مین وارث خلافت قرار پا کے اپنا لقب المقتدر باللہ قرار دیا سریرآرائی کے وقت اُس کی عمر صرف ۱۳ سال کی تھی۔ بنی عباس مین یہ عجیب متلون القسمت خلیفہ تھا۔ تین بار تخت پر بیٹھا اور تینون بار سلطنت سے محروم کیا گیا جن مین سے پچھلی مرتبہ نہایت ہی ذلت اور حد درجے کی بے رحمی و بے شرمی کے ساتھ ترک عسکریون کے ہاتھ سے مارا گیا۔ پہلی تخت نشینی کے ایک ہی سال بعد جبکہ وہ کمسن تھا ترکون نے اُسے تاج و تخت سے محروم کر کے تیرھوین عباسی خلیفہ المعتز باللہ کے بیٹے عبداللہ بن المعتز کو ۲۹۶ھ مین تخت نشین کیا۔ جو کہ سلسلۂ خلافت مین بنی عباس کا اُنیسوان خلیفہ ہے اور اُسی کے حالات ہم اس وقت بیان کرنا چاہتے ہین۔

اس کا باپ المعتز جب ترکون کے ہاتھ سے بھوکا پیاسا مارا گیا ہے اُس وقت اُس کی عمر پانچ چھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ کیونکہ وہ ۲۴۶ھ یا ۲۴۷ھ مین پیدا ہوا تھا۔ اور اُس کا باپ المعتز ۲۵۲ھ مین مارا گیا۔ بچپن ہی مین اُسے زمانے کے ہاتھ سے ایسا عبرت ناک سبق ملا تھا اور یتیمی نے کمسنی ہی مین ایسا ہوشیار کر دیا تھا کہ اگرچہ خلافت کے آغوش مین پرورش پائی تھی اور ایوان شہنشاہی مین اُس کا نشو و نما ہوا تھا مگر حکومت و امارت سے دل کھٹا ہو گیا۔ علم و ادب کی دنیا مین قدم رکھ کے اُس نے بعوض سریر جہانبانی کے اپنے لیے علم و فضل کا اعلیٰ تخت ڈھونڈھنا شروع کیا جس کے ساتھ اُسے طبعی مناسبت تھی۔ اور چند ہی روز کے اندر

علمی دنیا میں اُس کا ایسا سکہ بیٹھ گیا کہ صاحبانِ علم نے سب سے بڑا ادیب اور سب سے بڑا شاعر تسلیم کر لیا۔ اُس کا کلام سہل ممتنع ہوتا۔ الفاظ مانوس اور بیشتر پا افتادہ ہوتے مگر بندش کی چستی اور تشبیہات و استعارات کی جدت ہر شخص کو اُس کا معترف بنا دیتی۔ اس ذوق کی وجہ سے اُس نے عباسی شاہزادوں اور امیروں کی صحبت چھوڑ دی اور شب و روز علما فضلا اور دنیا کے مشہور و معروف ادیبوں اور شاعروں سے صحبت رہتی۔ اور اس صحبت میں اُسے کچھ ایسا مزہ ملنے لگا کہ امارت و حکومت کی طرف سے بالکل بے پروا ہو گیا۔

مگر اس کو کیا کرتا کہ خاندان شاہی سے تھا۔ اور آبا و اجداد سب جہانبانی کر چکے تھے۔ جب نئے خلیفہ کے انتخاب کا وقت آتا لوگوں کی نظر خواہ مخواہ اُس پر پڑ جاتی۔ اس کے ساتھ بدنصیبی یہ کہ ترکی فوج کے صاحب اثر سرداروں نے خلافت کو اپنے ہاتھ کا کھلونا بنا لیا تھا۔ آئے دن بغداد میں یہی انقلاب نظر آتے کہ ایک خلیفہ تخت سے اُتارا اور کمال بے حمیتی کے ساتھ قتل کیا گیا اور دوسرا اُس کی جگہ بٹھا دیا۔ المکتفی باللہ کے مرنے کے بعد جب خلیفہ کے انتخاب کا وقت آیا تو اکثر امرا و سردار عبد اللہ ابن معتز ہی کے طرفدار تھے۔ اور اُس کی علمی فضیلت اور مقبولیت عامہ کی وجہ سے چاہتے تھے کہ اُسے خلیفہ بنائیں۔ مگر بعض صاحب اثر امرا نے ضد کی کہ مکتفی کا سیزدہ سالہ نابالغ بھائی ہی تخت نشین کیا جائے۔ چنانچہ اُن کی ضد پوری ہو کے رہی اور مقتدر خلیفہ ہو گیا۔ لیکن اُس کے حکمران ہو جانے کے بعد لوگوں میں اختلاف پڑا کہ ایسے کمسن بچے اور امرا کے ہاتھ کے کھلونے سے انتظامات مملکت کیونکر چلیں گے تو سارے عمائد سلطنت اور کل ارکان شاہی اس بات پر متفق ہو گئے کہ المقتدر کو تخت سے اُتار کے عبد اللہ بن معتز کو خلیفہ بنائیں۔ اور اُن کے وکلا عبد اللہ مذکور کے سامنے آ کے عرض کرنے لگے سارے مسلمانوں کی آرزو ہے کہ آپ کو خلیفہ اسلام قرار دے کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں ابن معتز جسے علمی مشاغل سے فرصت نہ تھی اُن کی یہ درخواست سُن کے بولا "اگر سب لوگ پسند کرتے ہیں تو مجھے عذر نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ میری تخت نشینی کی وجہ سے کسی کا خون نہ بہایا جائے۔ اگر تم لوگوں نے کسی کے قتل کا ارادہ کیا تو میں حکومت سے باز آیا" سب نے اطمینان دلایا کہ آپ کی تخت نشینی کا آغاز خونریزی سے نہ ہو گا۔ اور اس قرارداد کے ساتھ ہی سب نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ تاج شہریاری سر پر رکھتے ہی ابن معتز نے

اپنا لقب المرتضی باللہ قرار دیا۔ مگر بعض راویان تاریخ اس کے دوسرے القاب بتاتے ہیں۔ کوئی المنصف باللہ کہتا ہے۔ کوئی الغالب باللہ بتاتا ہے کوئی کہتا ہے کہ الراضی باللہ لقب تھا لیکن غالب گروہ پہلے ہی لقب کو صحیح خیال کرتا ہے۔ الغرض اس نے تخت خلافت پر قدم رکھ کے محمد بن داؤد بن الجراح کو وزیر اعظم اور علی بن عیسی کو دیوان مقرر کیا۔ اور اسی تاریخ تمام ممالک میں "امیر المومنین مرتضی باللہ ابو العباس عبد اللہ بن المعتز" کا نام ہر زبان جاری تھا۔

اس سے پیشتر یہ ہوتا آیا تھا کہ جو خلیفہ تخت سے اتارا جاتا قتل کر ڈالا جاتا۔ اور سلطنت کے ساتھ اس کی زندگی کا بھی خاتمہ ہو جاتا۔ مگر ابن المعتز خونریزی کا دشمن تھا اور اعیان سلطنت سے عہد لے چکا تھا کہ اس کی تخت نشینی کے لیے کسی کی جان نہ لی جائے۔ اسی اقرار کے مطابق بعوض اس کے کہ المقتدر کے قتل کی کوشش کی جاتی اس کے پاس ابن المعتز کی طرف سے اس مضمون کا حکم پہنچا کہ "ایوان خلافت اور حرم سرائے شاہی کو خالی کر کے ابن طاہر کے مکان میں اٹھ آئیں تاکہ میں قصر شاہی میں سکونت پذیر ہوں۔" جس مکان میں ابن معتز رہتا تھا وہ ابن طاہر ہی کے نام سے مشہور تھا لہذا اس نے کوشش کی کہ اپنے مکان میں خلیفۂ معزول کو رکھے اور خود قصر خلافت میں اٹھ جائے۔ مقتدر نے اگرچہ بچہ تھا نہایت متانت کے ساتھ جواب میں کہلا بھیجا "میں حکم کے بسر و چشم حاضر ہوں مگر اتنا چاہتا ہوں کہ مجھے آج کی رات مہلت دی جائے" رات گزر گئی اور صبح کو جب مقتدر نے محل کے خالی کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے ہمراہیوں میں سے بعض نے کہا ہمیں بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے سلطنت نہ چھوڑ دینی چاہیے۔ لوگ اسی سوچ میں تھے ابن المعتز کے لوگوں نے پھر آ کے محل خالی کرنے کا تقاضا شروع کیا جب تقاضے میں سختی ہوئی تو مقتدر کے غلام شاہی محل سے اور بالاخانوں کے پردوں کی آڑ سے مقابلہ کرنے لگے۔ اس وقت تک ابھی کسی قسم کی خونریزی نہیں ہونے پائی۔ ابن المعتز کی طرف سے کوشش تھی کہ بغیر دنگا فساد کے قصر پر قبضہ کیا جائے اور المقتدر کے لوگ اڑے ہوئے تھے کہ جان دے دیں گے مگر محل نہ چھوڑیں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد المقتدر کے لوگوں نے ارادہ کیا کہ دجلہ میں کشتیوں پر سوار ہو کے چڑھاؤ کاٹتے ہوئے جائیں اور ابن طاہر والے محل پر جس میں ابن معتز تھا حملہ کریں۔ چپکے ہی چپکے انھوں نے صدہا کشتیاں جمع کیں اور انھیں کھیتے اور کھینچتے

سب جا پہونچے۔ المعتز کے ہمراہیون نے ان لوگون کی کثرت دیکھی تو قبل اس کے کہ المقتدر کے لوگ پہونچین دور ہی سے دیکھ کے بھاگ کھڑے ہوے۔ ابن معتز کی سپاہ کا سب سے بڑا حامی حسین بن حمدان تھا سب سے پہلے وہ بھاگا اور اُسے دیکھ کے اوروں نے بھی فرار اختیار کی اور بعض لوگون کا خیال ہے کہ وہ المقتدر باللہ سے مل گیا تھا اور پہلے ہی سے طے ہو گیا تھا کہ وہ بھاگ کھڑا ہو گا۔

بہ تقریب سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو مجبوراً عبداللہ بن معتز گھوڑے پر سوار ہو کے قصر خلافت سے باہر نکلا اس کا وزیر محمد بن داؤد ہمراہ رکاب تھا۔ اور آگے آگے ایک غلام پکارتا جاتا تھا کہ "معاشر الناس اپنے سنی اور بربہاری خلیفہ کو دعا دو۔" بربہاری کہنے کی یہ وجہ تھی کہ ان دنون عوام بغداد اور خاصۃً حنبلیون کا رہنما قاسم بن عبیداللہ بربہاری تھا اور سارے شہر کا اس پر اثر پڑا ہوا تھا۔ ابن المعتز کو بربہاری ظاہر کرنے کی یہ وجہ تھی کہ بغداد کے عام لوگ اس کے طرفدار ہو جائین۔ اور غالباً ابن المعتز ان لوگون کا ہم خیال و ہم عقیدہ بھی تھا۔ لیکن وہ غلام ہزار پکارتا اور چلاتا رہا مگر کسی نے بھی ابن معتز کی طرف رخ نہین کیا۔

اس کے بعد ابن معتز نے آبادی سے نکل کے صحرا کی راہ لی تاکہ فوج والے جو اس کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہین شہر چھوڑ کے باہر نکل آئین اور اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہون مگر ایک شخص بھی نہ آیا۔ اب مجبور ہو کے اس نے ارادہ کیا کہ اگر کچھ فوجی لوگ مل جائین تو ان کے ساتھ سر من رای مین چلا جائے جو سب سے بڑا فوجی مرکز تھا اور فوج سے مدد ملنے کی قوی امید تھی کیونکہ سب نے بالاتفاق اور بغیر کسی اختلاف کے اُسے خلیفہ بنایا تھا۔ مگر کسی سپاہی نے ساتھ نہ دیا۔ آخر مجبور ہو کے خلیفہ اور وزیر دونون نے روپوش ہونے کا ارادہ کیا۔ محمد بن داؤد وزیر تو اپنے گھر مین جا کے چھپ رہا مگر غریب ابن معتز کے لیے کوئی گھر بھی نہ تھا گھوڑے سے اُتر کے اپنے غلام یمن کے ساتھ چلا کہ کوئی پناہ کی جگہ ڈھونڈھ نکالے۔ اتفاقاً جواہرات کے تاجر ابوعبداللہ ابن جصاص کا مکان سامنے نظر آیا اور وہین جا کے آقا اور غلام روپوش ہو گئے۔

اب اس وقت ابن معتز اور اُس کا وزیر ہی نہین بلکہ اُس کے تمام طرفدار چھپتے پھرتے تھے۔ اکثر اپنے ہی گھرون مین کنڈیان بند کر کے بیٹھ رہتے اور بعض نے

دوسرون کے گھرون مین پناہ لی۔ اور سارے بغداد مین لوٹ مار ہونے لگی۔ دکانین اور مکان لٹنے لگے۔ راہگیرون پر حملے ہونے لگے۔ اور ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ موقع دیکھ کے عیارون نے الگ سر اُٹھایا۔ ادنی طبقے کے اراذل شرفا و معززین پر چیرہ دستی کرنے لگے۔ کوتوال ابن عمرویہ نے معتز کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور شہر کے لوگون مین مشہور تھا مگر اس وقت اُس نے یہ حرکت کی کہ اپنے بچے اور بہتیرے کے جوانون کو جمع کر کے بجائے المعتز کے المقتدر کے نام کے نعرے بلند کرنے لگا۔ عوام اُس کی یہ حرکت دیکھی تو بگڑے اور اُسے دغا باز اور جھوٹا کہہ کے سب طرف سے اُس پر ٹوٹ پڑے۔ شہر کا یہ رنگ دیکھ کے ابن عمرویہ بھاگ کھڑا ہوا۔ المقتدر نے فوراً اپنے ایک معتمد خصوصی ترکی سردار مونس خازن کو کوتوالی کا خلعت دیا اور ساتھ ہی المقتدر اپنے لشکر کو ساتھ لے کے قصر شاہی سے نکلا اور المعتز کے طرفدارون کو گرفتار کرنے لگا۔ وصیف بن صوارتکین کو پکڑ کے قتل کر ڈالا۔ قاضی ابو عمر و علی ابن عیسیٰ قاضی احمد بن خلف کو پہلے تو اسیر کر لیا پھر قصور معاف کر کے جان بخشی کی۔ پھر قاضی مثنی احمد بن یعقوب کو قتل کرایا اس لیے کہ انھون نے المقتدر کی نسبت کہا تھا کہ "ہم ایک لونڈے کے ہاتھ پر بیعت نہین کر سکتے"

یہ دھر پکڑ ہو ہی رہی تھی کہ "سوسن" نام ابن جصاص کے ایک غلام نے مقتدر کے ایک سردار فوج صافی حرمی کو خبر دی کہ میرے مالک کے گھر مین ابن المعتز اور اُن کے بہت سے رفقا چھپے ہوئے ہین۔ فوراً ابن جصاص کا مکان گھیر لیا گیا۔ اور چند ہی منٹ کے اندر سپاہیون نے اندر گھس کے ابن المعتز کو پکڑ لیا۔ رات بھر گرفتار رکھا۔ اور رات کے اندھیرے مین اُسے گلا گھونٹ کے مار ڈالا۔ یہ سزا اُس شخص کو دی گئی جو سب سے بڑا ادیب اور علم و فضل مین مقبول انام تھا۔ مرنے کے بعد اُس کی لاش کپڑے مین لپیٹ کے اُس کے گھر بھیج دی گئی۔ عزیزون نے اپنے مکان کے سامنے ہی ایک گھورے مین دفن کر دیا۔ اور یون ابن المعتز کی ۲۴ گھنٹہ کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

مورخین کا خیال ہے کہ ابن المعتز کے واقعہ نے بغداد مین دو عجیب قسم کی متضاد باتین ظاہر کین۔ اول تو یہ کہ جس وقت لوگون نے ابن المعتز کے ہاتھ پر بیعت کی

اُس وقت معلوم ہوتا تھا کہ جیسے سارے بغداد مین کوئی اُس کے مخالف نہین اور کل معززین عراق نے بالاتفاق اُسے خلیفہ بنایا ہے۔ لیکن چند ہی گھنٹون کے بعد جب اُس کی حالت بگڑ گئی تو معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دنیا مین کوئی اُس کا دوست نہین ہے دوسرے یہ کہ ابن المعتز نہایت ہی متعصب سُنی تھا۔ یہان تک کہ اُس کے عقائد مین ناصبیت پائی جاتی تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوءِ ظن رکھتا تھا اور اکثر آپ پر زبانِ طعن و تشنیع دراز کرتا مگر ابن حمدان نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اُس کے ہاتھ پر بیعت کی جو نہایت ہی سخت اور متعصب شیعہ تھا۔

ابن المعتز کے قتل کے بعد بھی اُس کے طرفدارون پر ظلم و ستم ہوتا رہا۔ ابن الجصاص سے جس کا مکان مین وہ روپوش ہوا تھا بہت سا روپیہ جرمانہ مین وصول کیا گیا۔ محمد بن داود جسے ابن المعتز نے خلعت وزارت دیا تھا گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ علی بن عیسی جلاوطن کر کے شہر موصل مین بھیج دیا گیا جہان سے چند روز بعد مقتدر کے وزیر ابن فرات سے سفارش اُٹھوا کے بصرے اور وہان سے مکۂ معظمہ مین جا کے سکونت پذیر ہو گیا۔ قاضی ابو عمر پر ایک لاکھ اشرفی جرمانہ ہوا۔

اب ابن المعتز کے معزز طرفدارون مین سے حسین بن حمدان باقی تھا اُس کی گرفتاری کے لیے موصل اور دیگر بلاد مین فوج بھیجی گئی مگر پتہ نہ لگا۔ تب وزیر مقتدر نے حسین مذکور کے بھائی ابو الہیجا کو لکھا جو حاکم موصل تھا کہ جس طرح بنے اپنے بھائی کو حاضر کرو۔ اس حکم کے مطابق وہ اُس کی تلاش مین روانہ ہوا۔ اور حسین نے شہر سنجار مین پہونچ کے سُنا کہ میرا بھائی میرے تعاقب مین ہے۔ گھبرا کے وہان کے صحرا یعنی دشت سنجار مین چلا گیا۔ ابو الہیجا بھی ارادے کا ایسا پکا تھا کہ وہ دشت کی خاک چھاننے لگا اور دس روز کی دشت نوردی کے بعد اُس کے سر پر جا پہونچا۔ دونون بھائیون کے لشکرون مین لڑائی ہوئی جس مین ابو الہیجا فتحیاب ہوا۔ اور حسین کے چند سپاہی اُس کے ہاتھ مین اسیر ہو گئے اب ابو الہیجا بھی تعاقب کرتے کرتے عاجز آ گیا تھا اس سے دس ہزار دینار جرمانہ وصول کر کے موصل مین واپس چلا آیا۔ اس کے بعد وہ بغداد مین آ رہا تھا کہ راستہ مین تکریت کے قریب پھر حسین سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ابو الہیجا اب کی بھی غالب رہا۔ بھائی کے محبت سے

ہمراہیون کو قتل کیا۔ اور خود اُسے اسیر کرکے ابن الفرات وزیر کے پاس بھیجا کہ امیر المومنین کی خدمت مین سفارش کرکے اُن کا قصور معاف کرا دیجیے۔ اسی موقع پر اور بھی بہت لوگون کے قصور معاف کیے گئے جن مین پُرانا کوتوال ابن عمرویہ بھی تھا۔ قصور معاف ہونے کے بعد حسین بن حمدان بغداد ہی مین رہا یہان تک کہ علاقہ قم کا والی بنائے گیا۔ اپنے مستقر کی طرف روانہ ہوتے وقت اُس نے وہ فہرست دریاے دجلہ مین غرق کر دی جس مین اُن لوگون کے نام درج تھے جنھون نے مقتدر کے خلاف اُس کا ساتھ دیا

ابن معتز کے باپ کا شمار تو خاندان عباسیہ کے خوبرویون مین تھا ہی وہ بھی بڑا خوش جمال تھا۔ رنگت کھلتی ہوئی گندم گون تھی۔ بال جلدی سفید ہوگئے تھے چنانچہ چالیس برس کی عمر مین جب وہ تخت خلافت پر بٹھا کے قتل کیا گیا ہے خضاب لگاتا تھا۔

علم ادب مین اس کا پایہ اس قدر بلند ہے کہ اُس کے اقوال حجت اور سند سمجھ کے طریقہ سے پیش کیے جاتے ہین۔ کہا کرتا کہ شعراے عرب مین سے چار ایسے ہین کہ اُن کی نسبت اُن کے اقوال کی بنا پر جو کچھ شہرت ہے وہ واقعات اور اُن کے افعال سے بالکل خلاف ہے یعنی انکے اقوال اُن کے افعال کے مخالف ہین۔ پہلا ابو العتاہیہ جس کے اشعار سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی بڑا عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھا لیکن اصل مین ملحد و بے دین تھا۔ دوسرا ابو نواس اشعار دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مین سب سے بڑا امرد پرست مغلم ہے حالانکہ حد درجہ کا زانی تھا اور غلام سے اُسے کچھ بھی ہمدرکار نہ تھا۔ تیسرا ابو حکیمہ کاتب اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت ہی پاکدامن تھا مگر حقیقت پوچھیے تو بکرے سے بھی زیادہ پُر شہوت تھا۔ چوتھا محمد بن حازم اشعار دیکھ کے خیال گزرتا ہے کہ بڑا ہی قانع اور بے پروا شخص ہوگا لیکن واقعہ یہ ہے کہ کتے سے بھی زیادہ حریص تھا۔ مگر مورخین ابن حازم کا ایک ایسا واقعہ بیان کرتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا ہی بے پروا اور قانع شخص تھا۔ خیر چاہے جو کچھ ہو مگر ابن معتز کا یہ قول علمی دنیا مین نہایت مشہور رہا۔ اور جن لوگون کی نسبت اُس نے جو کچھ کہہ دیا ہے نہ بھی تھا تو اُن پر تھُپ گیا۔

عبد اللہ بن المعتز نے دنیا مین بہت سے تصانیف بھی چھوڑے۔ اُس کا دیوان مقبولیت عامہ کی وجہ سے چھپ گیا اور اہل ادب کے ہاتھون مین موجود ہے۔

دیگر تصانیف کی نسبت نہین معلوم کہ ہین یا نہین۔ مگر ان کی فہرست جو ابن خاقان نے دی ہے حسب ذیل ہے۔

(۱) کتاب الزہر والریاض (پھولون اور باغ کی کتاب) (۲) کتاب البدیع (فن بدیع مین) (۳) کتاب مکاتبات الاخوان بالشعر (اشعار مین بھائیون کی مراسلت کی کتاب) (۴) کتاب الجوارح والصید (شکاری جانورون کی کتاب) (۵) کتاب السرقات (سرقون کی کتاب) (۶) کتاب اشعار الملوک (بادشاہون کے اشعار کی کتاب) (۷) کتاب الآداب (۸) کتاب املی الاخبار (۹) کتاب طبقات الشعرا (۱۰) کتاب جامع فی الغناء (علم موسیقی مین ایک حاوی کتاب) (۱۱) ارجوزۃ فی ذم الصبوح (مختصر رسالہ شراب صبوحی کی مذمت مین)

چند اگلی تمنائین

اکثر لوگون کا خیال ہے کہ دعا قبول ہونے اور آرزو برآنے کو وقت اور جگہ سے تعلق ہے۔ کسی کی آرزو برآتی ہے تو زبان سے نکل جاتا ہے کہ کس گھڑی دعا مانگی تھی کہ پوری ہی ہو کے رہی، یا فلان متبرک مقام مین دعا مانگی تھی کیون نہ پوری ہوتی؟ دعاؤن کا برلانے والا وہ قادر مطلق ہے جو ہر ایک کی سن لیتا ہے اور ہر جگہ سن لیتا ہے۔ مگر اس مین شک نہین کہ بعض اوقات اور بعض جگہ التجا کرنے سے کچھ ایسی خوبی کے ساتھ انسان کی مراد برآتی ہے کہ پھر وہ ہمیشہ دعا کے لیے مناسب وقت اور موزون مقام کا جویا ہو جاتا ہے۔

جن دنون جناب معاویہ بلا شرکت غیرے خلیفہ اور ممالک اسلام کے سیاہ و سفید کے مالک تھے ان دنون مکہ معظمہ کا واقعہ ہے۔ ایک دن بیت اللہ شریف مین رسول اللہ کے پھوپھی زاد بھائی زبیرؓ بن عوام کے تینون بیٹے عبداللہ، عروہ، مصعب اور مروان بن حکم کا بیٹا عبدالملک ایک صحبت مین بیٹھے باتین کر رہے تھے۔ ان چارون کا شمار معزز نوجوانان قریش اور صاحبزادگان امت مین تھا۔ عبداللہ بن زبیر سب مین بڑے تھے اور صحابیت کا فخر رکھتے تھے۔ لیکن صحابہ مین بھی انھین یہ خصوصیت تھی اور یہ امتیاز حاصل تھا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ کے بھانجے ہونے کی وجہ سے ان کا نشو و نما آغوش نبوت و رسالت مین اور جناب سرور کائنات صلعم کے گھر مین ہوا

تھا۔ چونکہ ہجرت کے بعد سال بھر تک مسلمان اولاد سے محروم رہے تھے۔ اور بڑی تمناؤن کے بعد سب سے پہلے مسلمانون مین جو بچہ پیدا ہوا وہ عبداللہ بن زبیر تھے اس لیے اُن کی ولادت پر مسلمانون نے بڑی خوشیان منائی تھین اور سارا مدینہ تکبیر کے نعرون سے گونج اُٹھا تھا۔ اس کے علاوہ اُن کے ذریعہ سے علوم نبوت کا ایک معتدبہ حصہ بعد والون کو ملا تھا بہرتقدیر وہ معزز صحابہ مین تھے۔

عروہ بن زبیر اُن کے سگے بھائی تھے۔ انھین صحابیت کی عزت تو نہین حاصل ہوئی مگر اتنے بڑے صاحب علم وفضل اس پاسے کے فقیہہ و محدث اور ایسے عابد زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے کہ کبار تابعین مین شمار کیے جاتے تھے اور علوم دین حاصل کرنے کے لیے لوگ دور دور کا سفر کرکے اُن کے پاس آتے اور اُن کے چشمۂ علم سے بہرہ یاب ہوتے۔

مصعب بن زبیر بھی اُن کے بھائی تھے اور گو حضرت صدیقہ کے بھانجے نہ تھے مگر ایک جلیل القدر صحابی اور قریش کے شریف گھرانے کے فرزند ہونے کے باعث معزز و محترم مانے جاتے۔ اور اُن کے مزاج مین نفاست اور شجاعت کی وہ ایسے جوہر تھے جو انھین اقران و امثال سے ممتاز ثابت کر رہے تھے۔

چوتھا شخص عبدالملک حضرت عثمان کے سالے کا بیٹا اور برسرحکومت خاندان بنی امیہ کا ایک بلند حوصلہ رکن تھا جو بعد کے زمانے مین دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ اور بنی امیہ کا سب سے زیادہ زبردست خلیفہ ثابت ہوا۔

مگر اس وقت ان مین سے کسی کو بھی اپنی آئندہ زندگی کی مطلق خبر نہ تھی۔ اور نہ یہ جانتے تھے کہ ہم چارون مین بعد کو کیسے واقعات پیش آنے والے ہین اور کیسی سخت خونریزیان ہونے والی ہین۔ ان دنون یہ چارون نوجوان مسجد کے سادے نوجوانان قریش تھے۔ لطف و محبت سے باہم ملتے جلتے تھے۔ اور ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اُٹھاتے تھے۔ باتون باتون مین کسی نے کہا "اچھا آؤ۔ ہم سب اپنی اپنی تمنائین بیان کرین۔ دیکھین کون کیا چاہتا ہے۔ اور کس کی مراد بر آتی ہے" یہ سُن کے عبداللہ بن زبیر بولے "بھئی مین تو یہ چاہتا ہون کہ حرمین (مکہ و مدینہ) کا

حاکم ہون اور عنان خلافت میرے ہاتھ مین ہو۔" اُن کے سوتیلے بھائی مصعب بن زبیر نے کہا" اور میری تمنا یہ ہے کہ عراقین (عراق عرب و عراق عجم) کا حاکم ہون۔ اور قریش کی دو نون معزز خاتونین سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ میری بی بیان ہون۔" عبدالملک بن مروان بولا" میری آرزو تم دونون سے بڑھی ہوئی ہے۔ مین تو چاہتا ہون کہ ساری دنیا کا بادشاہ ہو جاؤن۔ اور معاویہ کا جانشین ہون۔" ان تینون کی آرزوئین سُن کے عروہ بن زبیر بولے" میرے دل مین تم لوگون کی سی دنیوی ہوسین نہین۔ مین تو بس اتنا چاہتا ہون کہ دنیا مین زہد و تقوی کے زیور سے آراستہ رہون۔ عقبی مین جنت نصیب ہو۔ اور اُن لوگون مین شمار کیا جاؤن جن سے علوم دینیہ کی اشاعت ہو۔"

چارون نے اپنی اپنی آرزوئین خدا جانے کس مقبولیت کی گھڑی مین ظاہر کی تھین کہ محروم کوئی نہین رہا۔ جو جس چیز کو چاہتا تھا اُسے ضرور حاصل ہوئی۔ یزید بن معویہ کے بعد عبداللہ بن زبیر مدت تک حرمین کے حاکم رہے۔ خلافت کا دعوی کیا۔ اور مسلمانان عرب نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مصعب بن زبیر اپنی آرزو کے مطابق بھائی کی طرف سے عراقین کے حاکم اور والی ہو گئے۔ اور دولت مندی کے زمانے مین شباب سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ دونون اُن کے عقد نکاح مین آئین۔ عبدالملک کی مراد بھی خدا نے پوری کر دی۔ یزید کے بعد دمشق مین مروان خلیفہ بن گیا اور ۶۹ھ کے بعد عبدالملک بن مروان کو خلافت ملی جس نے عبداللہ بن زبیر کو شہید کر کے ایسے زور و شور سے خلافت کی کہ چین سے اندلس تک اُسی کا حکم چل رہا تھا اور جو حصہ ارض اُس کی قلمرو سے باہر تھا وہان کے سلاطین بھی اُس سے ایسے خائف و ترسان تھے کہ غالباً یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ وہ ساری دنیا کا بادشاہ تھا۔ رہے عروہ بن زبیر اُنھون نے بعد کے جھگڑون مین ذرا بھی دخل نہین دیا۔ دین کی پیروی کرتے تھے اور دین کی تعلیم دیتے تھے۔ صحابہ کی بتائی ہوئی حدیثون اور علوم رسالت کو بعد والون مین پوری امانت داری کے ساتھ پہونچاتے تھے۔ اُنھین نہ بھائی سے سروکار تھا اور نہ عبدالملک سے۔ نہ عبداللہ بن زبیر کے ساتھی تھے اور نہ عبدالملک کے مخالف جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کے بھائیون کا قتل اور تمام اکابر صحابہ کا دشمن عبدالملک اکثر

کہا کرتا "جو کوئی چاہتا ہو کہ کسی جنتی شخص کو دیکھے تو وہ جاکے عُروۃ بن زبیر کا چہرہ دیکھ لے" عروۃ عبد اللہ بن زبیر کے سگے بھائی تھے اس لیے غیر ممکن ہے کہ عبد الملک بن مروان کو اُن کا کھٹکا نہ ہو۔ مگر اُن کی بے نفسی و پرہیزگاری کا وہ بھی معترف تھا۔ سچ کہتے ہیں کہ "الفضل ما شہدت بہ الاعداء" (حقیقی فضیلت وہی ہے جس کے دشمن بھی معترف ہوں)

توحید

اس موقع پر نہ ہم نے اپنے کرم فرما مولانا حسن نظامی کے اخبار توحید پر ریویو لکھنے کے لیے قلم اُٹھایا ہے اور نہ وحدت باری تعالیٰ کی تعلیم و تلقین کے لیے۔ بلکہ ہم اس وقت مسئلۂ توحید کی تاریخ کے متعلق اپنے چند خیالات ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔

خدا کے ایک جاننے اور ایک ہی خدا ماننے کو توحید کہتے ہیں۔ ظاہر میں دیکھیے تو کس قدر سادی اور کتنی سیدھی بات ہے کہ ہمارا اور سارے عالم کا پیدا کرنے والا ایک ہی خدا ہے۔ اُس کا کوئی شریک رہتا نہیں۔ کل موجودات اُسی کے بنائے ہوئے اور اُسی کے تابع فرمان ہیں۔ مگر پھر بھی اس سیدھے سادے مسئلہ میں انسانی جہالت نے (جسے وہ حماقت سے عقل آرائی خیال کرتا ہے) ایسے اُلجھاؤ ڈال دیے ہیں کہ اگر مذاہب اور مقتدایان مذاہب کے دعووں کو دیکھیے تو سب موحد ہیں اور ہماری دنیا میں کوئی مشرک نہیں۔ لیکن اگر اُن کی حالت کو دیکھیے تو ایک بھی موحد نہیں نظر آتا۔

اس میں شک نہیں کہ توحید کوئی ایسی اچھی چیز ہے کہ جی سب کا یہی چاہتا ہے کہ ہم موحد ہوں اور ہمارا خدا ایک ہو۔ فطرت انسانی کی کمزوریوں نے سیکڑوں ہزاروں بااثر قوی اور روحانی پہلوان تسلیم کر لیے۔ انسان جس سے مغلوب ہوا۔ جس سے دبا۔ جس سے ڈرا۔ یا جس کا معترف ہوا اُس کے آگے سر جھکا کے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے سنسان بیابانوں۔ خاموش جنگلوں۔ سراپا عظمت پہاڑوں۔ خوفناک گھاٹیوں ناپیدا کنار سمندروں۔ اور ہمیشہ بہنے والی ندیوں میں مرعوبیت کی آنکھوں سے دیو اور دیوتا دیکھے۔ پریاں اور دیویاں دیکھیں۔ جسمانی عالم میں اپنے خیال کی مدد سے اُن کے تشخصات پیدا کر لیے اور اُن کے آگے سجدے کرنے لگا۔ یہ سب ہے لیکن زبان سے یہی کہا جاتا ہے کہ "ہم موحد ہیں" اور "ہمارا خالق ایک ہی ہے"۔

باوجود ان مشرکانہ حرکات کے وہ مانتا ہے کہ خدا کو ایسا ہونا چاہیے کہ کوئی چیز اور کوئی طاقت اُس کی قوت و حکومت سے باہر نہ ہو۔ کوئی طاقت اُس کی مزاحم نہ ہو سکے۔ اس سبب ایسا خدا ہوگا تو لازم ہے کہ کوئی دوسرا خدا نہ ہو کیونکہ دوسرا ہو تو اگر وہ پہلے کی قدرت و حکومت سے باہر ہو تو پہلے خدا کی خدائی میں فرق آجائے گا اور وہ پورا خدا ہی نہ باقی رہے گا۔ اور اگر وہ پہلے خدا کا تابع فرمان اور مخلوق ہوگا تو وہ دوسرا خدا خدا نہ باقی رہے گا۔ کہنے کو تو کہہ دیا جا سکتا ہے کہ دونوں کی قلمرو جدا ہوگی۔ ان کے حدود و اختیارات مقرر و معین ہوں گے اور اپنی اپنی قلمرو پر دونوں پوری قوت کے ساتھ مطلق و متصرف ہوں گے لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ اس طرح دونوں خدا خدا باقی نہ رہیں گے۔ اس لیے کہ پہلے خدا کی حکومت سے دوسرے کی قلمرو باہر ہوگی اور دوسرے کی حکومت سے پہلے کی قلمرو۔ اور جس کی حکومت سے کوئی چیز باہر ہو وہ خدا نہیں۔

اسی ضرورت اور اسی شبہہ کی وجہ سے دنیا میں شاذ و نادر ہی کوئی ایسا شخص ملے گا جو دو خداؤں کو اپنی زبان سے تسلیم کرتا ہو۔ ایسے لوگ مل جائیں گے جو خدا کے منکر ہوں اور بخت و اتفاق کو اپنا خالق بنا کے کسی قادر و توانا خدا کے ماننے ہی سے انکار کر دیں۔ لیکن ایسے لوگ چراغ لے کے ڈھونڈھیے تو بھی نہ ملیں گے جو دو برابر کے خدا مانتے ہوں۔ یا توحید کے ماننے میں تردد اور پس و پیش کرتے ہوں۔

تاریخ پر نظر ڈالیے تو ہر قوم اپنے آغاز میں بت پرست نظر آئے گی۔ لیکن اُن لوگوں کے حالات اس قدر کم معلوم ہیں کہ ہم ہر پرانی قوم کے اصلی عقائد سے واقف نہیں۔ اس بات کو ہم مانتے ہیں کہ انسان نے جب حیوانیت چھوڑ کے انسانیت کا جامہ پہنا تو اپنی عقل کی کمزوری سے ہر اُس چیز کو جو مہیب پایا عظمت نظر آئی اُس کے آگے سر جھکانے اور اُس کی پرستش کرنے کو تیار ہو گیا۔ لیکن اُس کی اِس ضعیف الاعتقادی سے ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ کبھی وہ ایک سے زیادہ خداؤں کا بھی قائل تھا۔

اگلی دنیا کے بعض بادشاہوں نے بھی خدا بننے کی کوشش کی۔ جیسا کہ نمرود و فرعون کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ پولٹیکل خدا تھے۔ دل میں اپنی مجبوریوں اور کمزوریوں کے معترف تھے مگر اپنی رعایا کے مطیع فرمان رکھنے کے لیے چاہتے تھے کہ خدا نہیں بلکہ ہم اپنی قوم کے معبود بن جائیں۔ تاریخ ہی بتا رہی ہے کہ ایسے

دنیوی خدا جہاں خدائی کا دعوی کرتے تھے وہاں بت خانون مین جاکے بتون کی پوجا بھی کیا کرتے تھے۔

تاریخ کی جستجو مین اگر دور ان سے مدد لی جاے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے پہلے ان چیزون کی پرستش کی جن سے خائف و مرعوب ہوا۔ پھر ان لوگون کی جو قوت مین سب پر غالب تھے۔ اور اسی سلسلے مین اپنے بزرگون بوڑھون اور معزز نامور لوگون کو پوجنے لگا۔ لہذا جیسے معبود وہ بزرگ معزز اور نامور لوگ تھے ویسے ہی معبود بادشاہ بھی بن جایا کرتے تھے۔ مگر اس معبودیت کے ساتھ قومی دیوتاؤن کے آگے بادشاہ اور رعایا اور پرجا سب سجدے کیا کرتے تھے۔

یہود کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ان کی تاریخ سے بابل و نینوا اور مصر کی تاریخون پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو موحد اور باقی تمام اقوام عالم کو بت پرست بتاتے ہین۔ مصر مین بڑے بڑے دیوتا تھے۔ بابل مین ہر جگہ بت تھے۔ یہود کے قریب ہی فینیقیون اور کنعانیون مین دیوتاؤن کی پرستش ہوتی تھی۔ اور اسرائیلی ان سب کو بت پرست اور اپنے آپ کو موحد و حق پرست بتاتے تھے لیکن جس طرح ان قومون کی بت پرستی کے پردے مین توحید تھی ویسے ہی اسرائیلیون کی توحید بھی ہمین مغشوش نظر آتی ہے۔ اس لیے کہ اسرائیلیون کا خدا "یہوا" ان کے بیان سے خدا نہین بلکہ ان کا قومی دیوتا نظر آتا ہے۔ جو اور قومون کا نہین صرف ان کا خدا تھا۔ جو اور ون کے خداؤن پر غالب تھا۔ اور ان سے وعدہ کرتا تھا مین تمہین سب قومون پر غالب اور سب سے برگزیدہ بنا دون گا۔

اس کے بعد یونانیون اور رومیون کا زمانہ ہے۔ یونانی بھی توحید کے قائل تھے اگرچہ ان کا خدا صرف علت تخلیق تھا اور جملہ صفات سے معرا تھا۔ اور رومیون کا خدا بھی ویسا ہی تھا۔ دونون کے نزدیک عالم تخلیق مین دیوتاؤن اور دیویون کی حکومت تھی۔ نامور انسان زبردست سپاہی اور بلند حوصلہ بادشاہ بھی دیوتا بن جاتے۔ اور اپنے روحانی اقتدارات سے دنیا پر اپنے اپنے علاقون مین حکومت کرتے۔ اور دنیا والون کو مدد دیتے۔

مسیحیت نے دنیا مین آکے ابتداءً بڑے زور و شور سے توحید کا نعرہ بلند کیا۔ اور

تمام مورخ و معاصر مذہبون کو مشرک بتایا۔ مگر سچ یہ ہے کہ یونانی ہون یا رومی اُن کے افعال مشرکانہ تھے عقیدہ مشرکانہ نہ تھا اس لیے کہ وحدت باری تعالیٰ مین انہین ہرگز شک نہ تھا۔

سب سے بڑا الزام شرک کا مجوس کو دیا گیا جن کا مذہب ہزار سال سے فارس اور خراسان وغیرہ مین جاری تھا۔ لیکن اس الزام دینے مین زیادہ دخل مسیحیون کی تحقیق کو نہین بلکہ تعصب کو تھا مسلمانون مین بھی آتش پرستی کو ثنوی المذہب یا دو خداؤن کا ماننے والا مذہب کہا جاتا ہے خود زرتشتی اپنے آپ کو اس الزام سے بری بتاتے ہین۔ اور اگر غور سے دیکھیے تو جو یہ الزام ان کو دیا گیا ہے حقیقت مین وہ ویسے ملزم نہین ہین۔ اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ دنیا مین نیکی بدی دو متضاد چیزین ہین جن کو انھون نے نور و ظلمت سے تعبیر کیا۔ خدا تعالیٰ چونکہ صرف صفات حسنہ سے متصف ہے اس لیے نور کو انھون نے اُس کا جلوہ بتایا۔ اور شیطان چونکہ ضلالت و بدی کا مجموعہ ہے لہذا اُس کا مظہر ظلمت کو قرار دیا۔ یہ وہ مانتے ہین کہ خدا سب پر غالب ہے اور شیطان و ظلمت پر بھی وہ غالب آئے گا۔ فی الحال خدا کی مرضی کے خلاف ظلمت موجود ہے اور شیطان لوگون کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ ایسا نہین ہے کہ شیطان و ظلمت اُس کی حکومت و قدرت سے باہر ہون مگر ہان نافرمان اور اُس کے حکم سے باہر ضرور ہین۔ ایک دن آنے والا ہے جب شیطان زندہ پکڑ کے مارا جائے گا اور ظلمت دور ہو گی۔ اگر غور سے دیکھیے تو اس مسئلہ مین حقیت کا دعویٰ کرنے والے دیگر مذاہب سے وہ اچھے ہی ہین لیکن اسکا کیا علاج کہ اُن کو الزام دے کے دو خداؤن کا ماننے والا اور مشرک بنا دیا گیا۔

فرق اتنا ہے کہ عیسائیون اور مسلمانون مین شیطان کی تخلیق کا ایک واقعہ بیان کر دیا گیا ہے اور زرتشتیون مین کوئی ایسا قصہ نہین ہے جس سے پتہ چلتا ہو کہ اہرمن (ان کے شیطان) کو یزدان (ان کے خدا) نے پیدا کیا تھا۔ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے اہرمن اسی شان مین چلا آتا ہے اور آخر مین البتہ مغلوب ہو کے مارا جائے گا۔ لیکن جب وہ اسے فانی مانتے ہین تو اس کے آغاز کا پتہ نہ لگنے سے یہ لازم نہین آتا کہ اُن کے نزدیک وہ ازلی ابدی خدا ہے

اس مین شک نہین کیا جا سکتا کہ ابتداءً مسیحیت کی توحید غیر مغشوش اور مکمل تھی لیکن چند ہی روز مین نظر آ گیا کہ بعوض اس کے کہ وہ اپنی توحید کا اثر دوسرون پر ڈالے خود ہی دوسرون کے شرک سے متاثر ہو کے مغشوش ہو گئی - ایک ہی صدی گزری تھی کہ اُس کی توحید مین تثلیث کا جوڑ لگ گیا - اور زرتشتیون کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ہم تو ثنوی ہی (دو خداؤن والے) ہین مگر تم تثلیث والے ہو - اب پھر ساری دنیا مین توحید برائے نام تھی اور ظاہری صورت مین جسے دیکھیے مشرک تھا -

عرب کے جہلا علم و فضل سے محروم اور متمدن و مہذب قومون سے دُور ہونے کے باعث اب تک پُرانے مذاق کی بت پرستی مین مبتلا تھے - اُن مین درخت جانور اور بت سب ہی طرح کے معبود تھے - ظاہر مین معلوم ہوتا ہے کہ وہ پورے پورے مشرک ہون گے لیکن قرآن مجید جو اُن کے مذہب کے استیصال کے لیے آیا تھا یہی بتا رہا ہے کہ ایک سے زیادہ خداؤن کے وہ قائل نہ تھے - اور اگر اُن سے پوچھا جاتا کہ تمھارا خالق کون ہے تو جواب دیتے کہ "خداے وحدہٗ لاشریک" اس کے بعد جب الزام دیا جاتا کہ "پھر تم ان مورتون کو کیون پوجتے ہو؟" تو کہتے "اس لیے کہ یہ بت خدا کی درگاہ مین ہماری شفاعت کرین گے"

اس بیان سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ اسلام سے پیشتر کے تمام مذاہب بت پرست ہون یا خدا پرست توحید کے سب قائل تھے - شرک صرف عبادت اور پرستش مین تھا عقائد مین نہین - یہ بھی نظر آ گیا کہ پُرانے مذاہب حقہ بھی مشرکون کے اثر سے متاثر ہو کے اپنی اصلی توحید کو بھول بیٹھے تھے - عقائد مین اکثر شرک تھا بھی تو اُسے وہ ایک متشابہ عقیدہ خیال کرتے - مثلاً عیسائیون نے تثلیث کو مانا بھی تو توحید کے لفظ کو نہ چھوڑا - اور تثلیث کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے رہے کہ ہم ایک خدا کو مانتے ہین - اور جب تثلیث و توحید کے باہم متضاد ہونے کی نسبت سوال کیا گیا تو سینٹ کرسٹین نے کہہ دیا کہ "یہ مسئلہ اس لیے ہے کہ دنیا مین مانا جائے اور آخرت مین جا کے سمجھا جائے" اسی طرح زرتشتیون کو ساری دنیا ثنوی المذہب کہتی تھی - وہ خود بھی اہرمن (شیطان) کو اتنی وقعت و عظمت دیتے اور اُس سے اس قدر ڈرتے تھے کہ اُن کے طرز عمل سے دھوکا ہوتا کہ شاید یہ اہرمن کو خدا ہی کے برابر کی قوت مانتے ہین لیکن اگر اُن سے

پوچھا جاتا تو یہی جواب دیتے کہ ہمارا خدا ایک ہے۔ اور اہرمن تو ایک دشمن حق برائی ہے جو فانی ہے۔

الغرض عقیدۂ خدا کے ایک ماننے مین سب متحد ہین۔ شرک کا جو کچھ اظہار ہوتا ہے عبادات اور طرز عمل سے ہے۔ اس راز تک سب سے پہلے بنی اسرائیل پہونچے جو قدیم الایام مین بت پرستی کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ مگر سچ یہ ہے کہ توحید کی اصلی شان کو مکمل طریقہ سے پہلے پہل اسلام نے سمجھا۔ اس نے بتایا کہ زبان اور عقیدے سے ہم چاہے کتنے ہی خدای واحد کے قائل ہون ہمارا طرز عمل ہمارا طریقۂ عبادت اور ہماری معاشرت مشرکانہ ہو تو توحید باطل ہو جاتی ہے۔ اور ہم اس قابل نہین رہتے کہ اپنے آپ کو موحّد کہین۔

اسلام نے کسی مافوق قوت یا کسی اپنے سے بالادست شخص کے ماننے مین حفظ مراتب کے درجے قائم کیے۔ اس نے حکم دے دیا کہ "اُعْبُدُوا اللّٰہَ واکرموا اخاکم" (اپنے خدا کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو) پھر اس کے بعد عبادت و تعظیم کا فرق بتایا۔ نماز اور حج مین جن جن طریقون سے خدا کی عظمت ماننے کا اظہار کیا جاتا ہے ان کو عبادت قرار دیا۔ اور ان کے سوا اور جتنے طریقے عظمت ماننے کے ہین ان کو تعظیم بتایا۔ ہم کسی بزرگ یا معزز شخص کو دیکھ کے کھڑے ہو جائین تو یہ تعظیم ہے لیکن اگر اس کے آگے سجدہ یا رکوع کرین تو شرک ہے۔

ایک یہ پُرانا خیال بھی تھا کہ خداوند جل و علا چونکہ مجہول الکنہ بیچون و بیچگون اور ہماری سمجھ سے بالا ہے اس لیے اس کی ذات تک ہمارا خیال نہین پہونچ سکتا۔ مگر عبادت کے لیے اس کا خیال کرنے اور اُس کا دھیان رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس دشواری کو قدیم مذاہب نے اپنے اپنے مذاق کے موافق حل کیا اس کو تو سب نے تسلیم کر لیا کہ اُس کی طرف دھیان لیجانے کا ذریعہ اُس کی قدرت کاملہ کے کسی مکمل نمونے کو یا کسی ایسی چیز کو جو اُس کی کسی اعلی صنعت کو ظاہر کرتی ہو قرار دے لیا جاے۔ لیکن انتخاب مین اختلاف پڑا۔ کسی نے کسی صحیفہ کی تصویر کو کسی نے کسی قوی ہیکل انسان کی مورت کو۔ کسی نے کسی زبردست جانور کو۔ کسی نے کسی بڑے بھاری درخت کو۔ کسی نے نور و نار کو نردبان حق

قرار دے کے عبادت الٰہی کے واسطے قبلہ بنایا۔

اسلام نے ایسے تمام قبلوں کو قبلہ ہائے باطل بتایا۔ اس لیے کہ چند ہی روز میں لوگ خود اُن قبلوں میں کسی کرشمہ یا کسی قدرت کو ماننے لگے اور بجائے اسکے وہ انسان کے خیال کو خدا کی طرف پہنچائیں خود ہی معبود بن گئے۔ اُن کی تقدیس و تنزیہ کی جانے لگی اور معتقد لوگ خود اُن کی طرف مخاطب ہو ہو کے دعائیں کرنے اور مرادیں ماننے لگے۔ ان مشرکانہ نتائج سے بچانے کے لیے اسلام نے ان تمام قبلوں کی تو تکذیب کر دی مگر اس اصول کو نہیں چھوڑا کہ خدائے بیچون کی عبادت کے لیے کسی سمت اور قبلہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسلام نے ایک مکان کو قبلہ قرار دیا جو موجودین میں سب سے پرانا عبادت خانہ تھا۔ اور اسے بھی اس قید کے ساتھ کہ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ میں اسے سجدہ کرتا ہوں یا نمازیں اُس کی طرف خطاب کرے تو وہ مشرک ہے۔ اس اصول کی سچائی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تمام دیگر مذاہب میں جو چیزیں سمت عبادت اور قبلہ بتائی گئی تھیں وہ چند ہی روز میں معبود بن گئیں اور انھیں کی پرستش ہونے لگی۔ بخلاف مسلمانوں کے قبلے خانہ کعبہ کے جو گزشتہ تیرہ سو برس میں قبلہ کی حد سے تجاوز کر کے معبود نہیں بن سکا۔ سچ یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی مرور ایام کے ساتھ شرک پیدا ہوا اور مشرکانہ رسوم ترقی کرتے رہے۔ ہزارہا چیزیں پوجی گئیں۔ ہزاروں پیروں جھنڈوں اور فرضی تربتوں کے آگے سجدے ہونے لگے مگر خانہ کعبہ کی جو حیثیت آنحضرت صلعم کے زمانے میں تھی آج تک قائم ہے اُس میں ذرا بھی تغیر نہیں ہوا۔

مذکورۂ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے جیسی خالص توحید بتائی کبھی نہیں بتائی گئی تھی۔ اور اگر اس کی تعلیمات پر پورا پورا عمل کیا جاتا تو یقیناً دنیا میں ایک سچی موحد قوم موجود ہوتی۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں میں بھی نماز روزے کے ساتھ مشرکانہ رسوم پیدا ہو گئے۔ اور اُن کا انجام بھی یہی ہوا کہ توحید کے مدعی تو سب ہیں مگر صحیح معنوں پر دیکھیے تو اُن میں بھی شاذ و نادر ہی کوئی موحد نظر آئے گا۔

تمام تصانیف مولانا شرر اور مطبع دلگداز کی دوسری کتابیں

تصنیفات مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

تاریخ و سیر وغیرہ

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات۔ عہ

(۲) ابوبکر شبلی۔ حضرت شیخ شبلی کے حالات۔ مہ

(۳) تاریخ سندھ۔ سندھ کی مکمل تاریخ ہر دو جلد قیمت

جلد اول عہ جلد دوم .... عہ

(۴) حروب صلیبیہ۔ مصنفہ مسٹر کاکس ترجمہ و نوٹس۔ عار

(۵) تاریخ بغداد۔ مرکز خلافت عباسیہ۔ ۶ر

(۶) ملکۂ زنوبیہ۔ ایک عرب آزاد ملکہ۔ ۳ر

(۷) خواجہ معین الدین چشتی۔ ۶ر

(۸) العلم الرفاعیہ۔ مصنفہ شیخ احمد رفاعی کا ترجمہ۔ ۳ر

(۹) غالی صاحب۔ رئیس لکھنؤ مرحوم کے حالات۔ عہ

(۱۰) سکینہ بنت حسین۔ جناب سکینہ کے حالات۔ ۲ر

(۱۱) سرسید کی دینی برکتیں۔ ۲ر

ناول

(۱۲) حسن کا ڈاکو۔ سب سے نیا اخلاقی ناول۔ ۱۲ر

(۱۳) زوال بغداد یعنی سنیوں کا جھگڑا اور نسل عباسیہ کا استیصال۔

(۱۴) غیب دان دلہن۔ پاکدامن اور عفیفہ اور قابل بی بی کی باتیں اور اس کی حیرت انگیز غیب دانی۔ عہ

(۱۵) ماہ ملک۔ مولانا کا نیا اور اچھوتا ناول۔ عار

(۱۶) یوسف و نجمہ کامل۔ جگ بیتی نہیں آپ بیتی۔ عہ

(۱۷) شوقین ملکہ۔ پہلی و دوسری صلیبی لڑائیاں۔ عہ

(۱۸) فتح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ۔ عار

(۱۹) مقدس نازنین۔ ایک ... کا پوپ بن جانا۔ عہ

(۲۰) ملک العزیز ورجینا۔ تیسری صلیبی لڑائی۔ عہ

(۲۱) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کے حالات ہر دو حصہ۔ عار

(۲۲) فردوس بریں۔ حشیشیوں کی جنت کی سیر۔ مہ

(۲۳) حسن انجلینا۔ روم و روس کی لڑائی۔ عہ

(۲۴) منصور موہنا۔ ایک عربی خاندان سندھ میں۔ عہ

(۲۵) شہید وفا۔ اسپین میں مسلمانوں کی پامالی۔ عہ

جلد ہائے دلگداز

جلد دلگداز ۱۹۰۳ء عہ۔ جلد دلگداز ۱۹۰۸ء عہ

جلد دلگداز ۱۹۰۴ء عہ۔ جلد دلگداز ۱۹۰۹ء عہ

جلد دلگداز ۱۹۰۶ء عہ۔ جلد دلگداز ۱۹۱۱ء عہ

جلد دلگداز ۱۹۰۷ء عہ۔ جلد دلگداز ۱۹۱۲ء عہ

دیگر اعلیٰ مطبوعات دلگداز پریس

معاشرت۔ ایک اعلیٰ درجے کی اخلاقی کتاب انگریزی کی گلستان سرجان لبک کی یوز آف لائف کا ترجمہ۔ عار

اتالیق بی بی۔ میاں ... کے افسانے پنجابی کی مزید نکتہ چینیاں۔ ۱۲ر

رفع النقاب۔ مروجہ پردے کے خلاف ایک مدلل رسالہ۔ ۳ر

المشتہر حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی تاریخی رسالہ

نمبر جلد ۱۵

بابت سنہ ۱۹۱۳ عیسوی مطابق سنبلہ سنہ ۱۳۴۲ محمدی

ایڈیٹر

مولٰنا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

مینیجر و پبلشر

خاکسار حکیم محمد سراج الحق عفا اللہ عنہ

جو

دلگداز پریس مین چھپ کے لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان

سے شائع ہوا

دریائے نیل کا منبع

آج وہ مقام جہاں سے دریائے نیل نکلتا ہے آج کل جغرافیہ دانوں پر ظاہر ہے۔ اسکے سرچشمے [illegible] میں سب سے بڑا [illegible] ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ افریقہ کی سب سے مشہور اور سب سے بڑی جھیل سے نکلا ہے جسکو جغرافیہ دانان انگلستان وکٹوریہ لیک (وکٹوریہ جھیل) کہتے ہیں یہاں سے چار ہزار میل کی مسافت طے کرنے کے بعد دریائے نیل [illegible] کے شمالی ساحل مصر پر بحیرۂ روم میں گرتا ہے

پچھلے زمانے میں دریائے نیل کے منبع اور اصلی سرچشمہ کی اکثر لوگوں کو جستجو تھی اور جو شخص ان دشوار گزار [illegible] میں گھسنے کی [illegible] نہ تھی [illegible] جغرافیہ [illegible] کو اس دریا کے اصلی سرچشمہ کا پتہ نہ [illegible] لاعلمی اور نا واقفیت ہمیشہ طرح طرح کے خیالات پیدا کیا کرتی ہے چنانچہ دریائے نیل کے متعلق بھی بہت سی لایعنی باتیں مشہور ہو گئیں [illegible] چونکہ زمین شاداب اور زرخیز ہو جاتی ہے دریا کی برکت سے قسم قسم کے پھول طرح طرح کے پھل لگتے۔ اور دنیا میں جنت کی سی نزہت و دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے اکثر مذہبوں میں بعض دریاؤں کی نسبت کہہ دیا گیا۔ وہ جنت سے آئے ہیں۔ اور حقیقت میں وہ جنت ہی کی سی برکتیں ہیں۔ مگر نیل کے اصلی مرکز کے [illegible] ہونے اور اس کے جنت کی ندی ہونے کے خیالات نے اس لاعلمی کے پردے میں عجیب کرشمے پیدا کر دیے۔

تو اگر میں زندہ ہوں تو اس وقت تک میرے [illegible] پاؤں [illegible] سب [illegible]
[illegible] تعالیٰ مجھے [illegible] کے ذریعہ [illegible] [illegible] اپنے پاس [illegible] لے ـ آخر [illegible]
صورت میں مجھے [illegible] اور کروا [illegible] دہ پاؤں [illegible]
[illegible] مجھے [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] آفتاب [illegible]
[illegible] آفتاب [illegible]
[illegible]
[illegible] قدم [illegible]
[illegible] زمین [illegible]
[illegible] سرزمین سے گزر [illegible]
[illegible] جانب کے [illegible] سرزمین [illegible]
[illegible] جہاں [illegible]
[illegible] پہونچے [illegible] جہاں [illegible]
[illegible] مقام [illegible] معلوم ہو سکے گا آگے [illegible]
[illegible] اور تمام مراحل طے [illegible]
[illegible] سرزمین [illegible] ایک [illegible]
دیوار [illegible] ایک [illegible]
[illegible] دروازہ [illegible] دیوار کے درست
[illegible] میں چلا [illegible] اس [illegible]
[illegible] عبادت کرتے ہیں [illegible]
[illegible] ہوئے ہیں اور ایک [illegible] ہوا [illegible]

حامد نے یہاں [illegible] کے [illegible] پیا اور [illegible] اُس دیوار پر چڑھ جاے جہاں [illegible] کا
[illegible] اپنی آنا [illegible] فرشتہ [illegible] روکا اور کہا [illegible] آگے [illegible]
[illegible] ناقص ہو چکا [illegible]
[illegible] میں [illegible] کہا" میں جنت کی [illegible]
[illegible] اس زندگی میں [illegible]

[illegible] ماشہ [illegible] رہا ہوں [illegible] فرشتے نے کہا
[illegible] اور [illegible] رشتہ [illegible]
[illegible] جدائی جاتا ہے [illegible] ہیں [illegible] ایک [illegible] دن
[illegible] کہتے ہیں کہ "[illegible]" [illegible] گیا [illegible]
پکڑ اٹھایا اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں اس کی نوبت نہیں آئی۔

اس کے بعد فرشتے نے کہا حامد یہ [illegible] جنت سے [illegible] لے گا [illegible]
[illegible] اور [illegible] سامنے تمہیں دنیا کی کوئی چیز [illegible]
[illegible] تمہیں کہ انگور [illegible] خوشے اوپر سے اُتر کے حامد کے ہاتھ میں [illegible]
[illegible] ایک زمرد سبز کا معلوم ہوتا تھا۔ دوسرا یاقوت [illegible]
[illegible] کا فرشتے نے دیکھتے ہی کہا "یہ جنت کی تاک کے انگور ہیں۔ [illegible]
[illegible] انگوروں میں سے [illegible] اب تم واپس جاؤ۔ اور [illegible]
[illegible] معلوم ہوتا تھا معلوم ہو چکا۔

حامد نے پوچھا [illegible] تو بتاؤ کہ یہ تین [illegible] جو زمین میں غائب ہو [illegible]
کہاں جاتے ہیں؟ فرشتے نے کہا "ان میں سے ایک فرات ہے دوسرا [illegible]
[illegible]

[illegible] فرشتے سے رخصت ہو کے واپس چلا۔ پہلے کی طرح [illegible]
[illegible] اسی بار آیا۔ اور اُس مقام پر پہنچا جہاں عمران [illegible]
[illegible] تو اُسی دن اُس کا انتقال ہو گیا تھا [illegible] وصیت [illegible]
[illegible] گیا اور تین دن تک اُس کی قبر پر ٹھہرا رہا [illegible] دن [illegible]
[illegible] ایک پیر مرد نمودار ہوا جس کی پیشانی [illegible] نشان [illegible]

سلام کیا اور کہا "اے حائد۔ دریائے نیل کے کیا حالات تم کو معلوم ہوئے ہیں؟" انھوں نے جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا جسے سن کے وہ کہنے لگا "ہاں یہی عجائبات ہم نے کتابوں میں دیکھے تھے"۔ اس کے بعد اُس پیرمرد نے حائد کو سیب کا ایک درخت دکھایا جس پر سیب لگے تھے اور کہا "آؤ میرے ساتھ اس کے سیب تم بھی کھاؤ۔" حائد نے کہا "میرے پاس جنت کے میوے موجود ہیں اور مجھے ممانعت ہے کہ اُن کے کھانے کے بعد دنیا کی کوئی غذا نہ کھاؤں۔" پیرمرد نے کہا "سچ کہتے ہو۔ جو کوئی جنت کے میوے کھاتا ہو اُسے اور کوئی چیز نہ کھانی چاہیے۔ مگر بھلا کبھی تم نے ایسے سیب دنیا میں بھی کھائے تھے؟ یہ درخت بھی جنت ہی سے آیا ہے۔ دنیا کا نہیں ہے۔ خدا نے عمران کی لیے اس درخت کو یہاں اُگا دیا تھا کہ وہ اس کے پھل کھایا کرے۔ اور تمھارے ہی لیے وہ مرحوم اسے چھوڑ گئے ہیں۔ اور اگر تم نہ آتے تو یہ پھر آسمان پر چلا جاتا۔" اس کے بعد وہ پیرمرد برابر اس سیب کا شوق دلاتا رہا۔ یہاں تک کہ حائد کو بھلا معلوم ہونے لگا اور دل میں اس قدر شوق بڑھا کہ اُس میں سے ایک سیب توڑ کے منہ میں رکھا مگر جیسے ہی اس پر دانت مارے خود اپنا ہاتھ کاٹ لیا۔ اس پر متحیر تھا کہ پیرمرد نے کہا "یہی وہ پھل ہے جس نے تمھیں جنت سے نکالا۔ ضرورت تھی کہ تم اس پھل کو کھاؤ۔ تاکہ تم میں اور دنیا کے جو لوگ تمھارے جنت کے انگوروں کو کھائیں اس سیب کو کھا کے دنیا میں رہنے کے قابل رہیں۔"

اس کے بعد حائد ارض مصر میں واپس آیا۔ لوگوں کو اپنے سفر کے واقعات بتائے اور وہیں پیوند زمین ہوا۔

محمود و ایاز

محمود غزنوی اور اُس کے غلام ایاز کی محبت کے واقعات بہت مشہور ہیں۔ جنھیں محمود نامے نے خاص شہرت دے دی ہے۔ اس لیے کہ چند ہی روز پیشتر محمود نامہ فارسی کی ایک عام پسند درسی کتاب مانا جاتا تھا۔ محمود کو ایاز سے بیشک محبت تھی۔ اور ایسی محبت کہ محمود اُس کا عاشق مشہور ہو گیا۔ لیکن اس کی اصلیت اسی قدر ہے کہ ایاز کی تہذیب و شائستگی تمیزداری اور سلیقہ شعاری نے محمود کو

حسن کا ایسا گرویدہ بنا دیا تھا کہ لوگ اُسے ایاز کا عاشقِ جانباز کہنے لگے۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ محمود غزنوی کا دل عشق کی گرمی سے خالی تھا۔ یہ ہو جاتا ہے۔ تاخت و تاراج۔ اور قتل و غارت نے اُس کے دل کو اِس قابل ہی نہ رکھا تھا کہ آتشِ حسن کی گرمی پا کے پگھلے اور کسی پری جمال کا شیفتہ و شیدا بن جائے۔ یقیناً اس کے دل میں عشق کی ایک چنگاری تھی جس نے ایک زمانے تک بیقرار رکھا۔ مگر یہ عشق ایاز کے ساتھ نہیں بلکہ ایاز کی حسین و نازنین نازک اندام و گلفام بہن کے ساتھ تھا۔

محمد عوفی نے اپنی دلچسپ کتاب "**جامع الحکایات**" میں جس کے انتخاب کا ترجمہ **مسٹر الیٹ** نے اپنی تاریخ ہند میں دیا ہے اس عشق کا حال مختصراً بیان کیا ہے جو ناظرین دلگداز کے لیے غالباً لطف سے خالی نہ ہوگا۔ مصنف ممدوح کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بیتابانہ جوشِ عشق کو محمود غزنوی ایک مدت دراز تک نہایت ضبط و تحمل کے ساتھ اس طرح دل میں چھپائے رہا کہ کسی پر ظاہر نہ ہو سکا۔ وہ دل میں خیال کرتا تھا کہ اپنے ایک غلام کی بہن پر عاشق ہونا میری شانِ فرمانروائی اور میری وضعِ عدالت گستری کے خلاف ہے۔ اور اگر یہ ذرا بھی ظاہر ہو گیا تو میں عام لوگوں کی نظر میں ذلیل و خوار ہو جاؤں گا۔

مگر عشق وہ خود مختار بادشاہ ہے جس کے دربار میں شاہ و گدا کا رتبہ ایک ہے اور جس کا شعلہ کسی نہ کسی دن بھڑک ہی اُٹھتا ہے۔ آخرکار دل میں بخاراتِ دردِ عشق سے ناقابلِ برداشت اُمس پیدا ہوئی۔ اور محمود کے ایسے ضابطہ و متین بادشاہ کی یہ حالت ہوئی کہ صبر و تحمل نے جواب دے دیا۔ اور ایک رات کو یہ واقعہ پیش آیا کہ جب ندیمانِ صحبت اور مشیرانِ دولت رخصت ہو ہو کے اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو۔ محمود نے اپنا پاؤں ابونصر مشکانی کی طرف بڑھا دیا۔ مطلب یہ تھا کہ پاؤں دبانے کے بہانے سے ابھی ذرا ٹھہرو۔ ابونصر مذکور کو محمود غزنوی کے مزاج میں تمام امرائے دولت سے زیادہ خصوصیت حاصل تھی۔ اور وہی بادشاہ کا سب سے بڑا مزاجدان تھا دل میں سمجھ گیا کہ آج قبلۂ عالم اپنا کوئی اہم راز ظاہر فرمانا چاہتے ہیں۔ اور اسے اپنا فخر سمجھ بادشاہ کا پاؤں دبانے لگا

جب تھوڑی دیر تک وہ برابر پیچ کرتا رہا اور بالکل تنہائی ہو گئی تو سلطان نے کہا "ابونصر! حکیموں کا قول ہے کہ تین شخصوں سے اپنا راز نہ چھپانا چاہیے اول تو طبیب حاذق سے۔ دوسرے مہربان مقتدائے دین سے۔ اور تیسرے عقلمند نوکر سے" ابونصر نے ادب کے ساتھ عرض کیا "غلام کو تو اِن میں سے کوئی عزت بھی نہیں نصیب ہے۔ لیکن اگر قبلہ عالم سرفرازی عطا فرمائیں گے تو غلام سے جہاں تک بنے گا اپنی حالت و لیاقت کے مطابق بجا آوری خدمت میں کوتاہی نہ کرے گا۔ اور اپنے آقا کو اُن کے نیک و بد سے مطلع کرے گا" محمود نے کہا "یہی میں چاہتا ہوں۔ [illegible] سنو۔ مدت دراز سے ایک خیال میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ اور ہزار کوشش کرتا ہوں یہ پھانس کلیجے سے نہیں نکلتی۔ میں ایاز کی بہن کی صورت زیبا پہ فریفتہ ہوں اُس کے حسن و جمال نے مجھے بیتاب کر رکھا ہے۔ اور کسی طرح دل کو قرار نہیں آتا۔ اُس کی دلستان اداؤں۔ اُس کی ناز آفرینی کی حرکتوں نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے اور اس شوق سے باز آجاؤں تو دل نہیں مانتا۔ اور اگر اُسے اپنی محبوبۂ خاص اور اپنا شریک زندگی بناؤں تو ڈرتا ہوں کہ قرب و جوار کے سلاطین سُن کے کیا کہیں گے؟ اور میری رعایا پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ یہ راز ذرا بھی فاش ہوا تو میں تمام لوگوں میں یہاں تک کہ خود اپنے نوکروں اور غلاموں کی نظر میں بھی حقیر و ذلیل ہو جاؤں گا۔ ان سب پہلوؤں کا خیال کر کے بتاؤ کہ اس بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ تاریخ پر تمھاری نظر بہت وسیع ہے۔ بھلا تم نے کسی تاریخ میں دیکھا یا سُنا ہے کہ کسی بادشاہ نے اپنی کسی کنیز کے ساتھ شادی کی ہو؟"

محمود غزنوی اپنے آپ کو قدیم خسروان عجم اور سلاطین آل ساسان کی نسل سے خیال کرتا تھا۔ اُس کے اسی میلان طبع کے سبب سے شعرائے دربار نے تاریخ عجم پر ایسی طبع آزمائیاں کیں جو قیامت تک یادگار رہیں گی۔ فردوسی طوسی نے شاہنامہ لکھا۔ حکیم اسدی طوسی نے گرشاسپ نامہ لکھا۔ چنانچہ ابونصر مشکانی نے بھی اس موقع پر فرمانروایان اسلام کی ایک آدھ نظیر پیش کرنے کے بعد مناسب سمجھا کہ تاریخ عجم میں سے ایسے شواہد پیش کرے جو بادشاہ کے دل پر پورا اثر کریں۔ اور اس کی فکریں دور کر دیں۔

چنانچہ زمین بوس ہوکے عرض کرنے لگا" قبلۂ عالم یہ کوئی نئی بات نہیں۔ دنیا مین ایسے واقعات گزر چکے ہین۔ سلاطین آل ساسان مین بہتون نے اپنی لونڈیون سے شادیان کین۔" آل ساسان ہی وہ مسلمان تاجدار تھے جنھون نے خاندان طاہریہ کے بعد خراسان و زابلستان مین آزادی کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ اور انھین سے بغاوت کرکے اُن کا غلام الپتگین بادشاہ بنا تھا جو محمود کے باپ سبکتگین کا آقا تھا۔ اس پر ابونصر نے کہا "خداوند یہ کوئی ایسا معاملہ نہین جو حضور پر گران گزرے یا جس کی وجہ سے دنیا مین کسی کی سبکی اور حقارت ہوتی ہو۔ غالباً حضور نے سنا ہو کہ دارا سے ایران قباد جب ترکستان مین گیا ہے تو وہان کے کسی کسان کی بیٹی سے اُس نے شادی کی تھی جس کے بطن سے نوشیروان عادل کا ایسا عدالت گستر تاجدار پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ مین نے تاریخ عجم مین بہرام گور اور ایک مچھلی والے کی بیٹی کا واقعہ دیکھا ہے جو نہایت ہی دلچسپ ہے اور اُسے سُن کے حضور پر روشن ہو جائے گا کہ ایسے واقعات سے سلاطین عالم کی عزت و وقار پر حرف نہین آتا۔ محمود نے مشتاق ہوکے کہا وہ واقعہ کیا ہے اور ابونصر مشکانی نے یون بیان کرنا شروع کیا۔

"قبلۂ عالم۔ بہرام گور ایک دن شکار کو گیا تھا۔ جنگل مین کسی ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈال تو اپنے لشکر سے کوسون دُور نکل گیا۔ آخر ہرن تو نظر سے غائب ہو گیا۔ اور بادشاہ پیاس سے بیتاب تھا۔ پانی کی تلاش مین سرگردان تھا کہ ایک گاؤن مین گزر ہوا۔ جہان ایک مچھلی والا تالاب کے کنارے بیٹھا کپڑے دھو رہا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر اُس کی بی بی اور اُس کی نازک اندام و گل پیرہن بیٹی بیٹھی تھین اور اُن کے آگے کپڑون کا انبار لگا ہوا تھا۔ بہرام قریب گیا اور کہا "میان مچھلی والے! مجھے تھوڑا سا پانی پلا دینا۔" مچھلی والا صورت دیکھتے ہی پہچان گیا کہ حضور ظل اللہ ہین۔ تعظیم کے لیے اُٹھا۔ اور بی بی سے پکار کے کہا "خداوند عالم کے لیے پانی لاؤ۔" اُس کی جورو نے اُٹھ کے کٹورا خوب مانجھ کے کئی بار دھویا۔ اور اُسے اپنی پری جمال بیٹی کے ہاتھ مین دے کے کہا "بیٹی۔ مجھے مرد کا ہاتھ لگ چکا ہے۔ اس لیے مین اس قابل نہین کہ بادشاہ لوگ میرے ہاتھ کا پانی پیین۔ تو کنواری ہے اور تیرا بنڈا ابھی کورا ہے۔ اس لیے تو ہی پانی لاکے اپنے نازک اور اچھوتے ہاتھ سے بادشاہ کے سامنے

پیش کرو۔" لڑکی ایک چست و چالاک ہرنی کی طرح دوڑ کے پانی لائی۔ اور ایک معشوقانہ ادا سے شرما کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بہرام نے دلدادگی کے ساتھ اُس کی اداؤں پر نظر ڈالی۔ کٹورا لے کے پانی پیا۔ اور اب سیراب ہو کے اُس کی صورت زیبا دیکھی تو

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

اُس کے حسن و جمال اُس کی ناز آفرینی و دلربائی۔ اور ان چیزوں کے ساتھ اُس کے ادب اور سلیقے نے بہرام کے دل پر ایسا قبضہ کر لیا کہ بجائے ہرنی کا شکار کرنے کے خود ایک زیبا شمائل غزال رعنا کا شکار ہو گیا۔ دل میں سوچنے لگا کہ اس معشوقۂ ناز آفرین کو کیونکر اپنا بناؤں۔ اور جب اُس محبوبۂ دوشیزہ کے باغ حسن سے گل چینی کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی تو پھیلی والے سے کہا "میرا جی چاہتا ہے کہ آج تمہارا مہمان رہوں۔ تمہیں اس میں کوئی عذر تو نہیں ہے؟" اُس نے زمین بوس ہو کے عرض کیا "قبلۂ عالم حقیر کی نان خشک اور غریب کا کھانا کھانے میں حضور مضائقہ نہ کریں تو ہم لوگ اسے اپنی خوش نصیبی سمجھیں گے"

یہ کہہ کے پھیلی والے نے ایک اُجلی چاندنی لا کے ایک درخت کے سائے میں بچھا دی اور عرض کیا کہ "حضور رونق افروز ہوں" پھر بادشاہ کے گھوڑے کو لے جا کے ایک درخت میں باندھ دیا۔ اور ناز آفرین بیٹی کے ہاتھ میں ایک صاف اور پاکیزہ کپڑا دے کے کہا کہ "تو بادشاہ کے قریب کھڑی ہو کے مگس رانی کر" لڑکی باپ کے حکم سے اپنا فرض ادا کرنے لگی۔ اور وہ خود گاؤں میں دوڑا گیا اور دم بھر میں لپک کے روٹی، گوشت۔ شراب وغیرہ ضروری سامان ضیافت لے آیا۔ واپس آتے ہی اُس نے جام و صراحی لڑکی کے ہاتھ میں دیے اور کہا "تو ہی بادشاہ کی ساقیہ بن" لڑکی نے سلیقہ اور نفاست کے ساتھ جام کو دھو مانج کے صاف کیا اور اُسے مے ارغوانی سے لبریز کر کے ایک اچھی ادا سے بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ بہرام گور نے جو اُس کے حسن کا دیوانہ اور جوش عشق سے بیتاب ہو رہا تھا بعوض اس کے کہ جام کو اُس کے ہاتھ سے لے خود اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بادشاہ کی اس بے اعتدالی پر ناز آفرین لڑکی نے یہ حرکت کی کہ جھک کے اُس کے دونوں ہاتھ چوم لیے اور پیچھے ہٹ کے ادب سے کھڑی ہو گئی

بادشاہ اس ادا سے اور بیتاب ہو گیا اور کمال از خود رفتگی کے ساتھ بولا "دلربا نازنین۔ بوسہ لینے کی جگہ ہاتھ نہیں ہونٹھ ہیں۔" شوخ ادا لڑکی نے مسکرا کے کہا "لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔" اس فقرے نے بہرام کو اور مار ڈالا۔ حسن وجمال پر فریفتہ تو پہلے ہی سے ہو رہا تھا اب اس کی یہ باتیں سنیں اور انداز گفتگو کے ساتھ اُس کے اعجاز فصاحت کو دیکھا تو بالکل دل ہاتھ سے کھو بیٹھا۔

اتنے میں بہرام کا لشکر اور اُس کا جلوس سامنے سے نمودار ہوا۔ اس لیے کہ امراے سلطنت اور سرداران فوج اُسے ڈھونڈھتے ہوئے یہاں آپہنچے تھے۔ چونکہ مچھلی والے کی لڑکی اُس کے دل میں جگہ پا چکی تھی اس لیے یہ گوارا نہ ہوا کہ اُس کے رخ زیبا پر کسی اور کی بھی نظر پڑے۔ تاجدار عجم اس بارے میں نہایت ہی سخت تھے یہاں تک کہ اُن کے حرم کی کسی خاتون پر کسی غیر کی نظر پڑ جاتی تو وہ واجب القتل پا جاتا تھا۔ اس جذبے سے متاثر ہو کے بہرام نے بے اختیار اُس نازنین لڑکی سے کہا "تم اپنا منھ چھپا لو۔" یہ گویا اشارہ تھا کہ "اب یہ لڑکی ایک غریب مچھلی والی نہیں بلکہ تاجدار عجم کی دلدار ملکہ اور اُس کے دل وجان کی مالک ہے۔" بادشاہ کا اشارہ پاتے ہی لڑکی نے منھ پہ نقاب ڈال لی۔ اس کے بعد فوج نے سامنے صف باندھ کے سلامی لی۔ اور مخصوصین بارگاہ قریب آ کے زمین بوس ہوئے۔

اب بہرام گور میں صبر کی طاقت نہ تھی۔ اُسی وقت مچھلی والے کو راضی کر کے اُس کی ماہوش اور گل اندام بیٹی سے مروجہ رسوم کے مطابق عقد نکاح کیا اور ایک گھڑی نہیں گزری تھی کہ وہ ماہ طلعت مچھلی والی شاہانہ لباس پہنا کے ہاتھی کے عماری زرنگار میں بٹھائی گئی اور چتر شاہی اُس کے سر پہ سایہ افگن ہوا۔ اُس کے ماں باپ کو بھی دوسرے ہاتھیوں پر جگہ دی گئی۔ اور شاہانہ کروفر اور پورے تزک واحتشام کے ساتھ اُس نازنین کی سواری دار السلطنت عجم میں داخل ہوئی۔

اس قصہ نے محمود غزنوی کے دل پہ بے انتہا اثر ڈالا۔ دل میں کہنے لگا "صد شکر کہ میری معشوقہ اُس مچھلی والی سے بدرجہا زیادہ معزز و محترم ہے۔" پھر ابو نصر مشکانی سے کہا "تم نے میری بڑی فکر دور کر دی۔" اور اُسے بہت کچھ انعام واکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

اس واقعہ کو دو ہی دن گزرے تھے کہ ایاز کی پری جمال بہن کی شادی سلطان محمود کے ساتھ ہو گئی - جو کہ اب ایک غلام کی بہن اور لونڈی ہونے کے بجائے غزنی سے لے کے مشرق میں لب گنگا تک اور مغرب میں فارس و دیلم تک تمام ممالک کی پُر سطوت وجبروت ملکہ تھی۔

ندوۃ العلما اور علامہ شبلی

اس امر پر ہماری ساتھ ہندوستان کے بہت سے مسلمان متاسف ہوں گے کہ مولانا شبلی ندوۃ العلما سے علٰحدہ ہو گئے۔ ہم بہت سی باتوں میں مولانا شبلی کے خلاف ہیں جیسا کہ اکثر ہماری تحریروں سے ظاہر ہوتا رہا ہے لیکن باوجود اس کے ہم اُن لوگوں میں ہیں جن کی رائے ہے کہ بغیر مولانا شبلی کے ندوہ چل ہی نہیں سکتا - اور چلا بھی تو وہ وہ ندوہ نہ ہوگا جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہے - یا قوم کے حق میں مفید ہو سکے -

ہم ابتدائے عمر سے مولانا شبلی سے واقف ہیں - اور بجائے خود یقین رکھتے ہیں کہ مولانا ممدوح کی لیاقتوں قابلیتوں اور نیز اُن کی کمزوریوں اور لغزشوں سے جتنے ہم واقف ہیں دوسرا کم ہو گا - اور اُن کی زندگی کے روشن و تاریک دونوں رخوں پر نظر ڈالنے کے بعد ہم یہی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ کم از کم جب تک مولانا شبلی زندہ ہیں ندوہ کو انھیں کی پالسی پر چلنا چاہیے "

بدنصیبی سے مولوی عبد القیوم صاحب کا ایک افسوس ناک واقعہ پیش آیا جس میں اگر کوئی بے ضابطگی یا کمزوری مولانا شبلی سے ظاہر بھی ہو گئی تو وہ ایسی نہیں ہو سکتی کہ اُس کی بنا پر مولوی شبلی کی تمام خوبیوں سے قطع نظر کر لیا جائے اور اس معاملے میں بھی اس بات کے ماننے میں کسی کو تامل نہ ہو گا کہ جو احتیاط مولانا نے برتی وہ ندوہ اور مسلمانان ہند کی فلاح و خیر خواہی ہی پر مبنی تھی ، اگر اُس کو غلطی ہی مانا جائے تو اُس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ اجتہادی غلطی تھی جو ہمیشہ اور ہر قوم میں قابل معافی خیال کی گئی ہے -

اب مولانا کا استعفا منظور ہو جانے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اُن پر سخت ناپاک اتہامات لگائے جانے لگے ہیں - کہا جاتا ہے کہ بعض رقومات کی رقمیں جو انھیں ندوہ کے لیے دی گئی تھیں اُنھوں نے داخل نہیں کیں اور اُن پر ذاتی سرمائے کی طرح تصرف

مولوی شبلی کی شان ایسی بددیانتیون سے بہت ارفع ہے - ہمارے سامنے ایسے بیسیون واقعات گزرے ہین کہ بعض لوگون نے جو روپیہ مولانا شبلی کی نذر کیا تھا انھون نے اُس کے لینے سے قطعی انکار کیا اور صرف اس شرط پہ قبول کیا کہ بجاے اُن کی ذات کے ندوہ کو دیا جاے - بفرض محال اگر ندوہ کی کوئی رقم مولوی شبلی سے صرف بھی ہو گئی ہے تو یقین رکھنا چاہیے کہ ندوہ ہی کی ضرورت مین صرف ہوئی ہوگی اور وہ اُن بھاری رقمون کا سوان حصہ بھی نہ ہوگی جو مولوی شبلی کے ذریعے سے ندوہ کو وصول ہوئی ہین مولوی شبلی کبھی اُن نفس پرست سرگروہان اُمت مین نہ تھے جو قومی جلسوں اور قومی سفرون کے ذریعہ سے اپنی جھولی بھر لیا کرتے ہین - اور قوم کی خدمت کا نام لے کے ذاتی نفع حاصل کرنا چاہتے ہین - اُن کو زرطلبی کا الزام دینا ایسا ہی ہے جیسے سر سید یا نواب محسن الملک کو غبن اور تصرف ناجائز کا الزام دیا جاے - اُن بزرگون کے زمانے مین بھی کالج کے روپیہ مین کئی بار غبن ہو گیا - لیکن سوا اس کے کہ لاعلمی اور حسابات کی طرف بے توجہی کا الزام اُن مرحومین کو دیا جاے کبھی کسی کو یہ جرأت نہین ہوئی کہ انھین بدنیتی یا غلط تصرف کا الزام دے - مگر قوم کی بدقسمتی سے مولوی شبلی کو ایسے ہی معاملات مین بددیانتی کا الزام دیا جاتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ مولوی شبلی سے زیادہ قانع اور بے طمع و بے حرص عالم ہندوستان مین چراغ لے کے ڈھونڈھیے تو بھی نہ ملے گا - اس مین شک نہین کہ وہ سلسلۂ درس اور علماے مدرسین کے طریقۂ تعلیم مین اکثر دخل دے دیا کرتے ہین مگر ہر وہ شخص جو بچون کی نگرانی کا ذمہ دار بنا ہو اُس کا فرض ہے کہ ان امور مین پوری نگرانی کرے - گورنمنٹ کے سررشتۂ تعلیم کے انسپکٹر وقتاً فوقتاً جیسا سخت امتحان معلمون اور مدرسون کا لیا کرتے ہین اُس کی آدھی سختی بھی کبھی مولوی شبلی نے نہین برتی - لیکن بدنصیبی سے ہمارے علما اس کے ذرا بھی متحمل نہین ہو سکتے کہ کوئی اُن کے طرز تعلیم کی نگرانی کرے - اور اگر اُن کی مرضی کے خلاف کوئی افسر اس بارے مین اپنے فرائض کے بجا لانے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو وہ اُس کے خلاف سازشین شروع کرتے ہین - اور آخر ایک غوغا اور ہنگامہ مچا کے اُسے ہٹا دینا چاہتے ہین - مگر مولوی شبلی حسابات کی تنقیح مین چاہے کمزور رہون مگر علمی تنقیح مین مداہنت کو ایک گھڑی کے لیے بھی جائز نہین رکھتے - لہذا اُن کا ایسی سازشون کا

شکار ہونا ضروری تھا۔

ندوہ کے ارکان مین مولوی شبلی کے خلاف مدت سے ایک خطرناک قوت قائم تھی۔ اُن مین ایک گروہ اُن پُرانے مذاق کے علما کا ہے جو ضروریات زمانہ سے ناآشنا محض ہین اپنی تنگ خیالی سے معاملات پر اجتہادی نظر نہین ڈال سکتے۔ اپنی ضد پر قائم ہین اور بالکل نہین پسند کرتے کہ سلسلۂ تعلیم مین کسی قسم کا تغیر و تبدل کیا جاے۔ یا اُن کی راے سے کسی کو اختلاف ہو۔ ایک دوسرا گروہ اُن بزرگون کا ہے جو بیچارے خود نہ عالم ہین نہ فاضل۔ بلکہ یہ چاہتے ہین کہ ہم علماے علم برادرون سے آگے چلین۔ اور اول حکام اور گورنمنٹ کی نظر مین یہ دکھائین کہ قوم کے اصلی لیڈر ہم ہین۔ اور علما ہمارے پیرو۔ اُن کا اصلی منشا یہ ہے کہ بہت سی فضیلت کی پگڑیان اپنے پیچھے دکھا کے خیرخواہی سرکار کی پگڑی بھی اپنے سر پر بندھوالین۔

مولوی شبلی نے دونون گروہون کو زیر رکھا تھا۔ اُنھون نے علما کے عام مذاق کے نصاب تعلیم اور طرز تعلیم مین اصلاحین کین۔ اور اُن علم دارون سے جھنڈا چھین کے اس بات کا دعوی کیا کہ علما کے لیے وسائط و ذرائع کی ضرورت نہین بلکہ خود علما کو چاہیے کہ حکام سے ملین اور اپنے اور اُن کے مقاصد پر غور کرکے اپنے لیے سلامت روی کا راستہ بنائین۔ اس کوشش مین وہ کامیاب ہوے۔ اور سچ یہ ہے کہ اسی اصول کو برتنے سے ندوہ کے اکثر مقاصد کو اُنھون نے نہایت ہی آسانی اور صفائی کے ساتھ حاصل کر لیا۔

نصاب تعلیم کی اصلاح۔ گورنمنٹ سے نہایت ہی مناسب موقع پر زمین کا ملنا۔ ایک نہایت ہی عالی شان عمارت کی بنیاد ڈالنا۔ اور اُسے تکمیل کے قریب تک پہونچا دینا۔ ان ضرورتون کے لیے کافی سرمایہ فراہم کر لینا اور گورنمنٹ سے بغیر کسی شرط کے مدد کا مل جانا یہ سب وہ کام ہین جو مولانا شبلی کے ہاتھ سے تکمیل کو پہونچے اور کسی اور کے ہاتھ سے بمشکل انجام پا سکتے تھے۔

ان کامون کے لیے سب سے زیادہ ضرورت روپیہ کی ہے۔ روپیہ جس قدر فراہم ہوا ہے اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ اُس کا غالب حصہ مولوی شبلی ہی کی کوشش کی برکت ہے۔ اگر آپ غور سے دیکھین گے تو ندوہ کے دارالعلوم مین کل سرمایہ

بہت ہی کم نکلا ہے۔ اور باہر سے جس قدر روپیہ آیا ہے وہ صرف مولوی شبلی کے اعتبار پر آیا ہندوستان کے علما میں اکیلے مولوی شبلی ہی ہیں جن کو ملک کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ انکی بے نظیر اور مقبول عام تصانیف نے انھیں ہمالیہ سے راس کماری تک اور بنگالہ سے افغانستان تک ہر شخص کے دل میں محبوب بنا دیا ہے۔ مصر اور ٹرکی میں بھی انھوں نے ناموری حاصل کر لی ہے۔ اور وہ جدھر کا رخ کرتے ہیں ان سے پہلے ان کا ہر دلعزیز نام پہونچا ہوا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو چند مجہول الحال ارکان ندوہ دائرے کے لوگوں کا علیحدہ کر دینا سوا اس کے کہ کسی سازش پر محمول کیا جائے اور کیا خیال کیا جا سکتا ہے؟ جس نگاہ سے قوم مولوی شبلی کو دیکھ رہی ہے اگر ارکان ندوہ بھی اسی نظر سے دیکھتے تو بجائے ان کے علیحدہ کرنے کے انھیں آنکھوں پر بٹھاتے۔ مگر جن لوگوں کو اپنی قدر بڑھانے کی ضرورت ہے وہ ایسے شخص کو بجز حسد کی نگاہ سے دیکھنے کے قدر و منزلت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔

ہم دلگداز کے صفحوں پر کبھی کبھی مولانا شبلی کو چھیڑا کرتے تھے۔ جس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ نکتہ چینی کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے اور مولانا کی لغزشوں کو عالم آشکارا کر کے انھیں متنبہ و ہوشیار کرتے رہیں اور ان کا مزاج جادۂ اعتدال سے نہ ہٹنے پائے۔ یہی نتیجہ ہم مسلم گزٹ کی نکتہ چینیوں کا بھی تصور کرتے تھے۔ مگر یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ان آشوب زا مضامین سے ان لوگوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا جو مولانا شبلی کو اپنے مقاصد و اغراض کے خلاف خیال کرتے تھے۔ مگر نہیں ہماری امید کے خلاف یہ نتیجہ نکلا کہ مولانا ندوہ سے علیحدہ ہو گئے۔ جس سے مولوی شبلی کو تو کسی قسم کا ضرر نہیں پہونچ سکتا ہاں ندوہ البتہ مٹ گیا۔

مولوی شبلی کی علیحدگی کے بعد ندوہ ہندوستان میں اپنا اگلا اعتبار ہرگز نہیں قائم رکھ سکتا۔ بلاد دور دراز کے لوگ جو ندوہ کو مولانا کے ذریعہ سے جانتے اور اس کے حامی و مددگار تھے سب علیحدہ ہو جائیں گے۔ یہ ہم نے مانا کہ چند اسکے حاسد اپنے گھروں کے اندر آتش حسد کے شعلوں پر ایک دفعہ اور ہانڈی پکا لینگے لیکن اس کا کیا علاج کہ سارا ہندوستان اپنا منھ بدمزہ پائے گا۔

ہندوستان میں جہاں قابل اور سچے خیر اندیشان ملت کی بہت کمی ہے اور جہاں

بے غرض خیر خواہ قوم ڈھونڈے نہین ملتا ہر کام اُسی وقت چل سکتا ہے جب کوئی سچا ایثار نفس کرنے والا مل جاے۔ اور اُسی وقت تک چل سکتا ہے جب تک کہ وہ اُسی کے ہاتھ مین رکھا جاے۔ ہندوستان مین اور وہ بھی مسلمانون مین اس بات کی سعی کرنا کہ ہم جس کسی کو منتخب کر دین گے وہ کام کو چلاے جاے گا ناعاقبت اندیشی اور نادانی ہے۔ یہ یورپ خصوصاً انگلستان کے لیے ہے کہ جس کام کے لیے جو مقرر کر دیا جاتا ہے وہ اُسے خوش اسلوبی سے چلانے لگتا ہے۔ ہندوستان مین آج تک جو کچھ ہوا ہے شخصی کوششون سے ہوا ہے۔ اور جس شخص نے آغاز کیا آخر تک وہ کام اُسی کی ذات سے وابستہ رہا۔ علیگڈھ کالج کو سرسید نے قائم کیا۔ دیوبند کے مدرسہ کو مولوی محمد قاسم صاحب نے جاری کیا۔ اور اسی طرح کے صدہا کام ہین۔ لیکن سب کا انتظام اُسی وقت تک درست رہا جب تک وہ اپنے پہلے بانی کے ہاتھ مین رہے۔ اور اسی وجہ سے کامیاب ہوے کہ اپنے بانیون کی زندگی بھر انھین کے ہاتھون مین رہے تھے۔

اسی طرح یہ بھی خوب سمجھ لو کہ ندوہ بھی اُسی وقت تک چلے گا جب تک وہ اُس کے ہاتھ مین ہے جس نے اُسے اس درجۂ کمال تک پہونچایا ہے۔ مولوی شبلی کے بغیر ندوہ بعض لوگون کے لیے سرخروئی کا اور بعض کے واسطے گورنمنٹ سے خطاب ملنے کا ذریعہ تو البتہ ہو سکے گا مگر ندوہ نہین باقی رہ سکتا۔

ہمین یقین ہے اور یقین کے ساتھ افسوس ہے کہ ہندوستان مین جہان جہان خبر پہونچے گی کہ ندوہ کو اب مولوی شبلی سے تعلق نہین ہے وہان ندوہ کا اعتبار جاتا رہے گا۔ ندوہ نے اپنی حماقت سے کسی معمولی شخص کو نہین کھویا۔ اُس نے ایسے شخص کو کھویا ہے جو دراصل ندوہ کا روح رواں تھا۔ اور جس کے ہٹتے ہی اُس کے اعتبار کا بہت زیادہ حصہ قوم کے دلون سے اُٹھ گیا۔

اُم جعفر

یہ محترم خاتون عبد اللہ بن عرفطہ کی بیٹی تھی۔ مدینۂ طیبہ کے شریف اور معزز و مستند خاندانون مین سے تھی۔ اور بے نظیر حُسن و جمال کے ساتھ دانائی و فراست اور تقدس و عفت مین بھی مشہور تھی۔ اسلام کا ابتدائی زمانہ اور تابعین کا دور تھا۔ جب شعرا

عرب کا معمول تھا کہ ہمارے شاعروں کی طرح عام حسن کے دلدادہ یا کسی غیر متعین معشوق کے شیدا نہیں ہوا کرتے تھے۔ بلکہ اُن کا معمول تھا کہ کسی خاص حسینہ کو اپنی عاشقی اور خیال آرائی کے لیے منتخب کر لیا کرتے اور اُس کا نام لے لے کے اظہارِ عشق کرتے اور عاشقانہ شعر خوانی کرتے پھرتے۔ سچ یہ ہے کہ شریف زادیوں کے لیے یہ زمانہ نہایت ہی خطرناک تھا۔ اور پھر اسکے ساتھ عربوں کا یہ اصول معاشرت کہ جس عورت کے ساتھ کسی کو شادی سے پہلے عشق ہو جائے اُس کے ساتھ نکاح کرنا نہایت ہی معیوب اور سبب بدنامی و رسوائی خیال کیا جاتا تھا۔

غرض ایسا نازک زمانہ تھا کہ اُمراء و شرفائے عرب کی محفلوں میں اُم جعفر کے حسن و جمال اور اُس کی نازنینی و دلبری کی شہرت ہوئی۔ اور چند لوگوں کو بھی اسکے رخ زیبا کی زیارت نہیں نصیب ہوئی تھی "مصداق ع" بسا کیں دولت از گفتار خیزد" اُسی کی بدولت اور عاشقوں کی یاد میں سرد ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس عہد کا مشہور شاعر احوص اُم جعفر کا عاشق و دلدادہ بن گیا۔ اپنے اشعار میں علانیہ اُس کا نام لیتا ایک ایک کے سامنے اُس کے رخ زیبا کو یاد کر کے روتا۔ اور اپنے کلام میں بے تکلف ظاہر کرتا کہ میں اکثر جا کے اُم جعفر سے ملتا ہوں اور اُس سے میری راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔ فلان مقام پر اُس نے مجھ سے یہ کہا اور میں نے اُسے یہ جواب دیا اور فلان موقع پر مجھے اُس کی یہ دلربائی کی ادا نظر آئی اور میں بولا کلیجہ تھام کے رہ گیا۔

جب یہ اشعار مشہور ہوئے اور احوص کے کلام کی عام مقبولیت کے باعث تمام لوگوں کی زبانوں پر اُم جعفر کا نام جاری ہو گیا تو اُس پاکدامن خاتون کو کل شرفاء عرب بدگمانی کی نظر سے دیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ اُم جعفر کے عزیز و قریب خاندان کی عصمت و ناموس پر حرف آنے کے خیال سے پریشان اور شرمندہ ہونے لگے۔ اور سب نے اُم جعفر کو ڈانٹنا اور سخت و سست کہنا شروع کیا۔ غریب معصومہ نے قسم کھا کھا کر بیان کیا کہ میں نے تو کبھی اس ظالم احوص کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ جانتی ہی نہیں وہ کون ہے اور کیسا ہے۔ اور میں تو یہ جانتی ہوں کہ اس نے بھی مجھے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ یہ فقط اُس کی شرارت و بےحیائی ہے جو مجھے مفت اور بے وجہ بدنام کر رہا ہے۔ ادھر اُم جعفر اپنی پاکدامنی و عفت کی قسمیں کھا رہی تھی اور ادھر احوص عام مجمعوں میں

غل مچاتا پھرتا تھا کہ ام جعفر کی نگاہ نازیوں میرے کلیجے میں اُتر گئی - اور یوں فلاں مقام پر وہ اپنے تمام عزیزوں سے چھپ کے مجھ سے ملی اور مجھے دیوانہ بنا کے چلی گئی۔

آخر ام جعفر کے بھائی ایمن کو غصہ آ گیا - اور طیش میں آ کے احوص کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنی ان حرکتوں سے باز آؤ ورنہ بُرا ہوگا - تم ایک شریف زادی کو مفت بدنام کر رہے ہو - جس سے اُس کے دامن عفت میں دھبہ لگا جاتا ہے - اگر پھر کبھی تم نے اس بارے میں کوئی کلمہ منہ سے نکالا تو تجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا" مگر احوص اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا - اور ایمن قطعی طور پر آمادہ ہو گیا کہ کسی دن اُس سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حاکم مدینہ نے اس اندیشہ سے کہ ان دونوں کی عداوت سے کہیں امن عامہ میں خلل نہ پڑ جائے دونوں کو پکڑ بلایا - پھر دونوں کے پاؤں ایک رسی میں بندھوا کے کوڑے دونوں کے ہاتھوں میں دیے اور کہا " اب دونوں لڑو - دیکھوں کون زیادہ مار کھاتا ہے " اس لیے کہ رسی میں بندھے ہونے کی وجہ سے کوئی بھاگ تو سکتا نہ تھا - کمزور اور مغلوب سوا اس کے کہ کوڑے کھائے اور کچھ نہ کر سکے گا۔

اب دونوں زور شور سے کوڑے بازی کر رہے تھے - مگر ایمن کے دل میں شریفانہ غیرت و حمیت کا سچا جوش تھا - اور احوص میں علاوہ اس کے کہ شعرا اکثر بزدل ہوتے ہیں کذب و افترا کی کمزوری تھی - چند ہی کوڑے کھانے تھے کہ کمال بد حواسی کے ساتھ جان چھڑانے کے لیے رسیاں تڑانے لگا - اور آخر اپنے آپ کو چھڑا کے نوک دُم بھاگا - ایمن پیچھے دوڑا - اور دُور تک کوڑے مارتا چلا گیا - یہاں تک کہ احوص کسی گلی میں بھاگ کے غائب ہو گیا۔

اس طریقہ سے ایمن نے بخوبی سزا دے لی - اور بہت کچھ دل کی بھڑاس بھی نکال لی - مگر جو اصلی مقصد تھا نہیں حاصل ہوا - اس لیے کہ احوص باوجود بھاگتے پھرنے کے اب بھی اُسی قسم کے اشعار کہتا - اور ام جعفر کو اور زیادہ بدنام کرتا پھرتا - اب ایمن کے خیال میں سوا اس کے کوئی تدبیر نہ تھی کہ احوص کو جو چھپتا پھرتا تھا کہیں ڈھونڈھ نکالے اور جہاں ملے بے تامل مار ڈالے۔

اسی اثنا میں ایک دن احوص اپنے احباب کے ایک بڑے مجمع میں بیٹھا ہوا غزلخوانی

کر رہا تھا۔ اور لوگ اُس کی نازک خیالیوں کی داد دے رہے تھے۔ انھیں اشعار میں اُس نے اپنے وہ اشعار بھی سنائے جو اُم جعفر کے حسن کی تعریف میں تھے اور جن میں اُس سے ملنے اور وصل کا وعدہ لینے کا تذکرہ تھا۔ ناگہاں ایک برقع پوش عورت آئی اور بیچ مجمع کے بیچ میں احوص سے کہنے لگی "آپ نے مجھ سے وہ بکری لی تھی مگر اُس کے دام آج تک نہیں دیے۔ اب میں نہایت پریشان اور تنگ دست ہوں۔ لہذا اُس کے دام دے دیجیے۔" احوص نے کہا "میں نے کبھی تم سے کوئی بکری نہیں لی۔" عورت بولی "مجھے مفلس و نادار اور بے کس و بے بس دیکھ کے تم نے انکار کر دیا۔ مگر میں بے دام لیے نہ رہوں گی۔" یہ کہہ کے اُس نے ایک کاغذ نکال کے ندیمان صحبت کے ہاتھ میں دیا اور رو رو کے کہنے لگی "دیکھیے اس کاغذ پر انھوں نے مجھے لکھ بھی دیا تھا اور آج کس طرح صفائی کے ساتھ مکرے جاتے ہیں۔ زمانے کا یہی حال ہے تو کوئی کیونکر جیے گا؟" لوگوں نے وہ کاغذ احوص کو دیا جسے دیکھ کے اُس نے کہا "یہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ یہ کوئی مکار اور حیلہ ساز عورت ہے جو خواہ مخواہ مجھ سے کچھ روپے مارنا چاہتی ہے۔" اس کا جواب سنتے ہی عورت نے رونا پیٹنا اور آہ و واویلا کرنا شروع کیا۔ اور آنسو بہا بہا کے کہنے لگی "لوگو خدا کے لیے تمھیں میری مدد کرو۔ میں فاقوں مر رہی ہوں۔ مفلسی نے نان شبینہ تک کو محتاج کر دیا ہے۔ بڑا سہارا ان روپوں کا تھا جو اس ظالم کے ذمے تھے۔ افسوس یہ بھی مکر گیا۔ ہائے میں تو مر جاؤں گی۔" عورت کچھ ایسی بے کسی سے پھوٹ پھوٹ کے روئی کہ حاضرین کو اُس کی حالت پر ترس آ گیا اور سب نے احوص سے کہا "تم کو ایسی بے رحمی نہ کرنی چاہیے۔ اس کا جو کچھ باقی ہو ادا کر دو۔" احوص نے کہا "آپ کیا کہہ رہے ہیں! میں خدا کی قسم اس سے واقف بھی نہیں ہوں۔ جانتا بھی نہیں کہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے۔"

یہ سن کے عورت بولی "اچھا ظالم رہ۔ تو نے میرے روپیوں سے انکار کیا اپنی تحریر سے انکار کیا۔ کیا اب میری صورت سے بھی انکار کر جائے گا؟ مگر تیرے جھوٹ کو گھر تک پہنچائے نہ رہوں گی۔ اور اپنا روپیہ لے کے جاؤں گی۔" یہ کہتے ہی عورت نے چہرے پر سے نقاب جو اُلٹی تو معلوم ہوا کہ ابر میں سے چودھویں رات کا چاند نکل آیا۔ حاضرین کی آنکھیں چکا چوندھ ہو گئیں۔ اور سب بھوچکا رہ گئے۔ اتنا

عالم آشوب چہرہ دکھا کے عورت نے کہا "اب تو پہچانا یا اب بھی انکار کی جرأت کرے گا" احوص نے کہا "یہ صورت زیبا بھی آج ہی دیکھی ہے" سنتے ہی عورت نے اس طرح چلا کے رونا پیٹنا شروع کیا کہ بہت سے راہگیر کھڑے ہو گئے۔ اور سیکڑوں آدمیوں کا مجمع ہو گیا جن کے سامنے احوص انکار کیے جاتا تھا کہ "میں نے اس نازنین کو کبھی نہیں دیکھا ہے" عورت نے کہا "اچھا یوں ہی سہی۔ تو قرآن اٹھا لے کہ آج سے پہلے کبھی تو نے میری صورت نہیں دیکھی ہے۔ تیری جان کو صبر کر کے بیٹھ رہوں گی اور پیچھا چھوڑ دوں گی" احوص بولا "مجھے منظور ہے" اور قرآن ہاتھ میں لے کے کہہ دیا کہ "میں نے کبھی اس عورت کی صورت نہیں دیکھی ہے" احوص نے حلف اٹھایا ہی تھی کہ عورت نے نہایت ہی جرأت و طیش کے ساتھ بڑھ کے احوص کے منھ پر تھوک دیا۔ اور ساتھ ہی اپنے ماہ وش چہرے پر نقاب میں چھپا کے بولی "لوگو۔ تم سب کے سامنے یہ حلف اٹھا چکا ہے کہ اس نے آج سے پہلے کبھی مجھے نہیں دیکھا تھا۔ سنو میں ام جعفر بنت عبد اللہ ہوں جس کے عشق کا یہ دم بھرتا ہے۔ اور اپنے اشعار کے ذریعے سے کہتا پھرتا ہے کہ میں اس سے فلاں مقام پر ملی۔ اور اس اس طرح اس سے ملنے کے وعدے کیے! یہ سچ ہے کہ اس نے مجھ کو کبھی بھر یا آنکھ بھی نہیں دیکھا۔ اور نہ اس کے رشتے میرا کچھ باقی ہے۔ مگر اس کے انکار اور حلف اٹھانے سے آپ سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ کتنا بڑا جھوٹا اور کیسا شریف زادیوں کو مفت بدنام کرتا ہے۔ اور اپنے کذب و افترا پر نادم ہونے کے عوض اور زیادہ اکڑتا اور فخر کرتا ہے۔ بھائی امین کے ہاتھ سے سزا پانے پر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ مگر میں نے آج ایسی سزا دی ہے کہ غیرت دار ہے تو پھر کبھی میرا نام زبان پر نہ لائے گا۔ اور آپ سب صاحبوں کو چاہیے کہ ایسے بدمعاش اور جھوٹے کو ایک گھڑی بھر کے لیے بھی اپنے پاس نہ بیٹھنے دیں" یہ کہہ کے ام جعفر سب لوگوں کو اسی حال میں چھوڑ کے چلی گئی کہ ہر شخص دم بخود تھا۔ کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلتا تھا۔ اور احوص کی یہ حالت تھی کہ سر جو جھکایا تو کسی طرح اوپر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اور کسی سے چار آنکھیں کرنے کے قابل نہ تھا۔

غرض اس واقعہ نے احوص کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دی۔ ام جعفر کا خوبصورت چہرہ جیسا روشن صاف اور اجلا تھا ویسا ہی اس کا دامن عصمت و عفت بھی قیامت

سے بھیے بے داغ اور پاک وصاف ہو گیا۔ اور افسوس ابد الآباد تک کے لیے ایسا بدنام اور ذلیل ہوا کہ پھر کبھی کسی پارسا خاتون کی آبرو پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اور اس قابل ہی نہیں رہا تھا کہ امین کا ایسا شریف جوانمرد عرب اپنی تلوار کو اُس کے خون سے ذلیل و ناپاک کرتا۔

ریویو

معارف النغمات ہندوستان کے فن موسیقی کے بارہ میں محمد نواب علیخان صاحب تعلقدار اکبر پور ضلع سیتاپور نے ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی کتاب لکھی ہے جس کے مثل شاید ہی دوسری کتاب ہو۔ فنون لطیفہ کی موسیقی بھی ان فنون میں ہے جنھیں باوجود حرمت کے قرون کے مسلمانوں نے بڑے ذوق و شوق سے حاصل کیا اور اپنا کر لیا۔ عباسیون کے زمانے میں موسیقی کو سب سے زیادہ ترقی ہوئی تھی اور اسحق موصلی وغیرہ نے عربی موسیقی کو جس سے مراد ایران و روم کے فنون موسیقی تھے اعلیٰ کمال پر پہنچا دیا تھا۔ مگر ہندوستان کی موسیقی کو بغداد کی اُس موسیقی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہندوستان میں آکے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ہندوؤں کا موسیقی ایک بہت ہی بڑا اعلیٰ درجہ کا باضابطہ فن ہے اور بغداد کی موسیقی سے بدرجہا زیادہ وقعت رکھتا ہے تو اُس کی طرف خاص توجہ کی اور چند ہی روز کے اندر مسلمانوں میں اُس کے ایسے باکمال پیدا ہو گئے کہ معلوم ہوتا تھا سنسکرت موسیقی کے اصلی کامل و ماہر یہی ہیں۔ نواب علیخان صاحب نے اس فن کو شوق سے حاصل کیا اور اس میں جو پایہ انھیں حاصل ہو گیا اس کا پتہ کتاب کے دیکھنے سے نظر آ سکتا ہے۔ تقریباً پچیس تیس سال ہوئے ہوں گے کہ ہم نے ہندی موسیقی میں اصول النغمات الآصفیہ نام ایک کتاب دیکھی تھی جو نواب آصف الدولہ مرحوم کے عہد میں تصنیف ہوئی تھی۔ وہ اگرچہ اس کتاب سے نسبتہً چھوٹی اور مختصر تھی مگر بہت ہی جامع اور بے نظیر کتاب ہے اور افسوس کہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت محمد نواب علیخان صاحب کی نظر سے نہیں گزری اگر مل جاتی تو شاید معزز مصنف کو زیادہ مدد ملتی۔ بہرحال مصنف صاحب نے کوشش کی ہے کہ ان کی اس تصنیف کی مدد سے ہر شخص موسیقی سمجھ سکے۔ اول میں ۲۷ صفحوں کا ایک محققانہ دیباچہ ہے اُس کے بعد پورا فن موسیقی

تین حصون یا تین فنون پر تقسیم کر دیا گیا ہے اول شرادھیا ہے دوسرا دہال ادھیا ہے
تیسرا تال ادھیا ہے۔ پہلا حصہ ۱۷۰ صفحون پر دوسرا ۱۷۰ صفحون پر اور تیسرا ۳۴ صفحون پر
ہے۔ لہذا پوری کتاب فل سکیپ پیمانہ کے ۴۰۴ صفحون پر ختم ہوئی ہے۔ چھپائی لکھائی اور
کاغذ اعلیٰ درجہ کا ہے۔ قیمت کچھ نہین۔ جناب مصنف سے خط و کتابت کر کے حاصل ہو سکتی ہے

قدیم ہندوستان کی روحانی تعلیم ۱۸ اور ۲۲ پیمانے کے ۴۴ صفحون کا ایک رسالہ
ہے جس مین شیخ محمد یوسف صاحب دو دوان ایڈیٹر نور قادیان نے مناظرے کی شان سے
اس بات کو دکھایا ہے کہ ہندوؤن کے چارون ویدون کی تعلیمین خداشناسی کے لحاظ سے
بالکل ناقص ہین۔ ہم عدیم الفرصتی کی وجہ سے صرف ۱۸ صفحون تک اس رسالہ کو پڑھ
سکے۔ اور جو رائے قائم کر سکے وہ مصنف صاحب کے موافق نہین ہے۔ ابتدا سے معلوم
ہوتا ہے کہ مصنف صاحب نے اہل حدیث کی نگاہون سے ویدون کو ملاحظہ فرمایا ہے
اور وہی اعتراضات کیے ہین جو شخصی خدا کے ماننے والے تصوف کے خدا پر جو ایک
مفہوم مشترک ہوتا ہے کیا کرتے ہین۔ مگر تھوڑی دور آگے بڑھ کے وہ اہل حدیث کے
اصولون سے بھی ہٹ گئے ہین اور معترض ہین کہ ویدون مین خدا کے منھ بازو رانین
اور پانوؤن بتاے گئے ہین۔ لیکن اس کو نہین دیکھتے کہ خود قرآن مجید مین خدا کے چہرے
ہاتھ وغیرہ بتاے گئے ہین جن کی متاخرین حنفیہ تاویل کرتے ہین اور ائمہ سلف
اور اہل حدیث اُن کو مانتے ہین اور کہتے ہین کہ ہم اُن کی ماہیت سے واقف نہین۔ بہرحال
اس رسالہ مین وید پر جو اعتراضات کیے گئے ہین بالکل سطحی ہین۔ محققین اُن کو مشکل سے
مانین گے۔ اس رسالہ کی قیمت ۸/ ہے۔ جناب مصنف سے طلب کیا جاے۔

رموز الاطبا۔ لاہور کے قابل طبیب حکیم فیروزالدین صاحب ایڈیٹر رفیق الاطبا نے
کئی سال سے یہ مہتم بالشان اور معرکہ آرا کتاب شایع کر رکھی ہے جس کا اب دوسرا
ایڈیشن شایع ہوا ہے۔ یہ کتاب ۱۸ x ۲۲ پیمانے کے ۸۰۷ صفحون اور فہرست
وغیرہ ملا کے ۹۰۰ صفحون سے زائد پر ختم ہوئی ہے جس مین ہندوستان کے ڈیڑھ سو
سے زیادہ زندہ اور موجود یونانی طبیبون اور ویدون کے حالات زندگی مع
اُن کے مجرب نسخون کے درج ہین۔ اس مین مشاہیر اطبا اور ویدون کی ۱۹ ہاف
ٹون تصویرین بھی ہین جن سے کتاب کی رونق اور دلچسپی اور ترقی کر گئی ہے۔ کتاب

سفوف دافع جریان و احتلام

یہ امراض آجکل نوجوانون مین نہایت کثرت سے پھیل گئے ہین ابتدا یون ہوتی ہو کہ پہلے تو دوسرے تیسرے احتلام ہوجاتا ہو جسکی طرف سے بے پروائی کیجاتی ہو نتیجہ یہ ہو کہ تمام عضلے اور اعصاب کمزور اور دل و دماغ بیکار ہوجاتے ہین اسکے بعد تمام قوی جواب دیتے ہین اور صحت مین ہمیشہ کے لیے گھن لگ جاتا ہو ان شکایتون کے دفع کرنے مین یہ سفوف اکسیر کا اثر دکھاتا ہو اور اسکے استعمال سے فیصدی ۵۰ مریض قطعی طور پر شفایاب ہوتے ہین ۲۱ دن مین مرض کا نام و نشان نہین رہتا اور انسان کو محسوس ہوتا ہو کہ صحت و تندرستی کسے کہتے ہین اور کتنی بڑی نعمت عظمی ہو قیمت فی بکس جسمین ۲۱ خوراکین ہوتی ہین عہ/

سفوف دافع لرزہ و بخار

یہ سفوف ہر قسم کے لرزے بخار مین نہایت مفید ثابت ہوا ہے چاہے کیسا ہی لرزہ بخار ہو تین دن مین جاتا رہتا ہو اور سات روز کے استعمال مین مرض کی بیخ و بنیاد بھی نہین باقی رہتی۔ آجکل کی اکثر مروجہ دواؤن مین بڑا عیب ہے کہ انکے استعمال سے مرض چند روز کے واسطے دور ہوجاتا ہو لیکن جیسے ہی دوا کا اثر جاتا رہا مرض پھر عود کرتا ہو گویا شکایت نہین جاتی صرف ظاہر مین دب جاتی ہو لیکن یہ سفوف مرض کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہو اور اس قدر قلیل مقدار مین استعمال کرایا جاتا ہو کہ مریض نہایت آسانی کے ساتھ استعمال کرلیتا ہو قیمت ۷ خوراک کی ۸/

نمک سلیمانی

یورپ کی ترقی کا اصلی راز وہان کی صحت و تندرستی ہی جسکی وجہ یہ ہو کہ وہ لوگ حفظ صحت کی تدبیرون سے کبھی غافل نہین رہتے وہان حفظ صحت کے لیے ہزارون دوائین اور شربت ایجاد ہوگئے ہین جنسے وہان کی تمام قومین فائدہ اٹھا رہی ہین بخلاف اسکے ہمارے یہان جبتک مرض سے سابقہ نہ پڑجائے فکر نہین کیجاتی تمام امراض کی بنا معدہ و جگر کے افعال مین فتور پڑنا ہو اگر دونون اعضا اپنا کام صحیح طور پر کرتے رہین تو انسان کبھی بیمار نہین پڑسکتا۔ اسی خیال سے یہ نمک سلیمانی ان باتون کا خاص لحاظ کرکے تیار کیا گیا ہو کہ معدے کے فعل ہمیشہ برقرار رکھے اور جگر کے فعل مین کوئی نقصان نہ پیدا ہونے دے چند ہی روز کے استعمال مین صالح خون کثرت سے پیدا ہونے لگتا ہو اور تمام امراض کے اجرام اجزاء جسم کے اندر سے فنا ہوجاتے ہین صحت کی حالت مین اگر روزانہ اسکی ایک چٹکی کھالی جایا کرے تو دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہو کہ کبھی کوئی مرض نہ پیدا ہوگا۔ اور اگر معدہ کی شکایت پیدا ہوگئی ہو تو اسکے استعمال سے فوراً جاتی رہتی ہو اور ہیضہ کے واسطے بھی مجرب ہے دوا ہو صحت مین استعمال کی مقدار ۲ ماشہ ہو اور شکایت کیحالت مین ۴ ماشہ قیمت فی شیشی جسمین ۲ تولہ ہو عہ

المشتہر حکیم محمد سراج الحق منیجر کارخانہ معین الصحت کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

کتب خانہ مہذب بک ایجنسی لکھنؤ

حکیم محمد علی صاحب ایڈیٹر مرقع عالم کے تصنیفات

غیرت بانو — ہندوستان کا دلچسپ تاریخی قصہ فقط۔
ہشت تین حصوں میں مجموعی قیمت ۔۔۔ (روپیہ ۱؍)

جعفر عباسہ — جس میں عورتوں کے پردہ نہ کرنے کے نقصانات بہ ناکامیابی کے ساتھ دکھائے گئے ہیں۔ قیمت عہ

اختر حسینہ — عورتوں کو تعلیم کہاں تک دینا چاہیے اور خلاف مرضی کی شادی کے کیسے بُرے نتائج ہوتے ہیں دو حصوں میں۔ ۱۲ر

نیل کا سانپ — [illegible]

گورا — [illegible] اور شرع شریف کی طرف سے عقد بیوگان پر دلائل۔ ۱۲ر

حسن سرور — [illegible]

دیول دیوی — علاؤالدین خلجی کے عہد کا ایک عجیب قصہ [illegible]

اہرام مصری — کب اور کس نے ان کو تعمیر کیا۔ ۲ر

مسیحائے عالم — حفظ صحت کی ایک بہت کارآمد و مفید کتاب ۸ر

مضامین مرقع عالم سنہ ۱۸۹۶ء ۔۔۔۔ ۱۰ر

مضامین مرقع عالم سنہ ۱۸۹۸ء ۔۔۔۔ ۱۰ر

مضامین مرقع عالم سنہ ۱۸۹۹ و ۱۹۰۰ء ۔۔۔۔ ۱۰ر

مضامین مرقع عالم سنہ ۱۹۰۱ء لغایتہ ۱۹۰۴ء

سنہ ۱۹۰۰ء و سنہ ۱۹۰۲ء و سنہ ۱۹۰۴ء قیمت فی جلد ۔۔۔ (چار جلد عہ)

دوسری دلچسپ کتابیں

میڈیکل جیورس پروڈنس — یعنی طب متعلقہ مقدمات فوجداری۔ یہ ایک اعلیٰ درجہ کی ضخیم اور نہایت عمدہ منتخب عام پسند انگریزی کی چھپی ہوئی کتاب ہے جس میں جراحی کا جسقدر حصہ عدالت اور قانون سے تعلق رکھتا ہے بڑی تفصیل سے اور مستند طریقے پر بیان کیا گیا ہے استفادہ اور خوبی کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اس کے مترجم مولوی سید علی صاحب بلگرامی ہیں۔
کسی قانونی کتب خانہ یا کسی وکیل کی الماری کو اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہیے خصوصاً انگریزی نہ جاننے والے وکلا کے لیے یہ کتاب نعمت غیر مترقبہ ہے قیمت فی جلد ۵ روپے رعایتی قیمت للعہ علاوہ محصول۔

دولت درانیہ — جس میں احمد شاہ درانی کے مفصل حالات اسکے ہندوستان پر متواتر حملے سکھوں اور مرہٹوں کی شکست کے حالات بہ بسط و توضیح کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں قیمت علاوہ محصول عہ

تاریخ اسپین — مسلمانوں کا عرب پر حملہ اور پورے اسپین پر تسلط ہونے تک جو واقعات پیش آئے ہیں وہ سب نہایت عمدگی سے مختصر طور پر درج کر دیے گئے ہیں قیمت علاوہ محصول عہ رعایتی ۔ہ

مخمس حبیب — طبع زاد مولوی سید محمد کاظم صاحب کنتوری کا ترکیب بند موسوم بہ شکوۂ ہند قیمت فی جلد ۔ رعایتی ۴ر

ان مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ اور بھی ہر قسم کی کتابیں روانہ ہو سکتی ہیں۔ تاجروں کے ساتھ خاص رعایت اور زیادہ مال میں زیادہ کمیشن۔ عام خریداروں کو بھی کتابیں بہت سستی دی جاتی ہیں۔ ٹکٹ آنے پر تفصیلی فہرست بھیجی جائے گی۔

المشتہر — پروپرائٹر کارخانہ مہذب بک ایجنسی۔ کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی تاریخی رسالہ

جلد ۱۵

نمبر

ستمبر سنہ ۱۹۱۳ عیسوی مطابق میزان سنہ ۱۳۳۲ محمدی

ایڈیٹر

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شررؔ

منیجر و پبلشر

خاکسار حکیم محمد سراج الحق عفا اللہ عنہ

جو

دلگداز پریس مین چھپ کے لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان

سے شائع ہوا

دلگداز! دلگداز! دلگداز!!!

سنہ ۱۸۸۷ء سے مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کی ایڈیٹری میں نکل رہا ہے مضامین نہیں تیر و نشتر [illegible] کسی چشم فتّان کی نگاہ ناز ہیں جو دل میں اُترتی اور دل ہی دل میں رہ جاتی ہے اعلیٰ درجے کے ادبی اور تاریخی مضامین ہوتے ہیں ختم سال پر بشرط خریداری سال مابعد مولانا شرر کا ایک نیا ناول حسب دستور دلگداز کو مفت دیا جاتا ہے قیمت ایک روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک۔

المشتہر۔ منیجر دلگداز۔ کٹرہ بزن بیگ خان۔ لکھنؤ

مولانا شرر کی کتابوں کے نئے لائبریری ایڈیشن

نفیس مذاق قدردانان علم کے لیے مولانا شرر کی نئی اور پرانی کتابیں بڑے اہتمام کے ساتھ وضیح مسطر پر چھپ رہی جاتی ہیں جن کی نفاست دیکھنے کے قابل ہے اس سلسلۂ طبع کا نام لائبریری ایڈیشن رکھا گیا ہے جو حضرات پہلے سے دے دیتے ہیں اُن کا نام لائبریری ایڈیشن میں درج کر لیا جاتا ہے اور تیار ہوتے ہی ہفتہ عشرہ پہلے اطلاعی کارڈ دے کر بلا انتظار جواب وی پی بھیجدی جاتی ہیں مجلد کتابوں کے خریداروں سے اصل قیمت پر ۱۲ر کے حساب اضافہ کیا جاتا ہے اگر علمی مذاق کی سرپرستی منظور ہو تو فوراً لائبریری ایڈیشن کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرائیے

نمبر۱۔ **افسانۂ قیس** مجنون عامری کی لائف جو از سر نو مکمل کی گئی ہے قیمت فی جلد ۲ر

نمبر۲۔ **قیس و لبنیٰ** مشہور عاشق عرب قیس بن ذریح عذری اور اُس کی معشوقہ لبنیٰ کے حالات کو ایک نہایت پُر اثر اور دلچسپ ناول کا لباس پہنایا گیا ہے قیمت فی جلد ... ۱۲

نمبر۳۔ **حسن بن صباح** بانی فرقۂ باطنیہ کے حالات زندگی اُس کی تعلیمیں اس کا علم و فضل اس کے سرگرمیاں [illegible] ۔ ۶ر

نمبر۴۔ **عصر قدیم** ایک نہایت مکمل مجموعہ جس میں تاریخ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پیشتر کی تمام قوموں سلطنتوں مصریوں آشوریوں کلدانیوں [illegible] ساسانیوں بطلیموسیوں وغیرہ کے اجمالی حالات ہیں ۸ر

نمبر۵۔ **آغا صادق کی شادی** لکھنؤ [illegible] کی ایک باذات تصویر کھینچ دی گئی ہے قیمت [illegible]

نمبر۶۔ **فلورا فلورنڈا** اندلس کا آخری دور [illegible] کی بربادی اور مسیحیوں کا احمقانہ تعصب نہایت دلچسپ پُر اثر تاریخی ناول۔ قیمت ۸ر

نمبر۷۔ **فلپانا** مولانا شرر کا بہت ہی پُر مذاق تاریخی ناول جس میں طلیطلہ اندلس [illegible] صحابۂ کرام کا عہد حضرت عثمان غنی کا دور صحابہ کی پاکبازی و بےنفسی [illegible] فلپانا اور عبد اللہ بن زبیر [illegible] زیر طبع ...

المشتہر۔ حکیم محمد سراج الحق منیجر۔ دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

ایک پاکدامن کھترانی

نواب سعادت علی خان فرمان رواے اودھ کے زمانے مین جبر نام سنگھ نام ایک سرسوتی برہمن جو پنجاب کے رہنے والے تھے اور لکھنؤ کے دربار مین خصوصیت رکھتے تھے "سعادت نامہ" نام ایک تاریخ لکھی ہے جس کا بہت کچھ دلچسپ حصہ مسٹر ایلیٹ نے اپنی تاریخ مین اخذ کر لیا ہے۔ اسی اخذ شدہ حصے مین ایک یہ دلچسپ واقعہ بھی ہے جس کو پڑھ کے اسلامی حکومت ہند کے آخری حالات۔ ہندو مسلمانون کے باہمی اختلافات و شکایات۔ اور اُن کے ساتھ ہی اُن کی نیکی گی اور کجی کا عجیب مجموعہ نظر کے سامنے ہو جاتا ہے۔ قابل مصنف صاحب ہندو ہین۔ اور ہندوؤن مین بھی برہمن۔ مگر دیباچے مین خداے واحد ذوالجلال اور پیغمبر آخر الزمان علیہ السلام کی حمد و نعت بڑے زور و شور سے بلکہ جوش عقیدت کے ساتھ تحریر فرماتے ہین۔

لیکن وہ واقعہ جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا یہ ہے کہ پنجاب مین سکھون کا عہد شروع ہونے سے پہلے چند سال تک لاہور کے صوبہ دار زکریا خان رہے تھے۔ جو بڑے ہی شریف النفس عدل گستر اور اہل لاہور مین نہایت ہر دلعزیز تھے۔ اُن کے زمانے مین مسلمان مولویون نے ہندوؤن سے مذہبی مباحثہ چھیڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ہندوؤن پر جبر و تشدد اور زیادتیان کرنے لگے۔ مگر زکریا خان کے انصاف نے ہمیشہ مسلمانون کو ملزم ٹھہرایا اور دبایا۔

یہ جھگڑے ہو ہی رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک آغا صاحب کسی ہندو کھتری کی جورو پر فریفتہ ہو کے اُس کے بہکانے اور پھسلانے کی کوششیں کرنے لگے۔ عورت نہایت ہی پاکدامن اور عفت شعار تھی کسی طرح راضی نہین ہوئی اور اُن کے فقرے مین نہ آئی۔ آخر ایک دن رات کو آغا صاحب نے مشہور کیا کہ آج اس عورت کے ساتھ میرا نکاح ہوگا۔ چنانچہ ہزارون مسلمانون کے مجمع مین عورت مسلمان دولھنون کی وضع مین لائی گئی۔ قاضی صاحب نے نکاح پڑھا۔ خرمے اور نقل لٹائے گئے۔ ہزارون آدمیون نے دعوت ولیمہ کھائی۔ اور دوسرے دن آغا صاحب چند بدمعاش اور شورہ پشت دوستون کے ساتھ اُس کھتری کے دروازے پر پہونچے اور کہا "اپنی جورو کو سوا رکرا۔ اب وہ تیری نہین بلکہ میری جورو ہے۔ تجھ سے اور تیرے دین سے اُسے نفرت ہوگئی۔ کل رات کو وہ خود اپنی خوشی سے میرے گھر مین آئی۔ میرے ہاتھ پر کفر سے توبہ کرکے دین اسلام قبول کیا مسلمان ہوئی۔ اور میرے ساتھ نکاح کر لیا" غریب کھتری اُس کے تمام اعزا و اقارب خود اُس عورت کے میکے والے سب کی یہ حالت تھی کہ آغا صاحب کے یہ الفاظ سُن سُن کے دریاے ندامت مین غرق تھے۔ چاہتے تھے کہ زمین پھٹے اور ہم سما جائین۔ کسی کو دم مارنے اور چار آنکھین کرنے کی جُرأت نہ ہوتی تھی۔ آخر شوہر اور دوسرے عزیز خود اُس نادان عورت کے پاس گئے اور پوچھا "تم اِس مسلمان کے گھر مین گئی تھین؟ اور جو کچھ یہ کہہ رہا ہے سچ ہے؟" غریب بے زبان عورت اس اتہام سے مارے شرم کے زمین مین گڑی جاتی تھی۔ مگر بے بولے بھی نہ رہا جاتا تھا۔ بے شرمی اختیار کرکے بولی "مین اُن آغا صاحب کو جانتی ہی نہین کہ کون ہین۔ اُن کے وہان جانا کیسا مین نے کبھی بات تک تو اُن سے کی نہین اور نہ کبھی اُنھین نظر بھر کے دیکھا ہے۔ لیکن مین گواہ کہان سے لاؤن؟ اور کوئی میری کیون سُننے لگا تھا؟"

عورت کو انکار کرتے دیکھ کے عزیزون اور اُس کے شوہر کا حوصلہ بڑھا اور باہر آکے کہا "عورت کو اِس سے بالکل انکار ہے۔ اور کہتی ہے کہ مین نے اپنے گھر سے قدم ہی باہر نہین نکالا اِن کے گھر کیسے پہونچ گئی؟" آغا صاحب نے کہا "اچھا ایک کام کرو یہ نازنین جب میرے یہان سے واپس آئی ہے تو مسلمان دولھنون کا سا لباس عروسی پہن کے آئی تھی جن کپڑون پر نکاح ہوا تھا۔ گھر مین ڈھونڈھو۔ اگر وہ کپڑے نہ ملین تو

تو وہ سچّی ہے اور مین جھوٹا اور جو وہ کپڑے مل جائین تو اُسے جھوٹا اور مجھے سچّا خیال کرکے اُسے میرے ساتھ سوار کرا دو۔" آغا صاحب کے بیان کے مطابق عزیزون نے گھر مین جاکے دیکھا تو واقعی مسلمان دلہنون کا لباس عروسی نکل آیا۔ جسے دیکھتے ہی سب سنّاٹے مین آگئے۔ اور اب کسی سے کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا۔ تاہم ہندؤن کی غیرت مقتضی نہ ہوئی کہ عورت کو بغیر اُس کی مرضی کے زبردستی سوار کرا دین۔

آخر مقدمہ لاہور کے قاضی صاحب کے سامنے پیش ہوا۔ وہ پُرانے خیال کے خالص مسلمان مُلّا۔ فتویٰ دیا کہ "جو عورت مسلمان ہوئی۔ ایک مسلمان سے نکاح کیا۔ وہ مجبوراً مسلمان شوہر کے سپرد کیجیے۔ اور ہرگز اُسے اس کا موقع نہ دیا جائے کہ پھر مرتد ہو جائے۔" یہ فتویٰ تعمیل کے لیے زکریا خان کے سامنے پیش ہوا تو وہ ایک چکمہ مین پڑ گیا۔ نہ کوئی بات سمجھ مین آتی تھی اور نہ کچھ کرتے دھرتے بنتا تھا۔ آخر حکم دیا کہ "کل تک مقدمہ ملتوی رکھا جائے۔ مین سوچ سمجھ کے حکم دونگا۔"

رات کو زکریا خان نے سب سے چھپ کے فقیرون کا بھیس کیا۔ اور سیدھا اُس کھتری عورت کے محلّے مین پہونچا۔ پھرتے پھرتے ایک ایسے مقام پر گزر ہوا جہان چند فقیر ایک کونے مین بیٹھے باتین کر رہے تھے۔ باتون باتون مین ایک فقیر بولا "سنتے ہو؟ اس کھترانی کو ہم ایک زمانے سے دیکھ رہے ہین۔ اور اس کے طور و طریق مین سوا پاکدامنی اور نیک چلنی کے کبھی کوئی بات نہین دیکھی۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ ایسی پارسا عورت اُس مغل کے وہان گئی ہو اور نکاح کر لیا ہو؟ خدا جانے اس مین کیا فریب ہے؟" یہ سُن کے زکریا خان اُن آغا صاحب کے محلّے مین گیا۔ یہان آتے ہی کسی شخص کو یہ کہتے سُنا "یہ مغل مفتری جھوٹا اور مکار ہے۔ ہم نے اُس کھتری عورت کو کبھی اس کے یہان آتے نہین دیکھا۔ پھر نکاح کیسے ہو گیا؟"

ان باتون کو سُن کے زکریا خان کو اُس شریف کھترانی کا چال چلن بھی معلوم ہو گیا اور اُن آغا صاحب کا بھی۔ مگر قاضی صاحب کے فتوی کے مسترد کرنے کے لیے کوئی بنیاد اور کافی شہادت نہین ملتی تھی۔ یہ سمجھ مین نہ آتا تھا کہ مسلمان لڑکیون کا لباس عروسی اُس کھتری کے گھر مین کیسے پہونچ گیا۔ کپڑون سے اُس کا خیال دھوبن کی طرف گیا۔ اور اُس دھوبن کو پکڑ بلایا جو اس کھترانی کے گھر مین کپڑے دھوتی تھی۔ پہلے تو اُس نے انکار کیا۔ مگر جب سختی کی گئی تو بولی کہ "ہان آغا صاحب کے لالچ دلانے اور بہت کچھ دینے کی وجہ سے مین نے یہ کیا کہ اُس کھترانی

کے کپڑے پہن کے اور اُسی کی سی وضع بنا کے رات کو اُن کے یہان آئی - پھر اُن کا دیا ہوا لباس عروسی پہن کے اُسی کے نام سے اُن کے ساتھ نکاح پڑھوایا - اور دوسرے دن آغا صاحب کی ہدایت سے وہ شادی والے کپڑے اُس عورت کے گھر مین لیجا کے ڈال دی۔ زکریا خان نے اس بیان کے مطابق دیگر ثبوت حاصل کرکے اور اپنا پورا اطمینان کرکے دوسرے دن اُن آغا صاحب اور اُس دھوبن کو قتل کی سزا دی - اور اُس پاکدامن کھتری کو عصمت و عفت کی سند دے کے اُس کے ناموس کو ہمیشہ کے لیے بدنامی سے بچا لیا -

لاہور مین زکریا خان کے معتمد علیہ دو کھتری تھے جن مین سے ایک کا نام لالہ لکھپت رائے اور دوسرے کا لالہ جسپت رائے تھا - یہ بڑے دولتمند اور معزز لوگ تھے - اور زکریا خان کو ہر کام مین اُن پر پورا بھروسا تھا - دونون کو راجہ کا خطاب حاصل تھا - مگر وہ اپنے آقا زکریا خان کے سامنے اپنے آپ کو راجہ نہین کہلاتے تھے - اور نہ کبھی آپ کو اس خطاب سے شہرت دی - جب نادرشاہ دہلی کو لوٹ کے واپس جاتے وقت لاہور مین پہونچا تو حکم دے دیا کہ سارے باشندگان لاہور کو پکڑ کے اسیران جنگ کی حیثیت سے ساتھ لے چلو - اس موقع پر لالہ لکھپت رائے نے تین لاکھ روپیہ نقد اُس کی نذر کرکے تقریباً پانچ لاکھ ہندو مسلمانون کو جن مین مرد بھی تھے اور عورتین بھی تھین نادرشاہ کے دست ستم سے آزادی دلائی -

---

میر علی شیر

علم و فضل جب دل پر سچا اثر ڈالتے ہین تو انسان مین جاہ پسندی عیش طلبی اور دولت و حکومت کی ہوس بالکل نہین باقی رہتی - لیکن اس قسم کے اعلی کمال کے نمونے اکثر اُسی قوم مین نظر آیا کرتے ہین جو دنیا مین عزو وقار اور شرافت و نجابت کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہو جاتی ہے - مسلمانون کا بھی کبھی ایسا زمانہ تھا کہ اُن مین علم و فضل کا ایسا ہی سچا ذوق رکھنے والے کثرت سے پیدا ہوا کرتے تھے - ہم مین یہ بات ابھی تھوڑے ہی دنون پیشتر تک موجود تھی کہ ہمارے شرفا کا برادر ہمارے صاحبان علم شرافت نفس اور اپنے سچے ذوق علم کے سامنے نہ سلطنت کی پروا کرتے تھے اور نہ عیش و راحت کی - مگر ہمارا وہ زمانہ گزر گیا - اب ہم مین کا ہر شخص دولت اور روپیے کی ہوس مین تمام کمالات انسانی کو بھول گیا ہے - مال و دولت کے آگے کسی انسانی کمال کی قدر نہین

...ری ہے ۔ اور اگر تمتع دنیوی کی امید ہو تو ہر شخص ہر قسم کا ذلیل سے ذلیل اور بیہودہ سے بیہودہ ...م کرنے کو تیار ہو جاتا ہے ۔

اگلے شریف النفس باکمالان اسلام مین ایک یہی "میر علی شیر" تھا جس کا نام اس مضمون کا ...یب عنوان ہے ۔ گو اُس کے نام کے ساتھ "میر" کا لفظ لگا ہوا ہے مگر اصل مین وہ تاتاری الاصل تھا اور چغتائی قبیلے کے ایک معزز و محترم خاندان سے تھا ۔ ۸۴۴ھ مطابق ۱۴۴۰ء مین پیدا ہوا اور اپنے صاحب علم باپ کے آغوش مین پرورش پانے لگا ۔ میر علی شیر کے بزرگوار اگرچہ ایک سپہ گر اور صاحب سیف گروہ کی یادگار تھے اور غالب کا یہ شعر اُن کے حسب حال تھا کہ مصرع "سو پُشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری" مگر خود اُن نے ذوقی طور پر علم و فن مین ایسی اعلیٰ بصیرت حاصل کر لی تھی کہ علم کے شوق مین سارے مشاغل چھوٹ گئے تھے ۔ اور سوا عالمانہ صحبتوں کے اُنھین کسی بات مین مزہ نہ آتا تھا ۔ چنانچہ بیٹے بچون کو بھی انھون نے بجاے تیر افگنی و شمشیر زنی اور نیزہ بازی و شہسواری کے پڑھنے لکھنے کی تعلیم خاص توجہ سے اور بڑے انہماک و اہتمام کے ساتھ دلوائی ۔ سلطان ابو القاسم بابر ابن تیمور کے عہد مین سلطنت کا ایک بڑا اور معزز محکمہ اُن کے سپرد تھا ۔ اسی وجہ سے میر علی شیر کو تعلیم و تربیت ہی کے زمانے سے دربار شاہی مین جگہ مل گئی ۔ اور خاص شاہزادۂ ولی عہد کے ساتھ ہم سبق و ہم مکتب ہو جانے سے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس کا نشو و نما قصر سلطانی مین بلکہ خاص بادشاہ زمانہ کے آغوش مین ہوا ۔ اور سلطان بابر کو اُس سے ایسا تعلق خاطر ہو گیا تھا کہ اُسے اپنا بیٹا اور فرزند کہا کرتا ۔ اور اُس کے بعد جو جو اُس کا علمی ذوق و شوق بڑھتا گیا اور اُس کے اشعار مطبوع خلائق ہوتے گئے بادشاہ کی نظر مین اُس کی عزت و وقعت بھی ترقی کرتی گئی ۔

اسی اثنا مین علی شیر کو ایک ناگہانی صدمہ پہونچا ۔ وہ یہ کہ بادشاہ نے جو اُس کا مربی اور اس کے حال پر حد سے زیادہ مہربان تھا سفر آخرت کیا ۔ اور وہ دنیا سے کچھ ایسا برداشتہ خاطر ہوا کہ اپنے ہمسبق ولی عہد سلطنت کی بھی پروا نہ کی ۔ اور دربار شاہی اور ایوان خسروی کو چھوڑ کے فقیرون اور آزاد مشرب صاحبان علم کی طرح مشہد مقدس مین جا بیٹھا ۔ چند روز بعد مشہد کے قیام سے بھی دل اُکتایا تو سمرقند کی راہ لی ۔ جو شہر کہ اُن دنون علم و فضل کا ایک بڑا بھاری مرکز تھا ۔ اس دار العلم مین پہونچ کے اُس نے علوم عالیہ کی طرف توجہ کی اور چند روز مین ایک فاضل گران پایہ بن گیا ۔

تھوڑے دنون بعد اُس کا ہم سبق اور بچپن کا رفیق سلطان حسین بہادر خان خراسان کا فرمانروا ہوا۔ اُس نے میر علی شیر کے ساتھ تعلیم پائی تھی۔ ہم سبق وہم مکتب رہا تھا اور اُس کے ساتھ بچپنا مین جو صحبتین اور ہم مذاقی رہی تھی اُسے یاد کرکے اکثر مزے لیا کرتا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی میر علی شیر کو خط لکھ کے سمرقند سے بُلوایا۔ اور جیسے ہی وہ حاضر ہو کے آستان بوس دولت ہوا اُسے خلعت سے سرفراز کرکے اپنا وزیر اعظم اور کل مہمات سلطنت کا ذمہ دار بنا دیا۔ اگلی محبت اور بادشاہ کی صحبتون کو یاد کرکے وہ چلا تو آیا۔ مگر جس کے دل مین علم کا ذوق پیدا ہو گیا اُسے دنیاوی جھگڑون مین کیا لطف آسکتا تھا؟ تھوڑے ہی دنون بعد وزارت سے استعفا دے دیا۔ اور کہا "حکومت وجاہ آپ کو مبارک۔ مجھے تو اپنے علمی مشاغل کے لیے ایک گوشۂ عزلت چاہیے جہان تک حکمرانی وجہانبانی کے جھگڑے نہ پہونچتے ہون۔" مگر سلطان حسین کو اُس سے کچھ ایسی محبت تھی کہ کسی طرح استعفا نہ قبول کرتا تھا۔ اور آخر کہہ سُن کے اور سمجھا بجھا کے اُسے اِس پر راضی کیا کہ اگر وزارت نہین پسند ہے تو صوبۂ استرآباد کی گورنری قبول کرے۔ اور وہان اطمینان سے بیٹھ کے علمی مشاغل اختیار کرے۔ جبراً وقہراً علی شیر نے بادشاہ کی اس عنایت کو قبول کر لیا۔ مگر جب استرآباد کی عنان حکومت ہاتھ مین لی تو وہان بھی ویسے ہی جھگڑے نظر آئے۔ اور اپنے مذاق کی باتون اور علمی مشاغل کے لیے مطلقاً فرصت نہ ملتی۔ آخر اِس حکومت سے بھی استعفا دیا اور پبلک معاملات کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کے تصنیف وتالیف مین مشغول ہو گیا۔ اور اسی مشغلہ مین اپنی پوری زندگی صرف کر دی۔ اُس کے تصانیف فارسی اور ترکی زبانون مین ہین۔ جن کا شمار اکیس سے کم نہین بتایا جاتا ہے۔

اکثر صاحبان علم مین اُمرا اور رؤسا سے زیادہ نخوت پیدا ہو جاتی ہے اور علما کا تبختر اور اُن کی ریاکارانہ خودداری عوام مین مشہور ہے۔ وہ اپنے سامنے کسی کی ہستی نہین سمجھتے اور اپنے کلام کے مقابل مین سب کے کلام کو لغو اور بے مزہ خیال کرنے لگتے ہین۔ لیکن اس کے خلاف میر علی شیر مین یہ کمال تھا کہ غرور نام کو بھی نہ تھا۔ اپنے کلام اور اپنے تصانیف سے زیادہ قدر معاصر علما وشعرا کے علمی کارنامون کی کرتا۔ چونکہ ایک معزز و دولتمند خاندان سے تھا اس لیے وہ اب بجاے ملک پر حکومت کرنے کے اہل علم کے دلون پر متصرف تھا۔ اور علما وفضلا اور شعرا واُدبا کا بڑا بھاری مربی بن گیا تھا

دولت شاہ سمرقندی نے جس کا تذکرہ اس قدر مشہور ہے کہ یورپ مین بڑے اہتمام سے چھاپا گیا ہے - اور ابدی زندگی پانے والے نامور مورخین میر خوند اور خوندمیر نے اُسی کی مربی گری سے شہرت دوام حاصل کی اور اپنے تصانیف کو اُسی کے نام سے معنون کیا ہے - جن مشہور شعرائے گران پایہ نے اُس کی فیاضی و حوصلہ افزائی سے وقعت حاصل کی اُن مین سب سے زیادہ معزز و مقبول عام نام مولانا جامی کا ہے - جو اُسی سے وابستہ تھے - اور اُسی کی قدردانی سے طبع آزمائی و خیال آرائی کا جوہر دکھا رہے تھے

علم و فضل کے علاوہ میر علی شیر کو عمارت کا بھی بڑا شوق تھا - چنانچہ خاص اپنے روپیے سے بڑی بڑی عالیشان عمارتین مدرسے اور پُل مسجدین اور خانقاہین تعمیر کرائین - ماسوا اس کے اُسے علم موسیقی کا بھی بڑا شوق تھا - شوق ہی نہین اس لطیف فن مین اُسے اچھی اور مستند دستگاہ حاصل تھی - چنانچہ کہتے ہین کہ آج تک اُس کی ایجاد کی ہوئی مختلف دُھنین ایران و ترکستان مین مروج اور پسندیدہ ہین - اور اہل فن اُن کے بڑے معترف و مداح ہین -

چغتائی یعنی خاص ترکی زبان مین اُس کے نغمات کا مجموعہ اس وقت تک موجود ہے - اُس مین اُس نے اپنا تخلص "نوائی" قرار دیا ہے - دس ہزار سے زیادہ شعر اُس مین ہین - اور خمسۂ نظامی کو جس خوبی سے اُس نے ترکی زبان مین نقل کیا ہے اُسی کا کام تھا اور اُسے ترکی شاعری کے عام ماہرین آج تک نہایت ہی قدر کی نگاہون سے دیکھتے ہین - حتیٰ کہ وہ ترکی زبان کی بے مثل و بے نظیر نظم تصور کی جاتی ہے - اُس مین غالباً تیئس ہزار اشعار ہین -

فارسی زبان مین میر علی شیر "فنائی" تخلص کرتے تھے اُس مین بھی اُن کے اشعار کا مجموعہ موجود ہے - حاجی لطف علی نے اپنے تذکرہ "آتشکدہ" مین اُن کے فارسی کے یہ اشعار نقل کیے ہین - ؎

اے شب غم چند رُو از روے یارم میکشی
زندہ میدارم ترا ہر چہ کارم میکشی

ان دنون مسلمانان اہل سنت میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا کہ یزید بن معٰویہ پر لعنت بھیجنا جائز ہے یا نہین اس مسئلہ مین وہ اپنا عقیدہ اس قطعہ مین بڑے لطف کے ساتھ ظاہر فرماتے ہین -

اے کہ گفتی بر یزید و آل او لعنت مکن — زانکہ شاید حق تعالی کردہ باشد توبۂ

آنچہ با آلِ نبی او کرد اگر بخشد خدا — ہم ببخشاید خدا اگر کردہ باشی لعنتش

۹۰۶ھ (۱۵۰۱ء) مین میر علی شیر نے سفر آخرت کیا۔ بہت سے علما و شعرا اور مصنفین و اہل علم اُن کی وفات سے پریشان حال ہو گئے۔ اور دنیا دی علوم نے اُن کی موت کو بڑی بیتابی کے ساتھ برداشت کیا۔ اور میر خوند نے الفاظ "بنور رحمت" سے اُنکی وفات کی تاریخ نکالی۔

محمود غزنوی کی حرص و طمع

محمود غزنوی کی زندگی کے واقعات پر غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ شعرا اور اہل علم کو ہمیشہ انعام و اکرام سے سرفراز کرتا رہتا تھا۔ اور اُس کی فیاضیون ہی کی یہ کیفیت تھی کہ کبھی کسی مشرقی دربار مین (میری مراد مشرق سے بغداد و عراق کے اُس طرف کے ممالک ہین) اتنے علما و فضلا اور ابدی ناموری حاصل کرنے والے شعرا نہین جمع ہوئے تھے جتنے کہ محمود کے دار السلطنت غزنین اور اُس کے دربار گہر بار مین جمع ہوئے تھے۔ اور اُس کی فیاضی ہی تھی جس نے فارسی شاعری کو زندہ ہی نہین کیا بلکہ ترقی دے کے آسمان پر پہونچا کے ایسا بنا دیا کہ سنسکرت اور یونانی شاعری کا مقابلہ اگر دنیا کی کسی زبان کی شاعری کر سکتی ہے تو وہ فارسی کی شاعری ہے۔ شاعری ہی نہین اُس نے ایران کی تاریخ کو بھی اپنی قدردانی سے زندہ کر دیا۔

مگر باوجود اِن فیاضیون کے محمود غزنوی بخیل و حریص مشہور رہے۔ اُس کے بخل کی زیادہ شہرت فردوسی طوسی اور شاہنامہ کی تصنیف کے واقعے سے ہوئی۔ محمود کے کہنے سے فردوسی نے شاہنامہ تصنیف کیا۔ اور محمود نے وعدہ کیا تھا کہ ہر شعر پر ایک اشرفی انعام دون گا۔ جب وہ مکمل ہو کے دربار مین پیش ہوا تو محمود کو موعودہ رقم بہت زیادہ معلوم ہوئی۔ اور اُس نے بجاے اشرفیون کے فی شعر ایک روپیہ (نقرۂ سکہ) دینا تجویز کیا جس پر بگڑ کے فردوسی چلا گیا۔ محمود کی ہجو کہی اور اپنے وطن طوس مین جا بیٹھ رہا۔ بعد کو محمود پچھتایا اور حکم دیا کہ جتنے شعر ہین اتنی ہی اشرفیان بھیج دی جائین۔ یہ رقم جس وقت طوس مین پہونچی ہے سلطانی سفیر نے دیکھا کہ لوگ فردوسی کا جنازہ لیے آتے

... کہ افسوس مین گئے - اور ارادہ کیا کہ وہ رقم فردوسی کی اکیلی وارث اُس کی بیٹی کے نذر کر دے - مگر اس دھن کی پکی اور وضع کی سچی لڑکی نے ہنسنے سے انکار کیا اور کہا کہ جس حسرت مین میرے والد مر گئے اُسے مین نہ بوگی - آخر اس رقم سے طوس مین ایک پل بنا دیا گیا -

کیا اس واقعے سے محمود کو بخل کا الزام دینا غلطی ہے - محمود نے جتنا بھی دل مین اُس کو زیادہ تصور کیا ہو لیکن وہ فردوسی کے جو خلاف ہوا اُس کے اسباب اور تھے جو تاریخ پر غور کرنے سے صاف نظر آ جاتے ہیں - محمود اپنے مذہب کا سختی سے پابند تھا - اور اسماعیلی شیعون کا وہ جانی دشمن تھا - ابن سینا کے ساتھ بھی اسی بنا پر دشمنی تھی اور چاہتا تھا کہ کسی طرح ہاتھ آ جائے تو پکڑ کے قتل کر ڈالوں - شیعہ ہی نہین بلکہ بد العقیدہ ہونے کے باعث وہ امنا رہ اہل سنت کا بھی بڑا دشمن تھا - فردوسی سے حسن بن رسوخ دربار مین جلتے تھے اور انھون نے محمود کے کان تک پہونچا دیا کہ وہ شیعہ اسماعیلی ہے - یہ سنتے ہی وہ آمادہ ہو گیا کہ انعام کا نہ دینا ذکر نا رفر دوسی کا کام ہی تمام کر دے فردوسی کو اس کی خبر ہو گئی جان لے کے بھاگا - اور تب ہی جس مین محمود کے نسب پر حملہ کرنے کے ساتھ اپنے عقائد پر فخر بھی کرتا ہے - اور قبول کرتا ہے کہ اُس کی محمود کے دربار کی ساری زندگی تقیہ کی تھی - غرض بخل نہین یہ اختلاف مذہب تھا جس نے محمود کو اُس کے ساتھ دشمنی ہی نہین اُس کی جان لینے پر آمادہ کر دیا - لیکن چند روز بعد جب محمود کا غصہ فرو ہوا اور محمود کے طرفدارون نے سمجھایا کہ فردوسی اس دربار سے دل شکستہ گیا ہے اور ایک ایسا شاعر ہے کہ اُس کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے حضور کا نام ابد الآباد تک بدنام ہو گا تو اُس کا قصور معاف کیا - اور ساتھ ہی وہ موجودہ رقم بھجوا دی - اگر محمود نے بخل اور دولت کی حرص سے یہ کام کیا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ کسی کے کہنے سننے سے اُس رقم کے دینے پر آمادہ ہو جاتا جو اُسے حد سے زیادہ عزیز تھی -

اور دو ایک واقعات بھی محمود کی حرص و طمع کے ثبوت مین پیش کیے جاتے ہین - مگر ان سے بھی دراصل سوا مذہبی تعصب کے ہوس زر نہین ثابت ہوتی - منجملہ اُن کے ایک یہ واقعہ ہے کہ لوگون نے ایک بار محمود کو اطلاع دی کہ نیشا پور مین ایک شخص رہتا ہے جو بہت ہی دولت مند ہے - اور قارون کا سا خزانہ اُس نے جمع کر رکھا ہے - محمود نے

سُن کے اُسے غزنین میں بلوایا اور جیسے ہی اُس کا سامنا ہوا کہا "مین سنتا ہون کہ تم ملاحدۂ باطنیین مین سے ہو؟" اس شخص نے بہ ادب عرض کیا "جی نہین۔ مین باطنی نہین ہون۔ ہان خدا نے اپنے فضل وکرم سے مجھے صاحب دولت بنایا ہے۔ مگر اُس سب دولت کا نذر سلطانی کر دینا گوارا ہے اور یہ نہین منظور کہ مین ایسے ناپاک مذہب اور ایسی بے دینی کا ملزم ٹھہرایا جاؤن"۔ محمود نے کہا "بہتر۔ اگر تم اپنی ساری دولت خزانۂ سلطانی مین جمع کر دو تو پھر یقین بد دینی کا الزام نہ دیا جائے گا"۔ اس پر وہ فوراً راضی ہو گیا۔ اپنی ساری دولت بادشاہ کی نذر کر دی اور دربار سلطانی سے خوش عقیدگی کا ایک سرٹیفکٹ لے کے خوش خوش اپنے گھر چلا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ "تصدیق کی جاتی ہے یہ شخص پکا مسلمان اور سچا خوش عقیدہ سُنّی ہے"۔

اس واقعہ سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ محمود نے اُس کی دولت لے لی۔ لیکن ضمناً یہ بھی نکل آیا کہ اُس سے اصلی عناد اس کے عقائد کی وجہ سے تھا۔ اور کیا عجب کہ محمود نے دل مین خیال کیا ہو کہ یہ شخص میرے سامنے جو اپنے آپ کو اہل سنت مین سے بتاتا ہے تقیہ کی راہ سے ہے۔ اِس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ اور سزا دہی کے طریقے پر اُس کی دولت لے لی ہو۔ ہمین یقین ہے کہ محمود اگر اسے حقیقت مین اپنا ہم مذہب وہم عقیدہ خیال کرتا تو اُس کے روپیہ پیسہ پر ہرگز قبضہ نہ کرتا۔

ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے جو نہایت ہی لطیف اور مزے کا ہے۔ ہم نے ایک مرتبہ لکھنؤ کے ایک مجتہد صاحب کا واقعہ سنا تھا جو کسی بیرونی شہر مین وارد تھے۔ کوئی شخص نکاح پڑھانے کے بہانے انھین اپنے گھر بلا لے گیا۔ اور وہان یہ ظاہر کر کے کہ نکاح مین ابھی تھوڑی دیر ہے چند لوگ باہم چوسر کھیلنے لگے۔ چونکہ اور کوئی مشغلہ نہ تھا قبلہ وکعبہ بھی اتفاقاً کھیل مین دلچسپی لینے لگے۔ کھیل بد بد کے ہو رہا تھا۔ اور ایک شخص نے جو جناب مولٰنا کی طرف بیٹھا تھا کہا "اب کی تو مین جناب قبلہ وکعبہ کے نام سے داؤن لگاتا ہون"۔ اس داؤن مین وہ جیت گیا۔ اور جیتی ہوئی رقم ... آدھی ... سامنے رکھ دی۔ اور آپ نے نہین نہین کر کے بھی قبول کر لی۔ اب وہ ... وکعبہ کے نام سے کھیلا اور جیتا اور جیت کی آدھی رقم دیتا رہا۔ آخر ... رقم پیدا ؤن لگا دیا۔ اُس کے حریف مقابل نے کہا "تمھارے ...

کی ضمانت دو تو کھیلو۔" اُس نے کہا "میری ضمانت قبلہ و کعبہ کر لین گے؟" اُن لوگون نے مولانا سے پوچھا۔ مفت کی رقمون نے آپ مین اتنی مروت پیدا کر دی تھی کہ ضمانت کے ساتھ فرمایا "جی ہان کھیلیے۔ دیکھا جائے گا" اب کی کھیل مین وہ ہار گیا۔ اور ہارتے ہی مین جیا ر کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ لوگون نے اُسے پکڑا اور جب اُس کے پاس پوری رقم نہ نکلی تو قبلہ و کعبہ سے خواستگار ہوئے۔ آپ استغفر اللہ کہہ کہہ کے لاکھ انکار کرتے رہے انھون نے ایک نہ سُنی۔ تین سو روپیہ کا دوشالہ اور دو سو روپیہ کی گھڑی چھین لی۔ اور انھین جس پینس پر لائے تھے اسی پر بٹھا کے گھر پہونچا دیا۔ اور مطلق پتہ نہ لگا کہ وہ کون لوگ تھے اور کہان رہتے تھے۔ اس لیے کہ پالکی اور کہارون کو وہی لوگ لائے تھے۔

ہم خیال کرتے تھے کہ ایسے واقعات ہم پیشہ کارون ہی کے زمانے کے ساتھ مخصوص ہون گے۔ مگر نہین ایک اسی قسم کا مگر اس سے زیادہ مہذب و دلچسپ واقعہ محمود غزنوی کے زمانے مین خاص غزنین مین گزرا تھا جو محمود کی دنیا طلبی کے ثبوت مین پیش کیا جاتا ہے۔ سلطان محمود ایک دن اپنے عالیشان قصر کے کوٹھے پر بیٹھا باہر کی سیر کر رہا تھا کہ دیکھا نیچے ایک شکستہ حال شخص دو مرغیان ہاتھ مین لیے کھڑا ہے۔ سلطان اُسے کوئی فریادی یا محتاج تصور کر کے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اُس نے کچھ اشارہ کیا۔ محمود نے اُس کا کچھ خیال نہ کیا اور دل مین کہا "اس اشارے سے اس کا کیا مطلب ہے؟" یہ سوچ کے اُس کی طرف دیکھا تو پھر اُس نے وہی اشارہ کیا۔ سلطان نے پھر نظر ہٹا لی۔ مگر دل مین ایک خیال پیدا ہو گیا کہ کیا معاملہ ہے اور پھر اُس پر نظر جا پڑی اور پھر اُس نے وہی اشارہ کیا۔ اب کی محمود نے چوبدارون کو بھیج کے اُسے اپنی حضوری مین بلوایا۔ تو وہ وہی دونون مرغیان لیے ہوئے سامنے آ کے کھڑا ہو گیا۔ پوچھا "تم ان مرغیون کو کس لیے لائے ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟" اُس نے عرض کیا "مین ایک جواری ہون۔ اور جوا کھیلنا ہی میرا پیشہ ہے۔ آج مین نے سلطان کے نام پر داؤن لگایا تھا جس مین چار مرغیان جیتین۔ لہذا ان دونون کو لایا ہون کہ سلطان کا حصہ سلطان کی نذر کر دون۔" سلطان نے دل مین کہا "یہ کس قدر دیانت دار ہوتے ہین" اور حکم دیا کہ "دونون مرغیان اُس سے

اُسکے استحقاق کا خیال کر کے کرے - غریبون - محتاجون - یتیمون - بیوون کی خبر
اُن کی ضرورت و احتیاج کے وقت کرے - مرتے وقت تو انسان کو خیال کر لینا چاہئے
کہ اب جو کچھ ہے میرا نہین دُوسرا کا ہے - اور وہی اُس کے پانے کے مستحق ہین - ان
اُن کو محروم کر کے کسی اور کو دے دینا بے انصافی اور ظلم ہے - محمود سچا مسلمان تھا
اور کوئی وجہ نہ تھی کہ مرتے وقت اِس اصول کو ہاتھ سے چھوڑ دیتا -

اس مین شک نہین کہ محمود کے حکم سے جب روپے اشرفیان اور جواہرات
سامنے لاکے ڈھیر کر دیے گئے تو اُس وقت بعض حریص مُلّا بھی کھڑے تھے جن کے
منھون مین پانی بھر آیا - اور دل مین سمجھنے لگے کہ بادشاہ نے اِن چیزون کو منگوایا ہے تو
ہمین دے گا - لیکن جب اُس نے اُن سب چیزون کو خزانے مین واپس بھیجا تو اُن کی
آتشِ حرص ایسی بھڑک اُٹھی کہ اُس کی مذمت کرنے لگے - اور مشہور کر دیا کہ محمود
بڑا کنجوس ہے - لیکن یہ محمود کی حرص و طمع نہین خود اُن لوگون کی ہوس پرستی تھی جس
نے اُسے بدنام کیا -

بلکہ بعض حیثیتون سے دیکھا جائے تو محمود دل کا بڑا مضبوط تھا اور موت کی نزع کی
گھڑی مین بھی صبر و تحمل کی باگ اُس کے ہاتھ سے نہین چھوٹی - اُس نے ترسٹھ سال کی
عمر مین جمعرات کے روز ۲۳ - ربیع الآخر ۴۲۱ھ کو سفرِ آخرت کیا - مگر اُسی حالت مین
جبکہ موت کا یقین ہو چکا تھا اُس نے تختِ شاہی پر بیٹھ کے دربار کیا - اُمرا و وزرا
ارکینِ دولت - علماے و شعراے دربار - اپنے غلامون اور نوکرون سے نہایت
ہی ضبط اور اطمینان کے ساتھ رخصت ہوا - اور جس طرح لوگون سے رخصت ہوا
اُسی طرح مال و دولت اشرفیون اور جواہرات کو بھی سامنے منگوا کے رخصت کیا -
اُسوقت انسانی فطری کمزوری سے اگر اُس کی آنکھون سے آنسو نکل پڑے تو اُسے
اُس کی ہوس و حرص پر محمول کرنا بڑی ناانصافی ہے -

کسی کی یاد

دُنیا کے جھگڑالو! خدا کے لیے ذرا چین سے بیٹھنے دو - جس قدر ہم تم سے بھاگتے

ہیں اُسی قدر تم نے قسم کھالی ہے کہ جان نہ چھوڑو گے - تمنا رہ گئی کہ کوئی اطمینان کی گھڑی نصیب ہوتی - اور ہم خاموشی وسکون کے ساتھ ایک حالت پر قرار لیتے - جو چاہتے کرتے - جس سے چاہتے ملتے - جس پر چاہتے جان فدا کرتے - جسے چاہتے یاد کرتے - جس کے خیال میں چاہتے محو ہو جاتے - اور بقول غالب مرحوم یہ تمنا بر آتی کہ

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن | بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

لیکن ہاے ایسا کہاں ؟ اور کس کے آگے روئیں ؟ تمہاری یورش اور تمہارے حملوں نے کوئی بھی آرزو نہ پوری ہونے دی - سچ یہ ہے کہ تم نے کسی کام کا نہ رکھا - نہ عاشقِ عشق بتان - نہ یادِ رفتگان - اتنی سی عمر میں کوئی کیا کیا کرے ؟ تم نے کسی کام کی فرصت نہ دی - افسوس ! تم ہمیں کبھی اپنے شوق اور اپنی مرضی کا کوئی کام نہیں کرنے دیتے -

اے افکارِ عمر ! مانا کہ تمھیں ہم سے دشمنی ہے - عداوت ہے - تم ہمیں خوش و خرم نہیں دیکھ سکتے - ہماری مسرت تمھارے سینے میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے - تم نہیں چاہتے کہ ہماری کوئی آرزو بر آئے - یہ نہیں گوارا کہ ہم معشوقِ آرزو سے ہم کنار ہوں - اور کسی کے اخلاقِ عالیہ کے موردِ عنایت بنیں مگر ہمیں رونے تو دو - آہ ! تم تو رونے بھی نہیں دیتے -

اے ترددات زندگی ! تمھارے اِس نرغے میں بھی کیا کہیں کہ اس وقت کون یاد آگیا ؟ اور کس نے ہمیں ہمیشہ کے لیے بزمِ ماتم میں بٹھا دیا - مگر اس پر بھی تمھارا حملہ نہیں رکتا - تم اپنی بے رحمیوں سے نہیں باز آتے - یہ بھی نہیں دیکھتے کہ اس وقت ہجوم آلام سے ہمیں تمھارے جھگڑوں میں پڑنے کی فرصت ہی نہیں ہے ؟ یوں تو ہمیں بچھڑے ہوؤں کی یاد نے ہمیشہ بیتاب و بیقرار رکھا - یہ زندگی روز روز کی ناکامیوں اور نامرادیوں کے علاوہ صدہا رخصت ہو جانے والے احباب اور دل میں اپنا نقش بٹھا دینے والی محبتوں ہی کے غم میں روتے گزری - اس عمر کو روتے ہی کٹی اور کٹے گی - مگر آہ ! اس پیارے دلدار ناز آفرین اور اُس دل میں جم جانے والی صورت زیبا کی جدائی تو کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتی جس کی یاد سب پر غالب ہے - اس دل

خون کر دینے والی یاد نے اِس ستم زدہ دل پر جو تمھاری بدولت ہمیشہ جولانگاہ حوادث اور مرکز ہموم و غموم بنا رہا ایسا قبضہ کر لیا ہے کہ اب اس کے غم کے آگے کسی بات کا ہوش نہیں۔

امید تھی کہ اُس چھوڑ جانے والے دلدار ناز آفرین کی محبت بھری باتین سب فکرین دور کر دین گی۔ کیونکہ اُس کی جبین ناز ہمارے کوکب آرزو کا مطلع تھی۔ شوخ آنکھین اپنی چمک دمک سے انکار و ہموم کی تاریکی کو دلون سے مٹا دیتی تھین اُس کے بھرے بھرے رخسارے ہماری جنت آرزو کے لذیذ تر میوے تھے اس کا خندۂ ناز تمنا و امید کے راستے کی مشعل تھا۔ اور اُس کی زلف شبگون وہ کمند آرزو تھی جس سے ہم ہر تمنا کو اپنے پاس کھینچ لاتے اور ہر حوصلے کو طائر شکار بنا لیتے۔ آہ! سمجھے تھے کہ اُس بت دلدار کی مدد سے عمر کی گذشتہ نا کامیون کا معاوضہ مل جائے گا۔ اور چند روز عیش مین گزرین گے۔ ارادہ تھا کہ

از زلف دراز تو کمندے فگنیم   برگردن عمر رفتہ تا باز آید

مگر عمر! بدنصیب عمر! تیری وہ کمند ٹوٹ گئی اور حُسن کے عالیشان ایوان کے منازل عالیہ تک اب وہ تیری شکستہ کمند نہین پہونچ سکتی۔ بس ہو چکا قسمت پر کوئی زور نہین چل سکتا۔ اور جس طرح تیرا زور نہیں چلتا اسی طرح تو بھی قابو سے باہر ہے۔ کون ہے جو اِس عالم یاس مین تجھے روکے؟ اور کس کی مجال ہے کہ تجھے تھامے؟

خیر اے عمر! یہ بھی مانا کہ تیرا روکنا دشوار ہے۔ مگر اے دنیا کے جھگڑو! تم تو نہ ستاؤ۔ کیا ضرور ہے کہ ہجوم آلام کے ساتھ تمھارا بھی ہجوم ہو؟ اگر تم عمر ناپائدار کو نہین روک سکتے تو اتنا موقع تو دو کہ اس کے جتنے دن باقی ہین اُس دلربا بچھڑنے والے کو یاد کرتے۔ اور اُس کی یاد مین روتے اور سر دُھنتے جائین۔

اے یاد رفتگان! تیری سیرگاہ مین ہم نے بڑے بڑے تماشے دیکھے ہین اُن تماشون کو جانے دو جو اگلے تذکرون اور تاریخ و سیر کے واقعون سے یا جنھین افسانہ خوان ایام کی سامعہ نوازی نے کانون تک

ے خزانے مین لا لا کے جمع کیا ہے - بے شک اُن مین نہایت ہی دلچسپ روایات
... لون پر اثر ڈالنے والے واقعات ہین - لیکن اسے سبے ... حوادث روزگار
نھین ... بار بار یاد کرنا چونکہ تمھاری مرضی کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لیے
ہم اُن کی طرف سے بھی اپنا خیال ہٹائے بیٹھے ہین - ہم سے یہ قسم لے لو کہ سلف
کے گزرے افسانون کو جو کبھی زبان پر بھی لائین - یا ان سے ذرا بھی متاثر ہون
لیکن جب ہم تمھارا اتنا لحاظ کرتے ہین تو تم مین بھی اتنی مروت ہونی چاہیے کہ
ہمین ان باتون کو تو یاد کرنے دو جو آنکھون کی دیکھی ہوئی ہین - اور ابھی
ان کی باتین ہیں -

عرب کا بیچارہ شاعر امرا القیس عجب بہادری و مردانگی سے حوادث
روزگار کا مقابلہ کر کے زمانہ پر فتح حاصل کر کے گزری باتون کو یاد کرتا اور
یاد رفتگان سے شہر خاموشان مین اپنا چراغ روشن کرتا ہے - خدا جانے
کس مہم پر ... ضرورت سے جا رہا تھا کہ ایک پر فضا وادی کو دیکھ کے
معشوقہ ... اس کے ساتھ اپنا اگلا عیش و بےفکری کا زمانہ یاد آگیا - جب
... صحبتیں رہتی تھین - طرح طرح کی باتین ہوتی تھین - روز ملتے تھے - اور نو عمری
کی سادگی کے ساتھ شوق کی بیجا دی ... خدا جانے کیا کیا بے تکلیف ان کے گزرتے
تھے شب و روز نہ ناز آفرینی و ناز برداری اور نہ زد ... زمین گزرتے تھے
نہ کبھی چیز کا غم تھا - نہ کسی بات کا کھٹکا تھا - مگر وہ عیش کی زمین کا کوئی پتہ نہ تھا
یہان معشوقہ جان نواز سے صحبت نہ رہی ہو اور وہ اُس کی کسی کسی ادائے دلکش
کو نہ یاد دلاتا ہو - کوئی درخت نہ تھا جس کے سایہ مین بیٹھ کے اس بچھڑی ہوئی
حسینہ سے ہم کنار نہ ہوا ہو - اور کوئی چشمہ نہ تھا جس کے پانی مین اُتر کے شوخ ادائی
کے ساتھ دونون باہم نہائے اور کھیلے نہ ہون - بہر تقدیر اس ... شاعر نے ساری
فکرون کو الگ پھینک کے یاد جانان کا مزہ اُٹھا لیا -

مگر اے آفات زندگی! ہمین تم اتنی مہلت نہین دیتے - بچھڑی ہوئی معشوقہ جبین
... نے ہمارے ظلمتکدہ دل مین جو اُس کی قبر بنا دی ہے اُس پر ایک سحر بھی
شمع روشن کر دین! خیر تم ہمین نہین چھوڑتے تو ہم ہی تمھین چھوڑے دیتے ہین!

اب ہمین کچھ پروا نہین - تم کو اختیار ہے جتنا ستانا ہو ستا لو - اور جس قدر جور کرنا ہو کر لو - ہماری زبان سے اُف نہ سُنو گے - ہم نے اب تمھاری بے رحمیو کی طرف سے آنکھ پھیر لی - اور قسم لے لو جو کبھی آنکھ اُٹھا کے بھی دیکھین -

اب ہمین اپنی زہرہ جبین کے سوا کوئی یاد نہین - اُس کو یاد کرین گے - اور چاہے جو ہو جائے اُسی کو یاد کرین گے - اب اِس خون شدہ دل مین اُس کے خیال کے سوا کوئی نہ ہوگا - افسوس! اُسکی محبت بھری صورت خواب وخیال ہو گئی - و جس طرح آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد اُس کی تصویر آنکھون کے سامنے پھرتی ہے اُسی طرح اُسکے چلے جانے کے بعد اُس کا خیال اکثر اِس بیتاب و مضطر دل مین آجاتا ہے - کاش ہم ایک باکمال مُرتاض ہوتے کہ خیال سے اصلیت کو اُٹھا لیتے - یا ایک روشن ضمیر صوفی صافی ہوتے کہ اُس کے خیال کو شوق کے تخت روان پر بٹھا کے اپنے گھر مین بلاتے اور دل کی مسہری مین اِس طرح سُلا دیتے کہ پھر نہ جا سکتی - اور ہمیشہ دل ہی مین بسی رہتی - مقتدایان دین اور محققان روحانیت وعدہ کرتے ہین کہ فردائے قیامت کو ضرور وصال ہوگا - یہ مانا کہ دلربا ماہ طلعتون کے وعدون کی فردا ہمیشہ سے فردائے قیامت ہوتی آئی ہے - مگر جو ستم زدہ حرمان نصیب فراق وہجران کی ایک رات کے برداشت کرنے کی بھی تاب نہ لا سکتا ہو اُس سے بھلا فردائے قیامت کا انتظار کیسے ہو سکے گا؟

غرض جدھر دیکھیے مایوسی ہی مایوسی ہے - شوق بھری آنکھین ہر طرف ڈھونڈھتی پھرتی ہین اور اُسے کہین نہین پاتین - دنیا کا ایک ایک کونا ڈھونڈھ آئے مگر وہ پری جمال کہین نہ ملی - حسینان جہان کے آتشین رخسار اور لب لعلین دیکھ کے بارہا اُس کا دھوکا ہوا - اور شوق کے جوش مین دوڑے گئے - لیکن قریب جا کے دیکھا تو اُن مین اپنی نازآفرین کی کوئی بات نہ نظر آئی - نونہالان چمن مین سے کون ہے جس پر اُس کا دھوکا نہین ہوا؟ مگر افسوس دھوکا ہی دھوکا تھا - سرو کے قامت زیبا کو دیکھ کے بے اختیار دوڑے کہ شاید ہمارا سرو قامت سیر باغ کو آئی ہے مگر جا کے دیکھا تو وہ نہ تھی - نرگس شہلا کو دیکھ کے دھوکا ہوا کہ غالباً یہ ہماری جادو نگاہ کی مست ومخمور آنکھین ہین - مگر آہ

پیاری اور رسیلی آنکھین کہان؟ گلاب کی تازگی اور رعنائی دیکھ کے سمجھے کہ یہ اُس گلعذار کے رخسارے ہین۔ اور بڑے شوق سے دوڑے مگر افسوس ہماری مہجبین کا رُخِ زیبا نہین سراب تھا۔ مایوسی بڑھی تو جوشِ وحشت ہوا مین نکال لے گیا۔ ہر بگولے پر دھوکا ہوا کہ اسی پردے مین ہماری لیلا کی محمل ہوگی مگر خاک کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ہر شبک رو اور چالاک ہرن کو دیکھ کے شبہ ہوا کہ ہماری معشوقۂ طناز ہے مگر وہ ایک ہوا کے جھونکے کی طرح نظر سے غائب ہو گیا اور ہاتھ مل کے رہ گئے۔

خلاصہ یہ کہ ساری زمین چھان ڈالی اور اُس جمالِ جہان آرا کا کہین پتہ نہ لگا۔ ہمارے پُرفضا مقامات۔ تمام روح افزا باغ۔ وہ ہماری امید کبریٰ کوہِ جانان صحبت عیش کا مکان سب اُس کے بغیر سُونے پڑے ہین۔ وہ اُس کا خاص عشرت کدہ جس مین اُس کی صورت زیبا نظر آیا کرتی۔ اور وہ ہمارا عالم حسن و عشق جس مین ہر صبح اُس کے جبینِ ناز کا آفتاب طلوع کیا کرتا۔ ہر شب کو اُس کی جادو بھری آنکھین سحر سامری کو جگایا کرتین۔ اور اُس کے گورے گال چاند کے دو جدا جدا ٹکڑون کی طرح چمک کے شق القمر کا معجزہ دکھا دیتے۔ اُس کی زلفون کے بکھرتے ہی رات ہوجاتی۔ اور اُس کے عارض تابان کے نمودار ہوتے ہی دن ہوجاتا۔ کاکل پیچان کی بدلیان آتین۔ اور رخسار تابان کا چاند بدلی مین چھپ چھپ کے اور دامن ابر سے نکل نکل کے بار بار شب فراق و صبح وصال کے کرشمے دکھاتا۔ اُس کی نگاہ گرم کی بجلیان چمکتین اور ہماری چشم اشکبار کا مینھ برستا۔ آہ! کیا عالم تھا! کیا سمان تھا! مگر اب کچھ بھی نہین ایک اُس ماہ طلعت کے نہ ہونے سے وہ عالم ہی اُجڑ گیا۔ اور ہر طرف سناٹا پڑا ہے۔

آخر وہ کہان گئی؟ کیا اپنی آسمانی خوبیون کے تقاضے اور اپنے نورانی حُسن کے میلان سے آسمان پر چلی گئی؟ ایسا ہے تو کاش کوئی وہان جاتا اور اُس سے اتنا پوچھ آتا کہ ع "اسے رہ نورد عالم بالا چگونۂ؟" اُس حسن آباد ملکوت کی بڑی تعریفین سُنی ہین۔ سنتے ہین کہ وہان بدصورت کوئی نہین۔ اور اُس عالم قدس مین

اچھی صورتون والے ہی رہتے ہین - فرشتون کے حسن کا تذکرہ کس سے نہین سُنا ؟ اور حورون کی تعریف تو ہو ہی نہین سکتی - اسی سے ثبوت ملتا ہوگا کہ حضرت شیخ اور جناب زاہد کے ایسے خشک مزاج بزرگ بھی اُن کے دام گیسو کے اسیر اور اُن کے عالم آشوب چہرون کے دیوانے ہو رہے ہین - اور جب ایسے ایسے نیک نفس بزرگون کی یہ حالت ہے تو اُن کے رُخ زیبا کی زیارت کر کے ہم سے آشفتہ مزاجون کی کیا حالت ہوگی ؟ مگر نہین ہمین نہ فرشتون سے مطلب ہے نہ حورون سے سروکار ہمین تو اپنی ماہ طلعت دلربا چاہیے اور خدا جانے اس اعلی نمایش گاہ حسن مین ہماری وہ مہ جبین نازنین کیسی رہی ؟ یہ تو یقینی ہے کہ اس کا حسن وہان بھی سب پر بالا رہے گا - فرشتے ہون یا حورین اُس کے حسن کا مقابلہ کوئی نہین کر سکتا - مگر اندیشہ ہے تو یہ کہ وہان بھی ہمارے رقیب نہ پیدا ہو جائین - اور فرشتون ہی مین سے چند نئے ہاروت و ماروت نہ نکل پڑین - یہ بھی سہی - اندرین ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر - مگر سوچنا یہ ہے کہ عاشقان عالم سرورش والون کے ساتھ ہماری نازآفرین کا سلوک کیا ہے ؟ یہ کہنے کی کوئی کیسے جرأت کرے -

درگلرخان دہر نظیرے نداشتی درحوریان آئینہ سیما چگونہ

اِن سب جھگڑون اور اندیشون کو بھی الگ کرو - مگر یہ بتاؤ کہ عالم بالا مین اُسے کیونکر ڈھونڈھین ؟ اور کہان ڈھونڈھین ؟ جس کسی کو اپنا پیامبر بنا کے وہان کھینچ دین گے اُس سے پھر واپس آنے کی امید رکھنا جنون ہے ہو جائے گا اور اُس کے جلوہ گاہ حسن تک باریاب ہو سکے گا وہ پھر کیون واپس آنے لگا تھا ؟ خود ہمین اپنے اوپر اعتبار نہین ہے - جب اور کوئی اُسے چھوڑ کے نہ واپس آئے گا تو پھر ہم کیون آنے لگے تھے ؟ ہم بھی اُسی عالم سروش کے ہو جائین گے اور کبھی واپس نہ آئین گے - کوئی ایسی تدبیر ہوتی کہ اُسے یہین بُلاتے - اور اس انقلاب پذیر عالم کے لیل و نہار کا سمان ایک ساتھ بیٹھ کے اور کچھ دنون دیکھتے -

اچھا تو ہم یہین سے بیٹھ کے اپنی دلربا نازنین کو عالم بالا اور شاہدان فلک

ڈھونڈھتے ہین کیونکہ وہ اس تیرہ خاکدان ارضی مین نہین ہے تو نورانی اجرام فلک
پر ضرور ہوگی - مگر جستجو کی طائر نظر کو وہان بھی اُس کی صورت زیبا نہین نظر آتی -
...ن آفتاب سے شعلے نکلتے دیکھ کے خیال ہوتا ہے کہ یہی ہماری مہر وش ہے اسیلیے
...کے گورے گالون سے بھی لوَین نکلتی تھین - مگر آفتاب کی گرم مزاجی نے
...کی شمع گل کر دی - اور معلوم ہوا کہ یہ ہماری شمع رخسار نہین کوئی اور ہے - وہ ہوتی
تو اُس کے حسن کی شعاعین ہمارے سینے کی آگ کو گلزار ابراہیم بنا دیتین - چاند کا رنگین
چہرہ دیکھ کے یقین ہو گیا کہ وہ یہی ہے - اُس کی ٹھنڈی روشنی ہمارے کلبۂ احزان
کو اسی طرح روشن کر رہی ہے جس طرح وہ اُس ماہ رُخ کے آنے سے روشن ہو جایا
کرتا تھا - مگر نہین - اس مین بھی وہ بات نہین - اُس کے چہرے کی روشنی دل کے
اندر بھی اُجالا کر دیا کرتی تھی جہان تک چاند کی روشنی نہین پہونچ سکتی - مگر یقین ہے کہ
وہ ہمارا ... روشن تارون ہی مین ہوگی - سب مین اُس کی سی چمک دمک ہے سب
مین اُس کی نازنینی و ناز آفرینی ہے - سب نظرون کو اپنے حسن کی طرف کھینچتے اور
دیکھنے والون کو اپنا شیدا بناتے ہین - برج سنبلہ مین ایک حسین دوشیزہ کھڑی ہے
یہی تو نہین ؟ عروس جوزا کا ٹپکہ آسمان والون نے کھول کے اُسی کی نازک کمر مین
تو نہین باندھ دیا ؟ مشتری کی جگہ پر اُس کی بہن لے کے وہی تو آسمان نہین بیٹھ گئی ؟
اور زہرہ کے بچھونے پر آسمان پر وہی تو جلوہ فرما نہین ؟ ہر طرف خیال جاتا ہے -
پر آسمان کی ہر صورت زیبا پر اُس کا دھوکا ہوتا ہے مگر افسوس کسی مین بھی وہ
بات نہین نظر آتی جو ہماری نازنین مین تھی -

افسوس تو کہین نہین ملتی - اور کہین تیرا پتہ نہین - آہ ! پھر بھی ناامیدی ہے . ہمارا جوش
دل ہماری رہبری کرتا ہے اور ہر حسن اور ہر خوبی کے دامن مین چھپی ہوئی ہمین تو
ہی نظر آتی ہے - یہ فقط کہنے کی باتین ہین کہ تو نہین ہے - نہین تو ہر جگہ ہے - تو ان
آنکھون کے سامنے سے نہین ہٹی - وہ وقت جب تیرا جمال جان آرا پہلے پہل نظر
آیا تھا اور اُس کے بعد وہ نازک گھڑی جب تو ان مشتاق آنکھون کے سامنے سے
غائب ہوئی ہے دونون نظر کے سامنے ہین - بلکہ اب ہمین تجھ مین اُس وقت سے
زیادہ خوبیان زیادہ دلکشیان زیادہ ناز و انداز اور زیادہ لطف نظر آتے ہین -

تیرے خوبصورت اور شباب کے آغوش مین کھیلنے والے چہرے کے گرد عصمت و عفت کا ہالہ اور پاکدامنی کے نور کا حلقہ نظر آرہا ہے - اور تیرے حسن مین لپٹی ہوئی کچھ ایسی ابدی و سرمدی نورانیت دکھائی دے رہی ہے کہ تیرے دلدادہ ہونے کی وجہ سے ہمین خود اپنی سرمدیت اور اپنی غیر فانی زندگی کا یقین ہوا جاتا ہے دُنیا کا ہر پھول اور آسمان کا ہر تارہ تیرے چہرے کی نقاب بن گیا ہے جس کے اندر سے ہمین تیرا خوبصورت چہرہ کچھ پوشیدہ اور کچھ نمایان اُسی طرح نظر آرہا ہے جس طرح کہ تو ہماری صحبتون مین "دیدار سے نمائی و پرہیز سے کنی" کی شان ظاہر کیا کرتی تھی سورج کی کرنون - چاند کی شعاعون - تارون کی جھلملاہٹ - اور شمع کی روشنی مین ہمین ہر وقت تیرا پیارا چہرہ دکھائی دیتا ہے - اب اُس کی رونق اور تازگی کو جنت کا قیام و استقلال حاصل ہوگیا ہے - اِس لیے کہ اب تو مرور ایام اور انقضاے عمر کی دست بُرد سے باہر ہے - اور اپنے پائدار اور سدا بہار حُسن کا جام حیات پلا کے تو ہماری محبت مین بھی ابدیت و سرمدیت کا سرور و اطمینان پیدا کر رہی ہے - بہرحال اے ابدیت کے جھُولے مین جھُولنے والی نازنین - شہرون مین - صحراؤن مین - جنگلون مین - پہاڑون مین ہر طرف ہمین تیری ہی موہنی سورت نظر آتی ہے - سمندر کی لہرون مین - اور نسیم کے جھونکون مین - تیرا ابدیت کا تخت پریون کے تختون کی طرح اُڑتا نظر آتا ہے - اور رات کی اندھیری اور سنسان مقامات کی خاموشی مین یا تو مین خود تیری آواز سنتا ہون اور یا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے رحمت کا فرشتہ چپکے چپکے کانون مین کہہ رہا ہے کہ اس تاریکی کی نقاب مین تیرا ہی چہرہ ہے - اور اس سناٹے کے گرامو فون مین تیری ہی نغمہ خیز آواز آرہی ہے -

ایسے دل و دماغ مین بسے ہوئے حُسن کی یاد کو کون بھلا سکتا ہے ؟ اور کس کی مجال ہے کہ اُس جمال جہان آرا کے اور ہماری آنکھون کے درمیان مین پردہ ڈالے ؟ اے حوادث روزگار ! اور اے انقلاب زمانہ ! تم ہمین جتنا چاہو ستا لو مگر یہ تمھاری قوت سے باہر ہے کہ اُس نازنین کو ہمارے دل مین آنے اور ہماری آنکھون کے سامنے پھرنے سے روکو - ہم نے تمھین دکھا دیا کہ تمھارے ہجوم اور تمھاری اِس سخت روک تھام پر بھی ہم اُس نازنین کی یاد کو نہ بھولے - اور آخر تمھارے مقابلے مین ہم ہی

نجیاب ہوئے -

چند خیالات و واقعات

اب کی سال مسلمانون مین بعض اسباب سے جوش بہت بڑھ گیا ہے - جوش قیمتی چیز ہے - اور دنیا کی ساری ترقیان بنی نوع انسان کے جوش ہی کا نتیجہ مین لیکن اس کے ساتھ یہ اصل بھی ہر مسلمان کے پیش نظر رہنا چاہیے کہ جوش مین آ کے کوئی بیجا اور ناشائستہ حرکت کر بیٹھنے کے مقابل جوش کو روکنا اور ضبط و صبر سے کام لینا زیادہ بہادری کا کام ہے -

---

برٹش گورنمنٹ ایک کانسٹی ٹیوشنل (آئینی) سلطنت ہے - اور اسکی برتون سے وہی لوگ زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے ہین جو جوش کو آئین کے تابع رکھ کے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے قاعدے اور تہذیب کی لڑائی لڑین - خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان کے لوگ اپنے جوش و خروش کو جس قدر زیادہ باقاعدہ بنا کے قانون سے ہم آہنگ کرتے جائینگے اُسی قدر زیادہ کامیاب ہون گے -

---

کانپور کا افسوس ناک واقعہ مہذب اور شائستہ مسلمانون کا فعل نہ تھا - وہ چند مشتعل جہلا کے جوش کا اظہار تھا جس مین کوئی صاحب علم اور تعلیم یافتہ مسلمان ہرگز شریک نہ تھا - عام مسلمانون نے نہ اُن کے اس فعل کو پسند کیا - اور نہ یہ سمجھا گیا کہ گورنمنٹ سے مقابلہ کرنے مین وہ چند لوگ سارے مسلمانون کی خواہش پوری کر رہے تھے - مسلمانون نے اس مسئلہ مین وہی باقاعدہ طریقہ اختیار کیا جیسا کہ مہذب گورنمنٹ اور مہذب رعایا مین ہونا چاہیے - یعنی ہز آنر کے پاس موریل بھیجے - اور ڈپوٹیشن کے ذریعے سے عرضداشت پیش کرنی چاہی

مگر ہمین ہز آنر سے تعجب ہے کہ ایڈرس کے جواب مین اُنھون نے ظاہر فرمایا کہ محض ہنگامۂ کانپور کی بنا پر اُنھون نے اپنا ارادہ اور اپنی پالسی بدل دی - اور گویا کانپور کے ہنگا

کا ذمہ دار سارے مسلمانوں کو قرار دے دیا۔ مین امید کرتا ہوں کہ وہ بہت جلد اپنی
رائے کو تبدیل فرمائین گے۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر سارے مسلمان ملازم مین اور
قابل نہین کہ گورنمنٹ اُن پر بھروسہ کرے ۔

ریویو

حکیم مولوی محمد عبدالعزیز صاحب کامل اڈیٹر اخبار "حکمت" تین کتابین بغرض ریویو روانہ
بھیجی ہین - جو فن طب کے متعلق ہین - ہم طبیب نہین کہ انکے مضامین کی تنقید کر سکین - بادی النظر
مین اچھی اور بہت مفید کتابین معلوم ہوتی ہین - اور اردو خوان پبلک کو بنی نوع طلوع زندگی مین
کر اُن سے خوب مدد ملے گی - قدردان حکیم صاحب موصوف سے منگوائین اس لئے کہ آجکل تینوں کتابین
نصف قیمت پر بیچاتی ہین - کتب مذکورہ حسب ذیل مین ـــ

کاشف الرموز کیمیا - نہایت اعلیٰ درجے کے قدیم فن کو توضیح سے بیان کیا گیا ہے ... کتاب کا نام رکھنے سے پہلے
کسی عربی دان سے مشورہ لے لیتے تو مناسب ہوتا - یا تو "کاشف رموز الکیمیا" یا صرف "کاشف الرموز"
یا فارسی ترکیب اختیار کرکے "کاشف رموز کیمیا" نام رکھتے - مگر "کاشف الرموز کیمیا" نام رکھنا حکیم صاحب کی ...
چغلی کھا رہا ہے - فن کیمیا کی تاریخ مین بھی بازاری اور سطحی باتین نہین ہین - ہم کتاب اچھی ہے - اور ... صفحون
پر ختم ہوئی ہے - قیمت فی جلد للعہ ر

جڑی بوٹی مع خواص - ۱۹۲ صفحون پر بہت بکار آمد رسالہ ہے ان دونون کے مصنف
خود حکیم صاحب موصوف ہین - قیمت بعہ

رہنمائے صحت اس کا بھی نام عجیب ہے - کتاب کا تو یہ کام ہے کہ مریضون کو صحت کا راستہ
بتائے مگر نام کہتا ہے کہ وہ صحت کو راستہ بتاتی ہے - اسکے مصنف حکیم منشی محمد عبدالصمد صاحب ناگپوری ہین
امید ہے کہ عمدہ کتاب ہوگی - ۲۱۶ صفحون پر پوری ہوئی ہے - قیمت عہ ر

حضرات

مراسلت مین لازمی طور پر اپنے پرچے کے نمبر بتایا کیجیے - اور نمبر نہ یاد ہو تو نام اور
پتہ پورا اور صاف حرفون مین تحریر فرمایا کرین - بعض حضرات دستخط بنا دیتے مین بعض
نہین لکھتے - ایسی صورت مین نہ جواب دیا جاسکتا ہے اور نہ تعمیل ہوسکتی ہے - منیجر دلگداز

قدردانان دلگداز

ہماری کوشش کوئی چیز نہیں۔ یہ آپ ہی کی ہمدردی محبت۔ اور عنایت کی برکت ہے جو دلگداز کے تمام سابقہ واجب الاشاعت پرچے آپ کے پرشوق ہاتھوں میں پہنچ گئے۔ ستمبر کے پرچے کے دیکھنے سے آپکو معلوم ہوجائے گا کہ اب دلگداز کے کاغذ، لکھائی اور چھپائی میں کس قدر اصلاح ہوگئی ہے۔ آئندہ کوشش رہے گی کہ پرچہ اسی نمونہ پر نکلے۔ اور ہر ماہ وقت پر شایع ہوجایا کرے۔ لیکن ہماری ایسی تمام تمنائیں اور آرزوئیں آپکی توجہ اور عنایت پر منحصر ہیں۔

ناول "حسن کا ڈاکو" سوا چند احباب کے جو تاریخی ناولوں کے زیادہ دلدادہ ہیں ہمارے تمام دوستوں اور کرم فرماؤں نے بہت پسند فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ جو نوسا و امرا کے اخلاقی امراض متعسر العلاج ہی نہیں غیر ممکن العلاج ہو گئے ہیں ان کے لیے یہ نسخہ نہایت ہی مفید ہے۔ اور ناظرین جب دوسرے حصے کو ملاحظہ فرمائیں گے تو انھیں یقین ہوجائے گا کہ مفید ہی نہیں یہ مجرب نسخہ اُن کے حق میں اکسیر ہے۔ دوسرا حصہ نہایت ہی پرلطف ہے۔ اس میں عجیب حیرت انگیز راز اور عجیب عبرت خیز سزا و پاداش کا نمونہ نظر ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس ناول کے دوسرے حصہ کو دیکھ کے قدردان اکثر ناولوں کو بھول جائیں گے۔ سچ یہ ہے کہ ناظرین کی قدردانی نے ہمارا حوصلہ ایسا بڑھا دیا کہ اس ناول میں خاص شان پیدا ہوگئی۔ ہم نے صرف ایک سو درخواستیں مانگی تھیں اور یہاں اس وقت تک سات آٹھ سو درخواستیں آچکی ہیں۔ اس لیے ناول مذکور کا دوسرا حصہ بڑی عجلت کے ساتھ طبع ہو رہا ہے۔ جو نومبر کے مہینے میں چھپ کے مکمل ہوجائے گا۔ اور دس دس آنے کے وی پی جملہ خریداران دلگداز کی خدمت میں روانہ کر دیے جائیں گے۔ جن چند حضرات نے صریح الفاظ میں اجازت نہیں دی ہے وہ اگر منع نہ فرمائیں گے تو سمجھا جائے گا کہ انھوں نے بصراحت اجازت عطا فرمائی۔ لہذا اگر کسی صاحب کو نہ لینا منظور ہو تو ابھی سے منع فرمادیں کہ ناول حسن کا "ڈاکو" کا حصہ دوم ان کی خدمت میں وی پی نہ بھیجا جائے۔

تریاق المعدہ

یہ جوارش ضعف معدہ اور فساد ہضم اور استرخا اور قراقر اور درد [illegible] کے لیے نہایت مفید ہے۔ جگر کا فعل اس سے صحیح ہوجاتا ہے قبض جا[illegible] رہتا ہے اور بھوک بڑھ جاتی ہے۔ [illegible] ہے۔ اچھی طرح ہضم ہو[illegible] ہو اور خون صالح پیدا ہوتا ہے جس پر زندگی منحصر ہے۔ فساد ہضم ام الا[illegible] ہے جس سے برص۔ بہق۔ جذام۔ خارش۔ استسقا۔ تبخیر۔ نزلہ۔ زکام [illegible] وجع مفاصل وغیرہ امراض پیدا ہوتے ہیں اس کا جزو اعظم فو[illegible] ومقناطیس ہے جسکی عمدگی طب قدیم وجدید و ویدک مین مسلم ہے تمام مرکبات فولاد اور کانتی سار اور فنجنوش اور جوارش خبث الحدید وغیرہ سے بدرجہا قوی العمل ہے اور قبض اس مین مطلق نہین ہے سا[illegible] سے اساتذہ کے مطب مین مستعمل ہے اور اس کے اثر مین کبھی [illegible] نہین ہے۔ قیمت فی آدھ پاؤ تین روپیہ محصول ذمہ خریدار ہے۔

المشتہر حکیم محمود علی تلمیذ حاذق الملک مرحوم
حیدرآباد دکن کاچیگوڑہ۔

نمک سلیمانی

یورپ کی ترقی کا اصلی راز وہان کی صحت وتندرستی ہے - جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ حفظ صحت کی تدبیرونسے کبھی غافل نہین ہوتے وہان حفظ صحت کے لئے ہزارون دوائین اور شربت ایجاد ہوئے ہین - جن سے وہان کی تمام قومین فائدہ اٹھا رہی ہین - بخلاف اس کے ہمارے یہان جب تک مرض سے سابقہ نہ پڑجائے فکر نہین کیجاتی. تمام امراض کی بنا معدے اور جگر کے افعال مین فتور پڑنا ہے - اگر دونون اعضا اپنا کام صحیح طور پر کرتے رہین تو انسان کبھی بیمار نہین پڑسکتا - اسی خیال سے یہ نمک سلیمانی ان باتون کا خاص لحاظ کرکے تیار کیا گیا ہے کہ معدے کے فعل ہمیشہ برقرار رکھے اور جگر کے فعل مین کوئی نقصان نہ پیدا ہونے دے - چند ہی روز کے استعمال مین صالح خون کثرت سے پیدا ہونے لگتا ہے اور تمام امراض کے اجرام اجزاء جسم کے اندر سے فنا ہوجاتے ہین صحت کی حالت مین اگر روزانہ اس کی ایک چٹکی کھالی جایا کرے تو دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ کبھی کوئی مرض نہ پیدا ہوگا - اور اگر معدے کی شکایت پیدا ہوگئی ہو تو اس کے استعمال سے فوراً جاتی رہتی ہے اور ہیضہ کے واسطے بھی مفید ثابت ہوا ہے - صحت مین استعمال کی مقدار ایک ماشہ ہے - اور شکایت کی حالت مین دو ماشہ قیمت فی شیشی جس مین آدھ پاؤ نمک ہوتا ہے علاوہ محصول ڈاک بارہ آنہ ۱۲/

المشتہر حکیم محمد سراج الحق منیجر کارخانہ معین الصحت کٹڑہ نبی بیگ خان لکھنو

منشی سید عاشق حسین صاحب کے ناول

(۱) تارا کا دل ۔ یہ ناول ایک منظر بچپن کی بیدردگی اور اس کا نتیجہ ۔ اصلی قیمت عہ رعایتی ۸

(۲) **نشیب و فراز** ۔ ہندوستانی شاہی خاندان کے عروج و زوال و عروج کے نقشے کھینچے گئے ہیں۔ اور تاریخی واقعات کی ایسی بے نظیر تصویر کھینچی گئی ہے جس کا جواب تاریخ میں ذرا مشکل سے ملے گا۔ قیمت [illegible]

(۳) **مشتاق اور زہرہ** ۔ ایک عبرت انگیز داستان آخری ایام سلطنت اودھ کے زمانے کی ۔ [illegible] کی تباہیوں کا عبرتناک مرقع ۔ [illegible] عبرت خیز واقعات لکھنؤ کی شستہ زبان ۔ دلکش طرز بیان ۔ اصلی قیمت عہ رعایتی ۱۲ر

(۴) **مظفر اور رانا بائی** ۔ اورنگ زیب محمد عالمگیر شاہ ہندوستان کے عہد کا ایک سچا واقعہ ۔ جذبات عشق کا ہو بہو چربہ ۔ عشق [illegible] کا دلفریب مرقع ۔ ایک صفحہ پڑھیے پھر ممکن نہیں کہ آپ بے پڑھے رہیں ۔ اصلی قیمت ۱۲ر رعایتی ۸ر

(۵) **اسلم و حبیبہ** ۔ جس میں شاہزادہ اسلم کا ملک ایران کی شاہزادی پر عاشق ہونا ہجر اور مفارقت کے صدمے اٹھا کر آخر میں کامیابی ۔ اور سچی خوشی شادی ہو جانا ۔ نہایت دلسوز طریقہ سے بیان کی گئی ہے ۔ اصلی قیمت ۸ر رعایتی ۶ر

(۶) **سلطان و ناز ک ادا** ۔ اس زمانہ کی بد سلوکیوں کا نقشہ اور محبت کی نیرنگ سازیاں نشیب و فراز کی سچی تصویر ۔ اصلی قیمت [illegible]

منشی سجاد حسین صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ کے ناول

(۷) **میٹھی چھری** ۔ ایک ہیرون [illegible] قرضداری و بربادی اور لالہ کی عشق و گرفت [illegible] کا قصہ نہایت پُر مذاق پیرایہ میں ۔ [illegible] قیمت فی جلد [illegible]

(۸) **احمق الذین** ۔ جس میں [illegible] خیالات کا خاکہ اڑایا گیا ہے ۔ اصلی قیمت فی جلد ۱۲ر رعایتی ۸ر

(۹) **کایا پلٹ** ۔ جسے پڑھ کر [illegible] دل کھنچے لیتے ہیں ۔ [illegible] تصویریں کھینچی ہیں ۔ اصلی قیمت فی جلد ۱۲ر رعایتی ۸ر

(۱۰) **پیاری دنیا** ۔ یعنی افسانہ [illegible] جس میں ایک مصری شاہی عاشق کا قصہ عشق و رنج اور کامیابی وغیرہ [illegible] افسانہ [illegible] سے پاکیزہ زبان میں لکھا ہے اصلی قیمت فی جلد ۱ر رعایتی ۶ر

(۱۱) **حاجی بغلول** ۔ ظرافت لطیفہ میں نظم و نثر بلاغت میں ڈوبا ہوا رنگ مضمون کا یا [illegible] جیسے ہر [illegible] مذاق لطیف قصہ میں [illegible] واقعات کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں ۔ اصلی قیمت فی جلد عہ رعایتی ۸ر

المشتہر منیجر مہذب بک ایجنسی
کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

تصانیف مولانا شرر اور مطبع دلگداز کی دوسری کتابیں

تصنیفات مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شررؔ

تاریخ و سیر وغیرہ

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات۔ عہ

(۲) ابوبکر شبلی۔ حضرت شیخ شبلی کے حالات۔ عہ

(۳) تاریخ سندھ۔ سندھ کی مکمل تاریخ ہر دو جلد قیمت

جلد اول ۳ جلد دوم ... ۳

(۴) حروب صلیبیہ۔ مصنفہ [illegible] کا ترجمہ [illegible] عا

(۵) تاریخ بغداد۔ ذکر خلافت عباسیہ ... ۶ر

(۶) ملکہ زنوبیہ۔ ایک عربی نژاد ملکہ ... ۳ر

(۷) خواجہ معین الدین چشتی ...... [illegible]

(۸) الحکم الرفاعیہ۔ مصنفہ شیخ احمد رفاعی کا ترجمہ ۳ر

(۹) آغائی صاحب رئیس لکھنؤ مرحوم کے حالات عہ

(۱۰) سکینہ بنت حسین۔ جناب سکینہ کے حالات ۶ر

(۱۱) سرسید کی دینی برکتین ... ۲ر

ناول

(۱۲) حسن کا ڈاکو۔ سب سے نیا اخلاقی ناول۔ ۱۲ر

(۱۳) زوال بغداد۔ شیعہ و سنیوں کا جھگڑا اور [illegible]

(۱۴) غیب دان دلہن۔ پاکدامن اور عفیفہ و قابل بی بی کی برکتین اسکی حیرت انگیز غیب دانی۔ عہ

(۱۵) ماہ ملک۔ مولانا کا نیا اور [illegible] ناول۔ عار

(۱۶) یوسف و نجمہ کامل۔ جگ بیتی نہیں آپ بیتی۔ [illegible]

(۱۷) شوقین ملکہ۔ پہلی و دوسری صلیبی لڑائیاں۔ [illegible]

(۱۸) فتح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ۔ [illegible]

(۱۹) مقدس نازنین۔ [illegible]

(۲۰) ملک العزیز ورجنا۔ مصری صلیبی لڑائی۔ [illegible]

(۲۱) ایام عرب۔ جاہلیت کے واقعات ہر دو حصہ [illegible]

(۲۲) فردوس بریں۔ حشیشین کی جنت کی سیر ... [illegible]

(۲۳) حسن انجلینا۔ شام و روس کی لڑائی [illegible]

(۲۴) منصور موہنا۔ ایک عربی خاندان سندھ میں [illegible]

(۲۵) شہید وفا۔ اسپین میں مسلمانوں کی پامالی۔ [illegible]

جلد ہائے دلگداز

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۰ء [illegible] جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۹ء [illegible]

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۱ء [illegible] جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۰ء [illegible]

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۵ء [illegible] جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۱ء [illegible]

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۶ء [illegible] جلد دلگداز سنہ [illegible]

دیگر اعلیٰ مطبوعات دلگداز پریس

معاشرت۔ ایک اعلیٰ درجہ کی اخلاقی کتاب انگریزی کی گلستان [illegible] کا ترجمہ۔ عا

اتالیق بی بی۔ [illegible] بی بی کے افعال [illegible] بی بی کی مزیدار نکتہ چینیاں ... ۱۲ر

رفع النقاب۔ مروجہ پردے کے خلاف ایک مدلل رسالہ ... ۴ر

کارخانۂ روض الریاحین - لکھنو کا اعلیٰ عطر

(آپ ایک دفعہ آزما کے تو دیکھیں!)

عطر کیلیے لکھنو مشہور ہی [illegible] کہ جو عطر ہو وہ باوجود اسکے نہیں ملتا کیونکہ یہان اس کی روانگی نوکرون کے ہاتھ ہوا [illegible] خیال اعلیٰ خوبیون ہی کو [illegible] ہوا اور [illegible] خریدنے پر مجبور [illegible] حالت [illegible] اور کو اور بھی چار کو بھیجدیے ہین [illegible] خرابیان دیکھ کے ہمنے ذمہ لیا ہی کہ [illegible] صاحب طلب فرمائیں [illegible] عطر اعلیٰ درجے کے تیل عطر وغیرہ خاص طور پر اہتمام کرکے [illegible] بخوبی جانچ کے اور بکفایت خرید کرکے [illegible] خاص انتظام کیا گیا ہی عطر کے شائق [illegible] اگر دیکھ لین [illegible] عطر اور کن دامون کو ملتا ہے

عطرون کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر [illegible] [illegible]	عطر مولسری [illegible]	عطر سگترہ [illegible]	عطر خلوط [illegible]
عطر موتیا [illegible]	عطر پانڑی [illegible]	عطر سیوتی [illegible]	عطر [illegible]
عطر چنبیلی [illegible]	عطر باغ بہار [illegible]	عطر [illegible] مجموعہ [illegible]	روح گلاب [illegible]
عطر کیوڑا [illegible]	عطر گل حنا [illegible]	عطر برگ حنا [illegible] عطر [illegible]	روح خس اصلی [illegible]
عطر خس [illegible]	عطر [illegible]	عطر اگر کہنہ [illegible]	روح پانڑی اصلی [illegible]
عطر [illegible]	عطر جوہی [illegible]	عطر سہاگ [illegible]	عطر ناگیسر اصلی [illegible]
عطر چمپا [illegible]	عطر گلاب [illegible]	عطر اگر کہنہ [illegible]	عطر صندل [illegible]

خوشبودار تیلون کی فہرست بھی ملاحظہ ہو

روغن حنا فی سیر [illegible]	روغن کیوڑا فی سیر [illegible]	روغن بیلہ فی سیر [illegible]	روغن چنبیلی فی سیر [illegible]

اعلیٰ درجے کا خوشبودار عمدہ اور بامزہ تنباکو

[illegible] تنباکو مشکی فی سیر [illegible] زعفرانی [illegible]	[illegible] تنباکو مشکی [illegible] زعفرانی [illegible]	گولیان تنباکو مشکی طلائی فیتولہ [illegible] نقرئی [illegible]	نوٹ - درخواست آتے ہی ویلیو روانہ ہوگا پارسل اور محصول ڈاک وغیرہ ذمہ خریدار

آپ کا خادم - محمد عبد الحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنو

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی تاریخی رسالہ

جلد ۱۵ — نمبر ۱۰

اکتوبر ۱۹۱۳ء عیسوی۔ مطابق عقرب ۱۳۲۳ شمسی

ایڈیٹر

مولنا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

منیجر و پبلشر

خاکسار حکیم محمد سراج الحق عفا اللہ عنہ

جو

دلگداز پریس مین چھپکے لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان

سے شائع ہوا

دلگداز! دلگداز! دلگداز!!!

سنہ ۱۸۸۷ء سے مولنا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر کی اڈیٹری مین نکل رہا ہے مضامین
یا کسی چشم قدردان کی نگاہ تازہین جو دل مین اترلی اور دل ہی دلمین رہ جاتی ہے اعلیٰ درجہ کے ادبی
مضامین ہوتے ہین۔ ہر سال بشرط خریداری سال مابعد مولانا شرر کا ایک نیا ناول خریدار
دلگداز کو مفت دیا جاتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ سالانہ مع محصولڈاک

المشتہر منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان۔ لکھنؤ

مولانا شرر کی کتابون کے نئے لائبریری اڈیشن

نفیس مزاج قدردانان علم کے لیے مولانا شرر کی نئی اور پرانی کتابین بڑے اہتمام کے ساتھ چھاپی
جاتی ہین جن کی نفاست دیکھنے کے قابل ہے۔ اس سلسلۂ طبع کا نام لائبریری اڈیشن رکھا گیا ہے
پہلے سے اجازت دے دیتے ہین اُن کا نام لائبریری اڈیشن مین درج کرلیا جاتا ہے اور تیار ہوتے ہی
کارڈ بھیجکے بلا انتظار جواب وی۔پی بھیجدی جاتی ہین۔ مجلد کتابون کے خریدارون سے اصل قیمت پر
اضافہ کرلیا جاتا ہے۔ اگر علمی مذاق کی مربی گری منظور ہو تو فوراً لائبریری اڈیشن کے رجسٹر مین اپنا نام درج کرائیے

نمبر ۱ افسانۂ قیس۔ مجنون عامری کی لائف دلاویز
مکمل کی گئی ہے۔ قیمت فی جلد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳ر

نمبر ۲ قیس و لبنیٰ مشہور عاشق عرب قیس بن ذریح عذری
اور اسکی معشوقہ لبنیٰ کے حالات کو ایک نہایت پراثر اور دلچسپ
ناول کا لباس پہنایا گیا ہے۔ قیمت فی جلد۔ ۔ عہ

نمبر ۳ حسن بن صباح بانی فرقہ باطنیہ کے حالات زندگی
اسکی تعلیمین اس کا علم و فضل اور اس کے سرکیف فدائی۔ ۔ ۲ر

نمبر ۴ عصر قدیم۔ ایک نہایت مکمل اور سلجھی ہوئی تاریخ جسمین
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پیشتر کی تمام قومون اسرائیلیون مصریون
اسیریون بابلیون ایرانیون۔ یونانیون مقدونیون۔ رومیون
تاسانیون بطلمیوسیون وغیرہ کے اجمالی حالات ہین

نمبر ۵۔ آغا صادق کی شادی لکھنؤ کی
کی ایک بامذاق تصویر کیسی دلہن کیسے ساتھ قیمت

نمبر ۶۔ فلورا فلورنڈا اندلس آخری دور سلطنت
کی برداشت اور مسیحیون کا احمقانہ تعصب ہے
اور پراثر تاریخی ناول قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نمبر ۷ فلپانا۔ مولانا شرر کا بہت ہی پرمذاق ناول
ناول اردن طرابلس الغرب پر صحابۂ کرام کا حملہ
عثمان غنی کا دور صحابہ کی پاکبازی و بےنفسی شاہزادی
فلپانا او عبداللہ بن زبیر۔ (زیر طبع)

المشتہر حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان۔ لکھنؤ

موسیقی

موسیقی اُن فنون لطیفہ میں سے ہے جن سے ابتدائی انسان نے [illegible] واسطہ [illegible] اور [illegible] میں کام لیا ہے۔ اس کے موجب فطرت انسانی ہے۔ ایک سادہ [illegible] [illegible] کے پیچھے [illegible] ترقی یافتہ [illegible] استعداد [illegible] قومیں [illegible] اور [illegible] ہے کہ اس کی ابتدا [illegible] اور [illegible] سرزمین ہے جس نے تمام زمانہ میں اسے ایجاد کیا [illegible] خوشی سے [illegible] قوم ہے [illegible] موسیقی آپ ہی ایجاد کیا ہے [illegible] مشہور ہے کہ گانا اور رونا سب [illegible] ہے جب [illegible] کوئی [illegible] وحشی انسان کسی بات پر خوش ہوتا [illegible] اچھلا کودا اور گایا [illegible] جیسا [illegible] تخلیق عالم کے آغاز ہی میں کہ [illegible] جاہل عورت کسی عزیز کی موت پر [illegible] ساتھ سر پیٹ کے روئی اور بین کرنے لگی اسی دن جانیے کہ موسیقی کا فن پیدا ہو گیا۔ اور غالباً اسی کا اظہار قدیم مذہب نے اس عنوان سے کیا ہے کہ اس فن لطیف کا موجد بجائے انسان کے دیوتاؤں کو بتا دیا۔ جو تخلیق عالم کے آغاز میں انسانوں کے بڑے دوست تھے۔ ان سے ملتے جلتے تھے اور کبھی کبھی انھیں اپنی صحبتوں میں شریک کر لیا کرتے تھے

ہندو کہتے ہیں کہ موسیقی کے پہلے موجد مہادیو جی تھے جو سب دیوتاؤں سے بڑے اور پہلے تھے۔ اور مختلف راگنیاں اپنے حالات و جذبات کے مناسب شکل و شمائل اور وضع و لباس میں اُن کی بیبیاں بتائی جاتی ہیں۔ مصر والے جو قدامت میں سب سے پہلے مشہور ہیں۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ موسیقی اور آلات موسیقی یعنی مختلف باجوں کو اُن کے اعلےٰ ترین دیوتاؤں۔ آسائرس۔ آئی سس۔ ہورس۔ اور تھوتھ نے

ایجاد کیا - یونانیون کا خیال تھا کہ اُن کے اعلیٰ درجے کے دیوتا زیوس کی نو بیٹیاں جو "میوزس" کہلاتی تھیں وہی تمام علوم و فنون کی بانی تھیں اور انھیں سے موسیقی کا فن ایجاد ہوا ہے - اِن نو میوزس (یا دیویون) کے نام یہ ہین (۱) کالیوپہ - مثنویون اور داستانخوانی کی شاعری کی بانیہ (۲) کلیو - تاریخ کی موجدہ - (۳) ایراٹو - عاشقانہ شاعری کی بانیہ - (۴) یوتیرپہ - نغمہ خوانی کی شاعری کی بانیہ (۵) ملپومنہ - مرثیہ خوانی اور جذباتِ غم کو اُبھارنے والی شاعری کی بانیہ - (۶) پولی ہم نیا - نغمہ خوانی اور فصاحت و بلاغت کی دیوی - (۷) ترپسی شورہ - ناچنے کی موجدہ - (۸) تھالیہ - جذباتِ مسرت کو اُبھارنے والی شاعری کی بانیہ - (۹) اُرانیہ - علم ہیئات کی موجدہ - اسی قسم کے خیالات فنِ موسیقی کی ایجاد کے متعلق چینیون - فارسیون - اور بابل والون مین بھی ہون گے لیکن افسوس کہ ہم اُن سے ناواقف ہین - مشرق کے متاخر محققون نے موسیقی کی ایجاد اور اُس کی وجہ تسمیہ کے بارے مین عجب عجب خیال آفرینیان کی ہین - مگر اب وہ زمانہ نہین رہا کہ چڑیون مین نغمہ سنجی کا قدرتی جوہر دیکھ کے موسیقار نام ایک طائر ڈھونڈھ کے نکالا جائے موسیقی کے ایجاد کی کلغی اُسی کے سر مین لگائی جائے اور اُسی کی نسبت سے موسیقی کا نام موسیقی بتایا جائے - اس کی اصلیت یہ ہے کہ یہ فن علوم کی یونانی دیویون میوز کی جانب منسوب ہے - اور میوز کا تلفظ یونان مین یقیناً "موس" تھا - عربی و فارسی میں اور ہماری زبان مین جس طرح نسبت کے لیے لفظ کے آخر مین یاے معروف لگائی جاتی ہے اسی طرح لاطینی اور یونانی مین "ق" لگایا جاتا تھا - اسی قاعدے کے مطابق وہ موسیقی کو "موسیق" (انگریزی مین میوزک) کہتے تھے - ہمون کی یہ غلطی تھی کہ اس کا خیال نہ کیا کہ موسیق مین خود ہی حرف نسبت موجود ہے اور اُس پر اپنے یہان کی یاے نسبت بھی اضافہ کر دی - اور اِس فن کا نام ساری مشرقی دنیا مین بجاے "موسیق" کے "موسیقی" ہو گیا -

اب یہ دیکھنا ہے کہ اِس فن کو کن کن قومون نے کہان تک ترقی دی - اور کس قوم کی موسیقی کس پایہ پر تھی - معلوم ہوتا ہے کہ قدماے یونان مین "موسیقی" کا مفہوم بمقابل آج کل کے زیادہ وسیع تھا - اُن لوگون مین گانا ناچنا اور بتانا ہی نہین بلکہ شاعری بھی اُس مین شامل تھی - اصل یہ ہے کہ اُن کے خیال مین سب جتنے فنون میوزس

دیویوں کی تعلیم سے حاصل ہوئے تھے سب اُن کی موسیقی میں شامل تھے۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے موسیقی کو اہل مصر نے ترقی دی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی موسیقی اعلےٰ درجہ ترقی پر پہونچ گئی تھی۔ مگر اس عام تحقیق کے خلاف یونانی مورخ ڈیوڈورس سقولوس یقینی طور پر بیان کرتا ہے کہ مصر میں قدیم زمانہ میں موسیقی کی تعلیم و تعلم اور اُس سے حظ اٹھانے کی ممانعت تھی۔ اس لیے کہ اُسکے شوق میں مبتلا ہو کے آدمی عیش پرست ہو جاتے ہیں۔ اور جذبات انسان کو اس کا شوق ہوا بالکل گیا گزرا ہوتا ہے۔ مگر افلاطون اور ہیرودوطس جو یونانیوں ہی کا نہیں ساری دنیا کا سب سے پہلا مورخ ہے (دونوں) نے مصر کا سفر کیا تھا اور دونوں یقین دلاتے ہیں کہ بجائے ممانعت اور روک کے مصر میں علم موسیقی کو ہر طرح سے ترقی تھی۔ سلطنت اُسے روز افزوں ترقی دے رہی تھی۔ اور نوعمروں کو کمسنی ہی میں اُس کی تعلیم دی جاتی تھی۔ خود ڈیوڈورس جو مصر میں اُس کے ممنوع ہونے کا راوی ہے دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ موسیقی اور اُس کے تمام سازوں کے موجد مصر کے ہوتا تھے۔ اور یہ امر پوری طرح پایہ ثبوت کو پہونچ گیا ہے کہ اہل مصر کے پاس ایسے ایسے باجے اور آلات ضرب موجود تھے جن سے ہر قسم کے جذبات میں تحریک پیدا کرنے والے مختلف نغمے ادا ہوتے تھے۔

اہل بابل و نینوا میں بھی موسیقی کا بڑا رواج تھا۔ اُن کے وقت کی بنی ہوئی تصویریں بتا رہی ہیں کہ بادشاہوں کے ساتھ ساتھ اور فتحیاب فوجوں کے آگے آگے چنگ و رباب بجانے والے مغنی چلا کرتے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ اُن کے وہاں موسیقی عبادت میں داخل تھی۔ اور بڑے بڑے مندروں اور بتخانوں میں ارباب نشاط اور مغنیوں کی چوکیاں مقرر تھیں جن کے نغمے پر اکثر پجاریوں کو حال آیا کرتا۔ مگر چونکہ ان کے پاس سوا پتھروں اور قصر و ایوان کی دیواروں پر کندہ کر دینے کے اور کوئی ذریعہ اپنے علوم و فنون کو بعد والوں کے لیے محفوظ کر دینے کا نہ تھا اس لیے اُن کے جملہ علوم کی طرح انکی موسیقی بھی انھیں کے ساتھ مٹ گئی۔ اگر یونانیوں کی طرح پاپرس وغیرہ کی قسم کا سامان تصنیف و تدوین

اہل بابل و نینوا کے پاس بھی موجود ہوتا تو آج ہم اُن کے علوم سے اس قدر ناواقف نہ ہوتے۔ اور بخوبی معلوم ہوتا کہ انکی موسیقی کے کیا اصول تھے۔ اور کیسی تھی۔

بنی اسرائیل کو بھی موسیقی کا کم شوق نہ تھا۔ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے آلات طرب خصوصاً چنگ و ارغنون کا موجد جوبل تھا جو حضرت آدم کی نسل مین ساتوین پشت پر تھا اس کے ارغنون سے مراد غالباً وہ پُرانے زمانے کا ساز ہے جس مین کئی ایک بانسریان ایک ساتھ جوڑ دی جاتی تھین۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موسیقی کی ایجاد جوبل سے پہلے ہی ہو چکی ہوگی۔ اور اگر پہلے نہ بھی ہوئی ہو تو اُس کے زمانے مین تو شک ہی نہین کہ یہ فن موجود تھا جس کی تائید و تقویت کے لیے آلات طرب ایجاد کیے گئے۔ مگر بنی اسرائیل کی موسیقی کے اصلی عروج کا زمانہ حضرت داؤد کا زمانہ ہے جن کے مزامیر مشہور ہین۔ قدیم مورخ اسیبیوس کا بیان ہے کہ حضرت داؤد جہان جاتے اپنا چنگ ضرور ساتھ لیجاتے انھون نے مذہبی رسوم و عبادات کے لیے اہل موسیقی کی چوکیان اور باجوں کے بینڈ مقرر کیے تھے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ عبادت کرتے وقت وہ خود خدائے واحد ذوالجلال کے سامنے گاتے بجاتے اور ناچتے تھے۔ جبکہ آلات طرب سے کام لینے والوں کا حلقہ چنگ۔ رباب۔ طنبورہ۔ جھانجھ۔ قرنا اور تُرہیان بجاتا تھا اور وہ اپنی مناجات کے نغمے کی صدا بلند کرتے۔ ان چیزون کو اُن کے بعد حضرت سلیمان نے اور زیادہ ترقی دی جبکہ معبد الٰہی اور حرم ثانی مین بہت سے گانے بجانے والے مقرر تھے یہ زمانہ بنی اسرائیل کی موسیقی کے شباب کا تھا۔ مگر اسیری بابل نے جو ۶۳ سال تک قایم رہی یہود کے موسیقی اور اُن کے آلات طرب دونون کو خاک مین ملا دیا۔ اسی طویل قید سے چھوٹنے کے بعد وہ پہنچنے نہین پائے تھے کہ ارض یہودا کا وہ پُرفتن زمانہ شروع ہو گیا جبکہ ان پر ہر طرف سے حملے ہو رہے تھے۔ اور مصریون فارسیون اور رومیون سب نے یکے بعد دیگرے انھین مغلوب و مقہور کیا۔ اور کبھی انھین مہلت نہ دی کہ اطمینان سے بیٹھ کے اپنے قدیم موسیقی کو تازہ اور پرانے آلات ط

دوبارہ زندہ کرتے۔ ان تباہیوں نے موسیقی کو اُن میں سے فنا کر دیا۔ اور رسم ایسے عبادات اور رسوم مذہبی کو گانے بجانے اور آلات طرب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ساری دُنیا کے معابد یہود سے موسیقی کا فن قطعاً علیحدہ ہو گیا۔ اور ان کے یہودیوں سے یہ عقیدہ ہے کہ مسیح کے ظہور سے پہلے گانا اور موسیقی سننا غیر مناسب اور حرام ہے۔

مگر افسوس اہل مغرب نے ہندوستان کی موسیقی کچھ بھی توجہ نہیں کی حالانکہ سب قوموں سے زیادہ مکمل اسی سرزمین کی موسیقی معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کی طرف ہم اس وقت توجہ کرینگے جب مسلمانوں کی موسیقی کا تذکرہ ختم ہو گا۔ یونانیوں میں بہت سی دیگر اقوام عالم کی بہ نسبت موسیقی کی زیادہ قدر و منزلت تھی۔ لیکن اس تاریخی بیان کے سوا اگر ہم اس بات کو معلوم کرنا چاہیں کہ انکی موسیقی کیا تھی اور کیسی تھی تو کچھ بھی پتہ نہیں چل سکتا۔ ہر قوم کی موسیقی ان گیتوں کے ذریعے سے جن میں اچھی اور دلکش دھنیں بندھ جاتی ہیں بعد والی نسلوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور انھیں گیتوں کے سننے سے بعد والوں کو اپنے متقدمین کی موسیقی کی نوعیت کسی نہ کسی حد تک ضرور معلوم ہو جایا کرتی ہے۔ بخلاف اس کے یونانیوں کی موجودہ نسلوں میں اپنے بزرگان سلف کی نہ زبان ہی باقی رہی اور نہ اُن کا نغمہ ہی باقی رہ گیا۔ پرانے یونانیوں کی موسیقی کا جو کچھ حال مل سکتا ہے وہ اُن کی چند منتشر تحریریں ہیں جو کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔

دنیا میں جس وقت خط ایجاد کیا گیا تو اس کی پوری کوشش کی گئی کہ انسان کی آوازیں مخارج کے لحاظ سے مختلف حروف میں قلمبند کر لی جائیں۔ تاکہ ہر لفظ جتنے مخارج کی آوازوں سے مرکب ہے انھیں حروف کے ذریعے سے تحریر میں لایا جائے۔ لیکن اس کی کبھی کوشش نہیں کی گئی کہ آواز اپنے ترقی و تنزل یعنی زیر و بم۔ اور میڈوں اور زمزموں کے لحاظ سے تحریری نشانات میں دکھائی جائے۔ یہ ایسی کمی تھی جس کے باعث کوئی قوم اپنے موسیقی کو چاہے وہ کیسے ہی کمال کے درجے کو پہونچی ہوئی ہو دوسروں کے ذہن نشین

کرنے کے لیے قلمبند نہ کر سکی۔

یونان کے اکثر قدیم فلسفیون خصوصاً فیثاغورس۔ افلاطون اور ارسطو کے شاگردون نے موسیقی پر لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنون یونان مین موسیقی کا سکھانا اعلیٰ ترین طبقہ کے رئیس زادون کی تعلیم کا جز لازمی تھا اور نیز یہ کہ دلچسپی اور صحبتون مین لطف پیدا کرنے ہی کے لیے نہین بلکہ مذہبی رسوم اور عبادات مین بھی موسیقی سے کام لیا جاتا تھا۔ وہ لوگ چونکہ ایشیاے کوچک سے جا جا کے بسے تھے اور وہین کے علاقون کے نام کی نوآبادیان یونان مین قائم ہو گئی تھین لہذا انھین نوآبادیون یا اصلی ایشیائی علاقون کی جانب اُنکی دُھنین اور اُن کے نغمے منسوب تھے۔ چنانچہ اپنے بعض نغمون کو لیڈیا سے ماخوذ بتاتے تھے جہان پرانا مغنی امفی اون اس فن کی تعلیم دیتا تھا۔ بعض نغمون کو اکاڈیا سے حاصل کیا جہان چرواہے بانسلی بجا کر نہایت ہی دلکش تانین لگایا کرتے تھے۔ اُن کے گانے کے ٹھاٹھ مقامات فریجیا۔ ڈوریا۔ ایولیا۔ اور ایونیا کی جانب منسوب تھے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ یونانیون کی موسیقی صرف سُرون تک محدود تھی اور اس مین لَے نہ تھی۔ کیونکہ اُن کے نزدیک وزن کا تعلق صرف نظم سے تھا۔ مگر غالباً یہ قیاس ویسا ہی ہو جیسے ہندوستان کے موسیقی دان اکثر کہا کرتے ہین کہ انگریزون کی موسیقی مین لَے نہین ہے۔ یونانیون نے اپنے علمی مذاق سے اس بات کی بھی کوشش کی تھی کہ موسیقی کی دُھنون کو تحریر مین لے آئین۔ مگر اس کوشش مین کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لیے کہ جو اُن کے نغمے سے نہ سُن چکا ہو وہ اُس تحریر کے ذریعے سے ہرگز نہین سمجھ سکتا کہ وہ نغمہ سُرون کی کس مناسب ترتیب سے اور کس دُھن مین ادا ہوتا ہے۔ اُنھون نے موسیقی کی تحریر کی بنیاد حروف تہجی پر رکھی تھی۔ سُرون کے لحاظ سے حروف کی صورتین بدلی اور بگاڑی گئی تھین جس کی بدولت اُن کے بہت سے صورتین ہو گئین۔ اور پھر اُن پر زیر و بم اور زمزمہ وغیرہ کے علامات

ہو گئے - نتیجہ یہ ہوا کہ بڑھتے بڑھتے سولہ سو سے زیادہ تحریری نشانات ہو گئے - اور موسیقی کی حیثیت سے اُن کی الف بے چینیون کی الف بے کی سی ہو گئی جس مین ہزارون حروف ہین - اور آخر اُن علامتون اور بگڑے اور بدلے حرفون کی وجہ سے وہ تحریر اس قدر پیچیدہ ہو گئی کہ کسی طرح سمجھ مین نہین آسکتی - مگر اس سے اس بات کا ضرور اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھون نے موسیقی مین کس قدر زیادہ ترقی کر لی ہوگی - متاخرین مین یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ "آیا یونانیون کو تنہا لطف نغمون یعنی مرکب دھنون کا علم تھا یا نہین ؟" اور بڑے زد و قدح کے بعد جو فیصلہ ہوا یہ تھا کہ "نہین - انھین ایسی دھنون کا علم نہ تھا"

یونانیون مین عرب کے بازار عکاظ کی طرح مختلف شہرون مین میلے ہوتے تھے جن مین ہر قسم کے کرتب اور ہر فن کے کمالات دکھائے جاتے - انھین میلون مین یونانی شعرا اپنی نظمون کو ہمارے مولنا شبلی نعمانی کی طرح موسیقی کی مناسب دھنون مین گا گا کے سنایا کرتے - نیمین اور اتھین گیمون (میلون) مین موسیقی اور شاعری کے لیے انعام مقرر تھے - اور پیتھیا کے گیم (میلے) مین جو بہت آخر زمانے مین ہوا کرتا تھا صرف باجون اور آلات طرب پر کمال دکھانے والون کو انعام دیا جاتا - یونانیون مین جتنی عزت موسیقی کے پروفیسرون کی تھی اور کسی فن کے پروفیسرون کی نہ تھی - اور انھین بڑی بھاری تنخواہین ملا کرتی تھین۔

اہل یونان نے جس طرح موسیقی کو مصر والون سے لیا تھا اسی طرح رومیون نے یونانیون سے لیا - روم کی قوم ایک خالص سپہگر اور جنگجو قوم تھی - اور ایسے فنون لطیفہ کی طرف وہی مذاق والون کو زیادہ توجہ نہین ہو سکتی - مگر پھر بھی وہ فن موسیقی کی نہایت ہی قدر کرتے تھے - اور موسیقی دونون کی اُن مین بڑی عزت کیجاتی تھی - اپنے ابتدائی عروج کے زمانے مین اس فن کو اُنھون نے بہت ہی کم ترقی دی - بلکہ صحیح یہ ہے کہ مطلق توجہ نہین کی - یہان تک کہ نیرو قیصر کا زمانہ آیا - اور اُس نے باوجودیکہ ظالم تھا موسیقی کو اعلیٰ درجہ ترقی و عظمت تک پہونچا دیا - اُس نے خود اِس لطیف فن کو سیکھا

کیا - اور اپنا زیادہ وقت ترپینوس کی شاگردی مین صرف کر دیا جو اُس عہد سب سے زیادہ نامور مغنی اور چنگ نواز تھا - اب چونکہ اس فن کی جانب سلطنت کی توجہ مائل ہو گئی تھی لہذا نیرو کے بعد اُس کے جانشینون سے بھی ہمارا یہ نیا فنون موسیقی - فوجی ترانون - اور ڈراما کو معتدبہ ترقی دی - یہانتک کہ رومیون کے تنزل کے ساتھ اُن کی موسیقی بھی مٹ گئی - جس کے مدتون اور صدیون بعد موجودہ اہل اطالیہ نے اپنی پُرانی موسیقی کو پھر زندہ کیا -

رومیون کے معاصر ایران کے ساسانی تھے - اگر غور سے دیکھیے تو ان کی قدیم الایام کی سطوت وجبروت ساری دنیا سے جس قدر بڑھی ہوئی تھی - نیز انتہائی کمال کو اُن کی عیش پرستی پہونچی ہوئی تھی وہی درجہ اُنکی موسیقی کو بھی حاصل تھا - اُن مین قدیم الایّام سے بڑے بڑے مغنی اور سرود و چنگ نواز ہوتے چلے آئے تھے - مگر آخرین باربد اور نکیسا نے جو خسرو پرویز کے دربار کے مغنی کہے جاتے ہین اس فن کو ایسے کمال تک پہونچا دیا کہ اپنے نغمون سے ساحری کا کام لیتے - مگر افسوس اُنکی تاریخ کی طرح اُنکی موسیقی کا بھی نام ہی نام دنیا مین باقی رہ گیا - اُنکی عظمت وسطوت کی تاریخ تو دیگر معاصر اقوام کے ذریعہ سے تھوڑی بہت مل بھی گئی مگر اُنکی موسیقی کا ذوق کسی غیر کو کیا ہو سکتا تھا جو وہ ہمین اُس کی خوبیون سے آگاہ کرتا -

اب عربون نے رومیون اور ساسانیون دونون کا دفتر اُلٹ کے شام و عراق مین ایک نئی اسلامی معاشرت قایم کی - قرون اولی کے مسلمانون نے خدا پرستی اور عبادات کے جوش و ذوق مین موسیقی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا - خصوصاً اس لیے کہ موسیقی بت پرستون کے عبادات مین داخل تھی - اور بنی اسرائیل کا خدا پرست گروہ اس فن سے قطعاً متنفر تھا - اگرچہ حضرت سرورکائنات صلعم نے عورتون اور لڑکیون کو بار ہا گاتے بجاتے دیکھا اور نہین روکا تھا حبشیون کا رقص دیکھا اور نہین منع فرمایا تھا - فن تجوید و قرأت کی تحصیل کو موجب ثواب آخرت بتایا جو کہ دراصل موسیقی ہی کا ایک روح افزا شعبہ تھا - جس سے کافی طور پر پتہ چل سکتا ہے کہ موسیقی کا وہی حصہ ممنوع ہے جو رسوم

بت پرستی یا جذبات شہوت پرستی سے تعلق رکھتا ہو مگر اسلام میں سوا ظاہریہ فرقہ اہل حدیث کے اکثر علما نے موسیقی کو مذہبی قرار دے یا مگر صحابہ اور تابعین ہی کے زمانے میں ہم اتنے اتنے بڑے مذہبی پاسبان کے لوگون کو گانا سنتے دیکھتے ہین کہ ہمین تحریم موسیقی کے عام فتوے پر تعجب آتا ہے۔ اس شرعی روک پر بھی مسلمانون مین فن موسیقی کو فطرتی طور پر ترقی حاصل ہونے لگی جس کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ صرف اُمرا و ملوک ہی نہین صنف کے مسلمان اتقیا و زہاد بھی دینی خلوص اور جب عشق کے جذبات کے ساتھ ذوق و شوق سے گانا سننے لگے۔ سب سے پہلے ابوسعج نے جس کے حالات ہم نگار ہی کے مضمون پر بتا چکے ہین فارس و روم کے دور دراز شہرون کی خاک چھان کے دنیا کے مسلم کمالون سے فن موسیقی کو سیکھا اور اُس کے بعد عربی مین مناسب اور مقبول عام دھنین قایم کین۔ ابوسعج کے بعد عربون مین بڑے بڑے نامور مغنی پیدا ہونا شروع ہوئے جن کے مفصل حالات کتب تاریخ مین موجود ہین۔ مخصوصاً مامون کے زمانے مین اُس کے دربار کے مغنی اسحق موصلی اور مامون کی بہن عُلیّہ نے موسیقی کے ایسے ایسے کمالات دکھائے کہ عربون کے نزدیک ساری دنیا مین اُن سے بڑے مغنی موجود نہ تھے۔ اغانی کی ضخیم کتاب جو بیس اکیس جلدون مین ختم ہوئی ہے صرف "مائۃ اصوات المختارہ" یعنی دولت عباسیہ کے عہد کی سو مقبول عام دھنون کے بیان مین ہے۔

مسلمانون کے اعلیٰ کمال موسیقی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُن کا سب سے بڑا فلسفی اور حکیم ابو نصر فارابی جو حکماے اسلام مین "معلم ثانی" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے جس کی نسبت سب کو اتفاق تھا کہ ارسطو کے بعد اُس کے پائے کا کوئی حکیم دنیا مین نہین پیدا ہوا۔ اور جس کے تصانیف نے ابن سینا کو حکیم بنا دیا تھا چوتھی صدی ہجری کے آغاز مین موسیقی کا سب سے بڑا باکمال پروفیسر تھا۔ موسیقی کا مشہور باجا "قانون" اُسی کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ وہ بخلاف دیگر علما و فضلا کے تُرکی سپاہیون کی وضع مین رہا کرتا تھا۔ اور صورت دیکھ کے لوگ سمجھتے کہ کوئی معمولی درجے کا فوجی ترک ہے جب شہر دمشق مین پہونچا تو اُسی سادی سپاہیانہ وضع مین فرمان رواے شام سیف الدولہ بن حمدان کے دربار مین گیا۔ جہان بڑے بڑے مشہور روزگار

علما جمع تھے اس مہذب مجمع میں ابونصر کو خاموش کھڑے ہوئے دیکھ کے سیف الدولہ نے کہا "بیٹھ جاؤ" ابونصر نے پوچھا "اپنے رتبے کے مناسب مقام پر بیٹھوں یا آپ کے دربار کی مناسبت سے؟" سیف الدولہ نے کہا "اپنے رتبے کے مناسب مقام پر" - یہ سنتے ہی ابونصر اہل دربار کی تمام صفوں کو قطع کرتا ہوا خود سیف الدولہ کے مسند پر پہونچا اور اس طرح پھیل کے بیٹھ گیا کہ خود سیف الدولہ بھی مسند سے باہر نکل گیا - یہ دیکھ کے سیف الدولہ دل میں نہایت برہم ہوا - اور اپنے مسلح غلاموں کی طرف دیکھ کے ایک خاص زبان میں جس کو سوا اُس کے غلاموں کے دربار کا اور کوئی شخص نہ سمجھتا تھا کہا "اس شخص نے سخت بے ادبی کی ہے - میں اس سے چند سوالات کرتا ہوں اگر جواب نہ دے سکے تو بے مجھ سے پوچھے اس کے ٹکڑے اُڑا دینا" غلام تو خاموش رہے مگر ابونصر نے اسی زبان میں جواب دیا "یا امیر صبر کیجیے - ہر امر کا انکشاف انجام میں ہوا کرتا ہے" سیف الدولہ نے گھبرا کے پوچھا "تم اس زبان کو جانتے ہو!" جواب ملا "جی ہاں جانتا ہوں - اور اسی زبان پر موقوف نہیں میں ستر زبانوں میں بخوبی گفتگو کر سکتا ہوں" یہ کہہ کے ابونصر نے علما سے گفتگو شروع کی اور جو جس فن میں شہرت رکھتا تھا اُسی فن میں بحث کر کے اُسے خاموش کر دیا - تھوڑی ہی دیر میں ظاہر ہو گیا کہ سارے علماے دربار میں سے کوئی بھی کسی فن میں اُس کی ہمسری کا دعوی نہ کر سکتا تھا - تمام حاضرین اور خود سیف الدولہ کی یہ حالت تھی کہ عش عش کر رہے تھے - اور حیران و مبہوت تھے - نوبت یہاں تک پہونچی کہ علماے حاضرین نے دربار شاہی کو مدرسہ بنا دیا - اور جو الفاظ ابونصر کی زبان سے سنتے اُنھیں قلمبند کرنے لگے - یہ رنگ دیکھ کے سیف الدولہ نے دربار کے برخاست ہونے کا حکم دے کے تمام علما کو رخصت کر دیا - اور ابونصر کو ساتھ لے کے دربار خاص میں چلا گیا اور پوچھا "کچھ نوش فرمائیے گا؟" ابونصر نے کہا "نہیں" پوچھا "کچھ پیجیے گا؟" کہا "نہیں" پوچھا "اچھا گانا سنیے گا؟" ابونصر نے کہا "ضرور! اس کا تو مجھے خاص شوق ہے" فوراً ارباب نشاط حاضر ہوئے - اُس زمانے کی مشہور و مقبول عام گانے والیاں سامنے کھڑی ہو کے مجرے کرنے لگیں -

آلات طرب کے جتنے اعلے درجے کے ماہر شہر مین موجود تھے اپنے اپنے ساز
لے کے کھڑے ہوئے ۔ اور بجانے لگے ۔ مگر ابونصر کی یہ حالت تھی کہ ہر ایک
کے گانے اور بجانے مین عیب نکالتے ۔ اور ایسی سخت نکتہ چینیان کین کہ
اُن کے عیب سے گانے بجانے والون کو اپنا فن بھول گیا ۔ اور سیف الدولہ
نے تعجب سے کہا "کیا جناب اس فن کو بھی جانتے ہین ؟" جواب دیا "جی ہان جانتا
ہون" اب سب لوگ مشتاق ہوئے کہ "کچھ سُنائیے" ابونصر نے کہا "بہتر" یہ کہہ کے
ایک تھیلی مین سے جو ساتھ تھی لکڑی کے چند ٹکڑے سے نکالے ۔ انھین ایک
خاص ترتیب و ترکیب سے جوڑ کے بٹھایا ۔ اُن پر تار کھینچے ۔ اور انھین بجا بجا
کے ایک ایسی دُھن مین گانا شروع کیا کہ جو سُنتا اُسے ہنسی آنے لگتی ۔ نتیجہ یہ
ہوا کہ دم بھر مین تمام حاضرین محفل مارے ہنسی کے لوٹنے لگے ۔ پھر اُنھون نے
اس ساز کو کھول کے نئی ترکیب سے جوڑا ۔ اور اسکی سُر ملا کے جو گانا بجانا شروع
کیا تو تمام حاضرین زار و قطار رو رہے تھے ۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار پر
رقت طاری ہے ۔ اس کے بعد اُنھون نے اُس ساز کو پھر کھول ڈالا اور
تیسری ترکیب سے جوڑ کے بجانا شروع کیا تو تمام سامعین پر غنودگی طاری ہوئی
چند منٹ نہین گزرے تھے کہ سب لوگ حتی کہ خود سیف الدولہ اور پہرے
والے تک غافل سو رہے تھے ۔ ان سب کو غافل دیکھ کے ابونصر نے اپنا ساز
کھول کے تھیلی مین رکھا چپکے سے اُٹھ کے چلے گئے ۔ اور سب لوگ سوتے
کے سوتے رہ گئے ۔ ان باتون کا یہ اثر تھا کہ علامہ ابونصر فارابی مرتے دم
تک سیف الدولہ کے دربار مین رہے ۔ اور سیف الدولہ ہی نے اُنکے جنازے
کی نماز پڑھائی ۔ حکیم ابن سینا بھی اس فن کا اتنا بڑا باکمال تھا کہ شہنائی اُسی کی ایجاد ہے ۔

عربون نے بھی یونانیون کی طرح اس بات کی کوشش کی کہ فن موسیقی کو
تحریر مین لائین ۔ سُرون اور گلے کے دیگر خصائص نغمہ کے اظہار کے لیے کسی
خاص خط کے ایجاد کرنے کی طرف تو اُن کا خیال نہین گیا مگر سُرون کو سرود
کے تارون اور اُن کے ساتھ اُنگلیون کے تعلقات کا لحاظ رکھ کے اُنھون
نے اپنے تصانیف مین دُھنون کو اس طرح بتانا چاہا کہ مثلاً "ثقیل اول"

باسبابۃ فی مجری البنصر" (ثقیل ہے اور اول۔ بیچ کی انگلی سے گر چھنگلیا کے برابر والی انگلی کی چال میں) اسی طرح کی بیسیوں اصطلاحیں ہیں جن کو ہم اور ہمارے زمانے کے لوگ مطلقاً نہیں سمجھ سکتے۔ حالانکہ عربی کی جو ہزارہا دھنیں ان اصطلاحوں میں بتائی گئی ہیں اُن سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ افسوس اُن سے ہمارے موجودہ موسیقی دان فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ خلافت عباسیہ کے ساتھ ہی عربوں کی موسیقی بھی مٹ گئی۔ کیونکہ جس طرح مسلمانوں نے اپنے قرون اولیٰ کے تمام فنون کو آخر تک محفوظ رکھا تھا اپنی پرانی موسیقی کو وہ نہ بچا سکے۔ جو تھوڑی بدنصیبی کی بات نہیں ہے۔

اصل یہ ہے کہ موسیقی خالص عملی فن ہے۔ اور اس کا تعلق بہت کچھ ہر قوم کی زبان۔ لہجے اور اُس کے مخارج و اصوات سے اور اس سے بھی زیادہ اُس قوم کے گلے کے خصائص اور انکے مذاق و عادات کے ساتھ ہوتا ہے۔ زبان لب و لہجہ۔ مخارج اور ذوق و عادات کے چھوٹنے کے ساتھ ہی موسیقی بھی چھوٹ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان عرب سے نکلنے کے بعد جہاں گئے اپنے مذہب اور اپنے تمام علوم و فنون کو تو ساتھ لیتے گئے مگر موسیقی کو نہ لے جا سکے۔ ایران میں پہونچ کے جب وہ فارسی بولنے لگے تو اُن کی موسیقی بھی وہی ہوگئی جو ایران میں فارسی بولنے والوں میں مروج تھی۔ اور جب ہندوستان میں آ کے ہندی بنے تو عربی موسیقی بالکل خواب و خیال ہوگئی اور ہندؤں کی موسیقی اُن کی موسیقی بن گئی۔

شاعری کا فن بھی اسی قسم کا ہے۔ مگر چونکہ اُس کا بہت کچھ حصہ خیالات و تشبیہات سے وابستہ ہے۔ اس لیے مسلمان جہاں گئے اپنی شاعری کو ساتھ لیتے گئے۔ مسلمانوں کے زمانے کی فارسی شاعری دراصل عربی شاعری ہی کا ایک نمونہ ہے۔ جس میں باستثنائے چند جملہ تشبیہات و استعارات عربی سے ماخوذ ہیں۔ اور یہی حال ہماری اُردو شاعری کا ہے جو آج تک زیادہ تر عربی ہی کا ایک ضمیمہ ہے۔ مگر عربی موسیقی نہ ایران تک آ سکی اور نہ ہندوستان میں پہونچ سکی۔ اگر موسیقی کے لیے کوئی ایسا خط ایجاد ہو جاتا جس میں ہر دنیا

مخارج کے لحاظ سے نہین بلکہ اپنے مختلف سُرون اور گھٹنے بڑھنے کے اعتبار سے نقوش مین ادا کیجا سکتین۔ اور تانون - پینڈون اور گٹکری وغیرہ گلے کے مخصوص حرکات کی بنا پر علامات تحریری قائم کر دیے جاتے تو شاید عربی موسیقی ایسی تحریر مین آجاتی جو آج تک بتا سکتی کہ اُن کے موسیقی کے کیا اصول تھے اور وہ کس وضع کی تھی۔

ہندوستان مین مسلمان عربی و ایرانی موسیقی کو کلیتہً بھول گئے اور انھین اپنے پرانے نغمون کے عوض سنسکرت کا ایک ایسا مکمل فنی موسیقی مل گیا جو بہ اعتبار اپنے قدیم اصول اور اپنی وسعت کے ساری دنیا کے موسیقی سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے - یہ موسیقی جو ہندؤن کی صحبت ہائے عیش اور اُن کی عبادتون کی جان تھی چندہی روز مین راجاؤن کی سبھاؤن سے مسلمان بادشاہون کے دربار مین - اور ہندؤن کے مندرون سے مسلمان صوفیون کی محفل حال وقال مین پہونچ گئی - اور آخر دولت مغلیہ کے عروج کے زمانے مین خود مسلمانون مین سے ہندی موسیقی کے ایسے ایسے باکمال پیدا ہو گئے کہ اُن کے سامنے پرانے ہندو گویّون کی شہرت مٹ گئی - اور جن کے گانے کے کمالات آج قومی روائتون مین کرامات و معجزات کی شان سے بیان کیے جاتے ہین- اور نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہندوستان کی موسیقی کا فن زیادہ تر مسلمانون ہی مین ہے- اور بڑے بڑے مشہور گویّے سب مسلمان ہین-

ہندی موسیقی کی تفصیل بتانے کے لیے اِس وقت ہمارے پاس کافی گنجائش نہین ہے جس کسی کو شوق ہو فارسی کی کتاب "اصول النغمات الآصفیہ" اور راجہ نواب علی خان صاحب کی کتاب "معارف النغمات" کو مطالعہ کرے-

رومیون کے بعد یورپ کی موسیقی مدتون تک نہایت ہی ابتر حالت مین رہی - عیسائیون نے چونکہ بت پرستون کی تمام باتون کو اختیار کر لیا تھا اسلیے موسیقی کو بھی روم کے پرانے بت خانون کی طرح اپنے معبدون اور گرجاؤن مین مروّج کر دیا - مگر اُنکی ابتدائی زمانے کی موسیقی ہمارے ڈفالیون کے گانے سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی - ۳۸۶ء مین شہر ملان کے اُسقف

سینٹ امبروس نے یہ دیکھ کے کہ گرجون کی موسیقی بالکل بے اصول اور پراگندہ ہے اصلاح کی طرف توجہ کی اور وہ خاص دُھن ایجاد کی جو امبروسین چانٹ (نغمۂ امبروس) کے نام سے مشہور ہے۔ پوپ گریگوری کے مرنے کے بعد جو سنہ کا واقعہ ہے اس بات کی کوشش شروع ہوئی کہ موسیقی کی دُھنون کو کسی طریقے سے قلمبند کیا جائے۔ مگر اس زمانے مین جو خط موسیقی ایجاد کیا گیا اُس کا لکھنا چاہے آسان ہو مگر گاتے وقت اُس کا لحاظ رکھنا اور اُس پر عمل کرنا بہت ہی دشوار تھا۔ اسلیے کہ ہمارے یہان جس طرح بعض لوگون نے سُرون کے نامون کے پہلے حرف یا ٹکڑے لکھ دیے ہین وہان بھی لکھ دیے جاتے تھے۔ مثلاً سرگم کی جگہ س یا سر۔ رکھب کی جگہ ر یا رکھ۔ گندھار کی جگہ گ یا گن۔ یہ تحریر کسی حد تک دُھنون کو محفوظ ضرور کر سکتی تھی مگر گانے والے گاتے وقت اُن سے مطلق فائدہ نہ اُٹھا سکتے تھے۔ اور آواز کے دیگر خصائص تو مطلقاً نہین معلوم ہو سکتے تھے۔

دسوین صدی کے آخر مین اس تحریر کو من جمیع الوجوہ ناقص دیکھ کے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا گیا۔ اس مین سُرون کے شمار کے لحاظ سے سات متوازی خطوط قایم کیے جاتے۔ نغمہ کا خط اُن مین لہراتا ہوا چلتا اور گلا جس سُر پہ پہونچتا اسی سُر کی لکیر پر پہونچا دیا جاتا۔ اور اس کے ساتھ گلے کے دیگر خصائص و حرکات نقطون اور خطون کے اشارے سے بتا دیے جاتے۔ اس خط نے موسیقی کی تحریر بہت آسان کر دی۔ لیکن ۱۰۲۲ء مین جب پوپ بنی ڈکٹ ہشتم کا زمانہ تھا اس خط موسیقی مین اور بہت سی ترقیان اور اصلاحین ہوئین۔ چنانچہ اسی زمانے مین پادریون کے بنی ڈکٹن گروہ کے ایک راہب نے جو علاقۂ ٹسکانی کے ایک گمنام گاؤن آرزّو مین پیدا ہوا تھا اور گوئی ڈو کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ساتون خطوط متوازی کا شمار سات سے گھٹا کے چار ہی کر دیا۔ اس لیے کہ چار خطوط اور اُن کے درمیان کی تین خلاؤن سے بل کے سات مقامات قایم ہو سکتے تھے۔ اس مین چونکہ خطوط کی درمیانی خلا سے بھی کام لیا گیا تھا اس لئے نقطون اور آڑے خطون کے علامات

دنشانات اُن خطون کے درمیان مین بھی قایم کر دیے جاتے ۔ یہی طرز تحریر موسیقی آج تک یورپ مین مروج ہے ۔ اور وہان کے تمام موسیقی کالجون مین اسی خط موسیقی کی تعلیم دی جاتی ہے ۔ اور اگرچہ اس اعتراض کا جواب نہین کہ سنسکرت کی قدیم مکمل وباضابطہ موسیقی سے غافل رہ کے یورپ والون نے اپنے آپ کو ایک بڑے علمی ذخیرے سے محروم و بے بہرہ رکھا ہے لیکن اس مین شک نہین کہ یورپ مین فی الحال ہر حیثیت سے موسیقی کو بڑی ترقی ہو رہی ہے اور گلے بازی اور آلات طرب دونون چیزون مین روز ممالک ارض سے بڑھتے جاتے ہین ۔

ہمارے یہان بھی اب موسیقی جاہل مغنیون سے نکل کے پڑھے لکھے اور شائستہ لوگون مین آنے لگی ہے ۔ بعض علما نے اُس کے جواز کے فتوے دیے ہین ۔ اور ہندو ون نے بھی اپنے قدیم موسیقی کو نئے سرے سے سنبھالنا اور اس مین از سر نو جان ڈالنا شروع کر دیا ہے ۔ ایسی حالت مین تعجب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے موسیقی کے تحریر مین لانے کی اس وقت تک مطلقاً کوشش نہین کی گئی ۔ جبکہ اُردو کا نیا "شارٹ ہینڈ" خط بھی ایجاد ہوگیا تو تعلیم یافتہ شایقین موسیقی کی کوشش و توجہ سے کسی مکمل خط موسیقی کا ایجاد ہونا ہماری موسیقی کی ترقی کے لیے لازمی اور ضروری ہے ۔ ہم امید کرتے ہین کہ ہمارے احباب اس کمی کو جلد پورا کرین گے ۔

فلینڈرس کی ایک کہانی

ہر قوم اور ہر ملک مین کچھ ایسی داستانین موجود ہین جن کو یہ وقعت تو نہین حاصل ہے کہ صفحات تاریخ مین لکھی جائین ۔ مگر اکثر تاریخ کا ماخذ ایسی ہی کہانیان اور اسی قسم کے قومی گیت ہوتے رہے ہین جو پشتہا پشت سے چلے آتے ہین اور قوم کا کوئی فرد نہین جو انکو نہ جانتا ہو ۔ حروب صلیبیہ کی تاریخ کا بھی ایک معتدبہ حصہ اسی طرح کے قومی نغمون اور

سے لیا گیا ہے - لیکن اِسے ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ ایسی کہانیون مین غیر حملہ آورون کی عظمت دکھانے کے بعد خاتمہ ہمیشہ اپنی کامیابی ہی پر کیا جاتا ہے اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ انجام غلط ہوتا ہے اور آغاز صحیح - اسی قسم کی ایک کہانی یورپ کے علاقۂ فلینڈرس مین جو مملکت ہالنڈ مین واقع ہے بہت مشہور ہے اور ایسی ہے کہ اُسے مسلمان بڑی دلچسپی سے سنین گے - ہالنڈ کا بچہ بچہ تو صدیون سے جانتا چلا آتا ہے اب دلگداز کی زبان سے اُسے مسلمانان ہند کے بچے بھی سُن لین -

جب عربون نے یورپ پر حملہ کیا اور اندلس اور فرانس کے غالب حصہ کو فتح کر کے اُنکی فوجین خشکی یا دریا کے راستے سے شہر اینٹ ورپ تک پہونچ گئین تو اس زمانے مین اس شہر کا حاکم بڈرین نام ایک شخص تھا اینٹ ورپ آج کل کی طرح اُس زمانے مین بھی ایک بہت بڑا شاندار شہر تھا - کیونکہ شمالی یورپ کے تمام اندرونی ممالک کی تجارت اسی شہر کے ذریعے سے ہوتی تھی - سب مال جہازون کے ذریعے سے یہین آتا تھا اور یہان سے تمام اندرونی ممالک مین بھیجا جاتا تھا جس کی وجہ سے اس شہر کی بڑی وقعت اور شہرت تھی - لیکن پورے ملک پر کوئی مستقل حکومت نہ تھی - ہر شہر اور ضلع مختلف زمیندارون کے ہاتھون مین تھا جو وہان کے حاکم اور تمام سیاہ و سفید کے مالک تھے - عربون نے بہت ہی آسانی سے اینٹ ورپ کو فتح کر لیا اور بڈرین کو اپنی جان بچانے کے لیے شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑا - اُس نے ایک قریب کے شہر مین پناہ لی جہان کا حاکم اور شخص تھا - بڈرین نے اُس سے اور آس پاس کے تمام حاکمون سے امداد چاہی کہ عربون سے لڑے گر عربون کی ہیبت ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کسی نے اُن سے بگاڑ مناسب نہ جانا اور کسی نے بھی مدد دینے کی حامی نہ بھری - بڈرین اگرچہ بالکل بے دست و پا اور مجبور تھا مگر دل سے اپنے شہر کی محبت نہ گئی - بھیس بدل کے اینٹ ورپ مین آیا - اور وہان کے لوگون کو عربون کی مخالفت پر اُبھارنے لگا - مگر سب کو لڑائی کی مصیبتین یاد تھین - کوئی آمادہ نہ ہوا قطع

نظر اس کے عربون کی حکومت مین انکو کوئی تکلیف بھی نہ تھی - بلکہ پہلے سے زیادہ آرام اور اطمینان حاصل تھا - اسی اثنا مین ایک روز بڈرتین امینٹ ورپ کے گلیون مین پھر رہا تھا کہ کسی عرب سپاہی کو اُس پر جاسوس کا شبہ ہوا - اور اُسے گرفتار کر لیا - اور اسی عدالت کے مکان مین مجرمون کی طرح بیچ کے کٹھرہ کر دیا جس مین سال ڈیڑھ سال پہلے کا ذکر ہے کہ یہ خود بیٹھ کر انصاف کیا کرتا تھا - اس نے جو اظہار دیا وہ بالکل کافی تھا کیونکہ ایسے چال چلن کی صفائی مین کوئی شخص کوئی شہادت بھی نہ پیش کر سکتا - مگر عربون نے بھی اس کے متعلق کچھ زیادہ غور نہین کی - اس لئے کہ اول تو ان دنون انھین کسی زبردست حریف کا اندیشہ نہ تھا اور دوسرے یہ بات تھی کہ بڈرتین کے خلاف اس الزام کا صریحی ثبوت بھی اُن کے پاس موجود نہ تھا - بس اتنا ہی حکم کافی سمجھا گیا کہ وہ شہر بدر کر دیا جائے ؛

مسلمانون نے تو اسے اس حکم کے مطابق شہر کے باہر کر کے چھوڑ دیا - جونہی نظر سے غائب ہوتے ہی اُسے اتفاقاً اپنے چند پرانے رفیق مل گئے جو اسے دیکھ کے بہت خوش ہوئے - اور ہر طرح اُس کی خدمت و رفاقت کو آمادہ ہوگئے - اس کو بھی اپنے شہر سے بہت انس تھا اور کسی طرح اُسے چھوڑ کے جانے کو جی نہ چاہتا تھا - فصیل کے باہر ہی ایک پوشیدہ مقام مین رہنے لگا اور وہ رفیق بھی اُس کے ساتھ تھے - بہت دنون تک یہ لوگ سوچتے رہے کہ کس طرح شہر پہ دوبارہ قبضہ کیا جائے - مگر کوئی تدبیر بن نہ پڑی - سب تدبیرون سے عاجز آ کے بڈرتین نے ایک سُرنگ کھودنی شروع کی - اور چند روز مین اُس نے اور اُس کے رفیقون نے رات دن محنت کر کے سُرنگ کو فصیل کے قریب پہونچا لیا - اس سُرنگ کے کھودنے مین اصلی مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا خفیہ راستہ بنا لین کہ شہر کے پھاٹک بند کے بند رہین اور اُسکے ذریعے سے پوری فوج شہر مین داخل ہو جائے -

مگر اب فوج کہان سے لاتے ؟ اسی فکر مین تھا کہ معلوم ہوا سلطنت فرانس کی ایک زبردست فوج اینٹ ورپ کے قریب سے گزرنے والی ہے جو

کسی دور کی مہم پر جا رہی تھی۔ اُن لوگون کا قصد اس شہر کی طرف آنے کا نہ تھا کیونکہ شہر کی فصیل بہت مضبوط تھی اور عربون سے مقابلہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ مگر بڈرمین اُس فوج کے افسر سے ملا اور سمجھایا کہ مین بغیر کسی مزاحمت کے تم کو شہر کے اندر داخل کرا دون گا۔ پہلے تو اُسے اُس کے کہنے کا یقین نہ آیا۔ مگر جب اُس نے افسر کو لیجا کے وہ خفیہ سُرنگ دکھائی اور بتایا کہ صرف آدھ گھنٹہ کی محنت مین یہ سُرنگ خاص حاکم کے محل کے اندر نکلے گی، تو وہ اینٹ ورپ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ ہوگیا۔

عربون کو اس کی بالکل خبر نہ تھی کیونکہ کسی کو وہ خُفیہ راستہ نہین معلوم تھا۔ فرانسیسی فوج جب اس شہر کی طرف بڑھی تو عربون نے شہر سے باہر نکل کے مقابلہ کرنا چاہا۔ مگر باہر نکل کے اپنی صفین ہی درست کر رہے تھے اور لڑائی ابھی جاری ہی نہین ہونے پائی تھی کہ شہر سے شور و غل کی آواز بلند ہوئی۔ پیچھے پھر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ شہر کے اندر لڑائی ہو رہی ہے۔ اور فرانسیسی فوج کا ایک حصہ شہر مین داخل ہو کے اُس پر قابض ہوگیا ہے۔ ایسی حالت مین ان سے کیا بن پڑ سکتا تھا۔ مگر ہمت ہارنا اور ہتھیار رکھنا اُنکی شان سے بعید تھا۔ ہزار مایوسی تھی مگر جان توڑ کر لڑنے لگے۔ اور سب نے بڑی شجاعت و ناموری کے ساتھ خوشی خوشی اور ذوق و شوق سے شربت شہادت پی لیا۔ اس طریقے سے فلینڈرس مین صرف پانچ ہی برس کے بعد مسلمانون کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

فرانسیسیون نے بڈرمین کو پھر وہان کا حاکم تو بنا دیا مگر وہ پہلی آزادی نہ نصیب ہو سکی۔ کیونکہ فتحیابون نے اُسے حاکم بھی بنایا تو اپنا غلام اور ماتحت بنا کے رکھا۔

چاہ کن را چاہ درپیش

یہ مثل تو ہمیشہ سے مشہور ہے۔ مگر جس عجیب اور انوکھے طریقے سے یہ فارسی

ے قدیم زبردست شاعر کمال الدین اسمٰعیل اصفہانی پر منطبق ہوئی خدا نہ کرے کہ کسی اور پر منطبق ہو۔ کمال الدین موصوف دولتمند تھے معزز تھے ہر دلعزیز تھے۔ حسب و نسب کے اعتبار سے بھی نہایت محترم تھے۔ اہل ذوق اُنکے کمال شاعری کے بھی نہایت معترف تھے یہان تک کہ اُنھین مقبولیت عامہ کے دربار سے "خلاق المعانی" کا خطاب ملا تھا۔ لیکن کسی موقع پر اُنھین اہم وطنون سے صدمہ بھی پہنچ گیا شاعر نازک خیالی کے ساتھ نازک مزاج بھی ہوتے ہین۔ آپ نے اس پہ بگڑ کے اہل اصفہان یعنی ابنائے وطن کے حق مین بد دعا کی اور یہ قطعہ کہا۔

اے خداوند ہفت سیّارہ ۔۔۔ بادشاہے فرست خونخوارہ
تا در و دشت را چو دست کند ۔۔۔ جُوے خون اندر و زخو بارہ
عدد مردمان بیفزاید ۔۔۔ ہر یکے را کند و صد پارہ

خدا جانے کس گھڑی یہ بد دعا کی تھی کہ چند ہی روز مین پوری ہو گئی۔ اور چنگیز خان کے بیٹے اُقتائی خان کا تاتاری لشکر آ پہونچا۔ اہل اصفہان تاب مقاومت نہ لا سکے۔ اور تاتاریون نے شہر مین گھس کے قتل عام کا حکم دیدیا ہمارے "خلاق المعانی" صاحب کو جانبری کی کوئی صورت نہ نظر آئی تو فقیری لباس کر کے اصفہان سے نکلے اور شہر کے باہر ایک خانقاہ مین بیٹھ کے اللہ اللہ کرنے لگے۔ تاتاریون کے غول اُدھر سے گزرتے اور اُنھین تارک الدنیا درویش خیال کر کے چلے جاتے۔ اتفاقاً کسی مغل بچے (تاتاری لڑکے) نے یہان قریب کسی طائر کو دیکھ کے شکار کرنا چاہا۔ اور کمان مین تیر رکھ کے چاہتا تھا کہ اُس طائر کو اُڑا دے کہ کمان ہاتھ سے چھوٹ کے کنوئین مین جا پڑی جو اسی خانقاہ کے متعلق تھا۔ لڑکا کمان نکالنے کے لیے کنوئین مین اُترا۔ اور اپنی کمان لی مگر اندر جا کے اُسے معلوم ہوا کہ کنوئین مین بہت سا مال و اسباب اور سامان دولت پڑا ہوا ہے جیسے کوئی شہر والا تاتاریون کی دست بُرد سے بچانے کے لیے اُس کنوئین مین ڈال گیا تھا۔ تاتاریون کو جیسے ہی اُس کا پتہ لگا سمجھے کہ یہی درویش صاحب جو فقیر بنے بیٹھے ہین۔ اپنا مال و اسباب کنوئین مین ڈال کے خود فقیر بنا کے ہین۔ اس خیال کا پیدا ہونا تھا کہ سیکڑون

تاتاری وحشی خانقاہ مین گھس پڑے اور انھین اُن کے سجّادے ہی پر قتل کرڈالا - یون خلّاق المعانی کمال خود اپنی بد دعا کا نشانہ بنے۔ اُسی کنوئین مین گرے جسے ہم وطنون کے لیے کھودا تھا۔ اور جو تمنا اہل اصفہان کے لیے کی تھی ایسی تکمیل کے ساتھ پوری ہوئی کہ خود بھی نہ بچ سکے -

---

عبداللہ بن ابی بکرؓ صدیق

عشاق عرب مین یون تو بڑے بڑے مشہور نام موجود ہین مگر اوّلیت کا تاج عبداللہ بن ابی بکر کے محترم سر کے ساتھ مخصوص ہے جن کا محبت بھرا چہرہ صبح اسلام کے نمودار ہوتے ہی دنیا کو نظر آیا تھا - عبداللہ ممدوح حضرت ابوبکر صدیق کے فرزند دلبند تھے اور اُن خوبرو و صاحب جمال جوانان قریش مین تھے جن کی آنکھین آفتاب اسلام کے طلوع ہوتے وقت سے ہی کھل گئین - چونک کے اُٹھے - سچّے ہادی برحق کی پُراثر آواز سن کے خدائے واحد ذوالجلال پر ایمان لائے - اور صحابہ کے محترم گروہ مین شامل ہوگئے -

جس وقت حضرت رسالت (روحی فداہ) نے اعزّا اور اہل وطن کے مظالم سے تنگ آکے اور جان سے ہاتھ دھو کے حرم ربانی کو چھوڑا اور گھر بار کو خیر باد کہی ہے اُسوقت عبداللہ کا عنفوان شباب تھا اور مسین بھیگتی تھین - تین دن جب تک اُن کے پدر بزرگوار اور حضرت رسول خدا صلعم غار ثور مین رہے معمول تھا کہ روز رات کو سب کی آنکھ بچا کے غار مین آتے دونون بزرگون کے لیے کھانا لاتے - قریش اور اہل مکہ کے حالات اور اُن کے ارادون سے آنحضرت کو مطلع کرتے - اور رات کو وہین غار مین پڑ رہتے - صبح تڑکے پھر مکہ مین واپس چلے جاتے - اس کے بعد جب یہ پہلے دونون داعی الی الحق مہاجر غار سے نکل کے عازم مدینہ ہوئے تو عبداللہ کا دل برابر اُن مین لگا رہا - ایک ایک سے جا جا کے خبر پوچھتے کہ ہمارے مظلوم مفرور کہان ہین - یہان تک کہ عبداللہ بن اریقط دیلی سے جو ارض یثرب سے آتا تھا مژدہ سنا یا کہ دونون بزرگ خیریت کے ساتھ مدینے پہونچ گئے - یہ سنتے ہی عبداللہ بن ابی بکر نے سفر کی تیاریان کر دین - اور دو چار ہی روز بعد اُن بزرگون سے جا ملے -

ہجرت کے آغاز میں عبداللہ موصوف جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اپنے [illegible] نوجوان
[illegible] کی جوانی مسلمانوں کی نظر کے سامنے شباب [illegible] کی [illegible] کر رہی تھی۔ اور زمانہ
[illegible] طرح [illegible] کو پہنچنا [illegible] حسن بھی [illegible] کر رہا تھا [illegible] کی
[illegible] بیوی [illegible] عاتکہ [illegible] ویسی ہی صاحبِ حسن و جمال
تھیں جیسے [illegible] نہایت ہی [illegible] اور اس کا
لازمی نتیجہ تھا کہ دونوں میں حد سے زیادہ محبت پیدا ہو گئی [illegible] محبت
[illegible] عشق کے درجے تک پہنچ گئی۔ جس سے [illegible] دین و دنیا کے صحبت
[illegible] سارے معاملات [illegible] بلکہ دین و دنیا سے بے خبر [illegible] نکاح
بعد ایک ہی سال [illegible] یہ حالت ہو گئی کہ عبداللہ کو کسی [illegible] ہوش نہ تھا۔
عبداللہ اور حضرت صدیق کے [illegible] کا ذریعہ کسبِ معیشت تجارت تھی
[illegible] شام [illegible] جب مدینے میں آتے تو اکثر [illegible] دو [illegible]
[illegible] لین دین کر لیا کرتے [illegible] شام کا قافلہ آیا۔ لوگ کاروبار میں
[illegible] ہوئے۔ اور مال کا مبادلہ مناسب نرخ پر ہونے لگا۔ عبداللہ بن ابی بکر کو اس کے
[illegible] کی خبر ہوئی۔ [illegible] کے لیے گھر سے نکلے مگر [illegible] دو ہی قدم گئے تھے کہ
معشوقہ کی تمثال کی صورت نظر کے سامنے آگئی۔ اور کہا اب کون جائے؟ ذرا
[illegible] کا [illegible] جہاں [illegible] تو دیکھا [illegible] فوراً عاتکہ کے پاس واپس آگئے۔ اور معشوقہ
[illegible] ادا کی باتوں میں ایسے مصروف ہوئے کہ تجارتی قافلہ [illegible] چلا گیا اور
[illegible] تمثال کے [illegible] دنیا ہی میں بیٹھے رہ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس
[illegible] کو دیکھا مگر خاموش ہو رہے۔ اور خیال کیا کہ عبداللہ نے اگر کاروبار میں غفلت
کی تو کچھ اپنا ہی بگاڑا۔ [illegible] کیا نقصان ہوا؟ اور یہ تجربہ شاید آئندہ کے لیے
[illegible] میں احتیاط پیدا کر دے۔

اس کے چند روز بعد ایک جمعے کو حضرت صدیق نمازِ جمعہ پڑھ کے گھر میں واپس
آئے تو دیکھا کہ صاحبزادے معشوقہ کے پاس بیٹھے ہیں۔ اور اس کی باتوں میں اس قدر
[illegible] کہ دین و دنیا کی خبر نہیں۔ پوچھا "عبداللہ! تم نے جمعہ کی نماز بھی پڑھی؟"
عبداللہ نے نشۂ عشق سے چونک کے پوچھا "کیا نماز ہو گئی؟" یہ جواب سنتے ہی حضرت

صدیق دم بخود رہ گئے۔ دل میں کہا "عشق نے پہلے تو اسے فقط دنیا سے بیخود رکھا تھا مگر اب یہ دین کی طرف سے بھی غافل و بے پرواہ ہے" یہ ایسی بات نہ تھی جس کو حضرت صدیق کا سا سچا حق پرست صحابی ایک گھڑی کے لیے بھی برداشت کرسکتا۔ فوراً بیٹے کے ساتھ کہا "عاتکہ کی الفت نے تمھیں تجارت سے غافل کیا اور میں نے اُس کی کچھ پروا کی بلکہ ایک کلمہ بھی زبان سے نہ نکالا لیکن اب اس الفت نے تمھیں نماز کی طرف سے غافل کردیا جو ایک گھڑی کو بھی قابل درگزر نہیں۔ لہذا اس کی سزا یہ ہے کہ اسی وقت عاتکہ کو طلاق دو" یہ بزرگوار کا یہ حکم نہ تھا تیر تھا کہ یکایک دل و جگر دونوں میں ترازو ہوگیا۔ سعادت مند بیٹے تھے عذر و انکار کی مجال نہ تھی۔ اس کی بھی جرأت نہ ہوئی کہ باپ کے سامنے زبان سے اُف کا کلمہ زبان سے نکالیں یا آنکھوں سے اشک حسرت کا کوئی قطرہ ٹپکے۔ صبر کی سل سینے پر رکھی۔ بے عذر و حجت معشوقۂ نازنین سے دست بردار ہو کے اُسے طلاق دے دی۔ اور باپ سے چھپ کے کونے میں جا کے رونے لگے۔ اُدھر غریب عاتکہ بھی جس کے دل میں عبداللہ کے سوا کسی کا خیال نہ آسکتا تھا جانباز شوہر سے چھٹنے کے غم میں خون کے آنسو بہاتی ہوئی الگ جا بیٹھی کہ اب عبداللہ سے سروکار ہی نہیں رہا۔

اس طلاق کے روزِ قیامت کے بعد جب شام ہوئی تو عبداللہ کی یہ حالت تھی کہ بچھونے پر اس طرح تڑپتے تھے جیسے کوئی انگاروں پر لوٹتا ہو۔ کروٹ پر کروٹ بدلتے اور کسی پہلو پر قرار نہ آتا۔ بار بار رو رو کے اپنے چند اشعار پڑھتے اور کلیجہ تھام کے رہ جاتے۔ ان شعروں میں سب سے پچھلا شعر یہ تھا۔

فَلَمۡ اَرَ مثلی طَلَّقَ الیومَ مثلَها ولا مثلُها فی غیرِ شیٔ یُطَلَّقُ

(تو میں نے نہ اپنا سا کوئی عاشق دیکھا ہے کہ اُس کی سی (مہ جبین) کو آج طلاق دے دی اور نہ اُس کی سی نازنین کو سوا اس کے اور کسی بات پر طلاق دی جاتی ہے) اتفاقاً جس جگہ عبداللہ بیتاب ہو ہو کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے اُس کے قریب ہی کے کوٹھے پر ابوبکر صدیق نماز پڑھ رہے تھے۔ بیٹے کی اس حالت اور آہ و زاری نے اُن کے دل پر بڑا اثر کیا۔ بہت ہی متاثر ہوئے۔ اپنے پہلے حکم پر پچھتائے اور فوراً بیٹے کے پاس آکے کہا "تمھاری یہی حالت ہے تو مجبوری ہے۔ خیر جاؤ

عاتکہ سے پھر نکاح کر لو" طلاق بائن تھی نہین اور دلہا دولھن دونون مین صدمہ فراق برداشت کرنے کی تاب نہ تھی لہذا دوبارہ نکاح مین کوئی دشواری نہین پیش آئی فوراً نکاح ہوگیا اور خدا اُنے دلدادہ عاشق ومعشوق کو تھوڑی دیر کے لیے ہجر و فراق کا مزہ چکھا کے پھر ملا دیا۔ اور پھر وہی پہلی سی ناز و نیاز کی پُر لطف زندگی گزرنے لگی۔

اب ایک دن عبداللہ نے جوش محبت مین اپنا ایک باغ پیاری معشوقہ عاتکہ کے نام لکھ دیا۔ اور اُس کا معاوضہ یہ قرار دیا کہ "میرے بعد تم جیتی جیا کسی اور سے نکاح نہ کرنا" اس شرط کو عاتکہ نے قبول کیا اور دونون بہت ہی عیش وکامرانی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور گو کہ عبداللہ حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ غزوہ حنین اور فتح مکہ مین موجود تھے اور بہادری سے لڑے مگر خدا نے دونون مرتبہ چشم زخم حوادث سے بچایا۔ فتح مکہ کے بعد جب عبداللہ علم رسالت کے ساتھ غزوہ طائف مین گئے تو زمانے کی بے رحمیون سے نہ بچ سکے۔ بعض کہتے ہین کہ کوئی تیر آکے لگا۔ اور بعض کا بیان ہے کہ کوئی پتھر ایسا لگا کہ سخت زخمی ہوئے۔ اس مین شک نہین کہ یہ زخم کاری ہونے پر بھی اچھا ہوگیا۔ مگر اس کا اس قدر اثر باقی رہ گیا تھا کہ زندگی کی بہت ہی کم امید تھی اسی اثنا مین آنحضرت صلعم نے سفر آخرت کیا۔ اتفاقاً آپ کو حیرہ کی دو چادرون کا ایک کفن پنہا کے کسی مصلحت سے اُتار لیا گیا اور دوسرے کفن مین دفن ہوئے۔ عبداللہ نے وہ پہلا کفن لے کے رکھ لیا کہ "یہ کپڑا چونکہ حضرت سرور عالم کے جسم اطہر کو مس کر چکا ہے اس کو مین اپنا کفن بناؤن گا" مگر پھر رائے پلٹ گئی۔ اور کہا "جس کپڑے کو خدا نے اپنے رسول کے لیے نہین پسند کیا اُسے مین بھی نہین پسند کرتا" آنحضرت کی وفات کے بعد عبداللہ کے اُس طائف والے زخم نے بہت طول کھینچا جس سے جانبر نہ ہو سکے اور آنحضرت صلعم کی وفات کے چالیس ہی روز بعد سفر آخرت کیا۔

پیارے شوہر کی موت کا عاتکہ کو بیحد صدمہ ہوا۔ انکے مرثیے مین چند شعر کہے جن مین انکی شجاعت کی بھی تعریف کی ہے۔ اور قسم کھائی ہے۔ کہ "اب میری آنکھ ہمیشہ اشکبار رہے گی اور میرا بدن ہمیشہ خاک آلود رہے گا" مگر اُن دنون اہل عرب

کا مذاق قائم رہ رہا [illegible] کی اجازت ہے ایسا تھا کہ اگر کوئی عورت [illegible]
[illegible]
[illegible]
کی حیثیت [illegible]
حضرت علی سے [illegible]
[illegible]
[illegible]
تو عائشہ [illegible] کو قبول کر لیا [illegible] عقد ہو لیا [illegible]
بعد حضرت علی کے [illegible] میرے [illegible]
ہوں گے اور [illegible]
جواب [illegible] خاموش [illegible]
[illegible]
[illegible] تو حضرت علی نے [illegible]
[illegible]
[illegible]
ہو گئیں [illegible]
ہوئے [illegible] نکاح [illegible]
لیکن حضرت عائشہ [illegible]
نہ کیا ۔ اور حضرت ام [illegible]
جواب میں آپ نے کہا بھیجا [illegible] کہ [illegible]
خاندان کی بہو ہوں گی ۔ [illegible] کی زندگی [illegible]
کر پھر تاریخ میں نام [illegible]

حضرات ۔ [illegible]

تو مہربانیاں اسکے [illegible] آنے کے خریدار [illegible] دلگداز کی خدمت میں [illegible] ہوں گے ۔ [illegible]
[illegible] اطلاع [illegible] دی جائے گی ۔ جو صاحب نہ لینا چاہیں منع فرمادیں ۔ منیجر

تمام تصانیف مولانا شرر اور مطبع دلگداز کی دوسری کتابین

تصنیفات مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

تاریخ و سیر وغیرہ

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات۔ عہ

(۲) ابوبکر شبلی۔ حضرت شیخ شبلی کے حالات۔ عہ

(۳) تاریخ سندھ۔ سندھ کی مکمل تاریخ اردو مین قیمت جلد اول ۔ جلد دوم ۔ . . . .

(۴) حروب صلیبیہ۔ مصنفہ مسٹر کاکس کا ترجمہ

(۵) تاریخ بغداد۔ مرکز خلافت عباسیہ قیمت

(۶) ملکہ زنوبیہ۔ ایک عرب نژاد ملکہ . . . . .

(۷) خواجہ معین الدین چشتی۔ . . . .

(۸) الحکم الرفاعیہ مصنفہ شیخ احمد رفاعی کا ترجمہ

(۹) آغائی صاحب رئیس لکھنؤ مرحوم کے حالات۔ عہ

(۱۰) سکینہ بنت حسین۔ جناب سکینہ کے حالات

(۱۱) سر سید کی دینی برکتین۔ . . . .

ناول

(۱۲) حسن کا ڈاکو۔ سب سے نیا اخلاقی ناول حصہ اول حصہ دوم

(۱۳) زوال بغداد۔ شیعہ سنیون کا جھگڑا اور نسل عباسیہ کا خاتمہ

(۱۴) غیب دان دلہن۔ پاکدامن اور عفیفہ اور قابل دلہن کی کہانی۔ اسکی حیرت انگیز غیب دانی۔ . . .

(۱۵) ماہ ملک۔ مولانا کا نیا اور اچھوتا ناول۔

(۱۶) یوسف نجمہ کامل۔ جگ بیتی نہین آپ بیتی

(۱۷) شوقین ملکہ۔ پہلی اور دوسری صلیبی لڑائیان

(۱۸) فتح اندلس۔ اسپین پر دولت کا حملہ

(۱۹) مقدس نازنین۔ ایک رومی کا سچا عشق

(۲۰) ملک العزیز ورجنا۔ تیسری صلیبی لڑائی

(۲۱) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کے حالات۔ دو حصہ

(۲۲) فردوس بریں۔ جیتے جی جنت کی سیر

(۲۳) حسن انجلینا۔ روم و روس کی لڑائی۔

(۲۴) منصور موہنا۔ ایک عربی داستان سندھ مین

(۲۵) شہید وفا۔ سپین مین سلطنت کی پامالی۔ عہ

جلد ہائے دلگداز

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۰ء ۔ جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۸ء

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۱ء ۔ جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۰ء

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۵ء ۔ جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۱ء

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۶ء ۔ جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۲ء

دیگر اعلیٰ مطبوعات دلگداز پریس

معاشرت۔ ایک اعلیٰ درجے کی اخلاقی کتاب انگریزی کی گلستان سر جان لبک کی پلیژرز آف لائف کا ترجمہ۔

اتالیق بی بی۔ میان بی بی کے افعال پر بی بی کی فریدار نکتہ چینیان۔ . . . . .

رفع النقاب۔ مروجہ پردے کے خلاف ایک مدلل رسالہ۔ . . . . .

المشتہر حکیم محمد سراج الحق مینیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

کارخانہ روضۃ الریاحین لکھنؤ کا اعلیٰ عطر

(آپ ایک دفعہ آزما کے تو دیکھین!)

عطر کیلئے لکھنؤ مشہور ہے۔ مگر افسوس کہ جو عطر ہو وہ باہر والونکو نہین ملتا کیونکہ یہین [illegible] روانی [illegible] اتھ ہوا اور انکے دغل فصل کا خمیازہ ان غریبون ہی کو اٹھانا پڑتا ہے جو باہر سے منگواتے [illegible] مجبور ہین لو بعض اشتہار دینے والون کی یہ حالت ہے کہ روپیہ کا مال دو کو دیا [illegible] دیکھکے ہمنے ذمہ لیا ہے کہ باہر کے جو صاحب طلب فرمائین انکے لیے معتبر اور مستند کارخانو کے عطر اعلے درجہ کے [illegible] طور پر اہتمام کرکے مال بخوبی جانچ کے اور بکفایت خرید کرکے روانہ کردیا کرین جس کا بہت اچھا اور قابل اطمینان [illegible] گیا ہے عطر کے شائق ایکبار امتحاناً منگوا کر دیکھ لین کہ ہمارے ذریعے سے انھین کیسا اچھا عطر ادنی قیمت [illegible]

عطرون کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر حنا فی تولہ [illegible]	عطر مولسری فی تولہ [illegible]	عطر شگفتہ فی تولہ [illegible]	عطر [illegible] فی تولہ [illegible]
عطر مخلوط اصلی فی تولہ [illegible]	عطر [illegible] [illegible]	عطر [illegible] [illegible]	عطر [illegible] [illegible]
عطر مہک [illegible]	عطر چنبیلی [illegible]	عطر شہناز [illegible]	روغن گلاب [illegible]
عطر کیوڑا [illegible]	عطر رگ حنا [illegible]	عطر [illegible] [illegible]	روح [illegible] [illegible]
عطر خس [illegible]	عطر مٹی [illegible]	عطر اگر عرقی [illegible]	عطر [illegible] [illegible]
روح باڑی اصلی [illegible]	عطر [illegible] [illegible]	عطر جوہی [illegible]	عطر [illegible] [illegible]
عطر چمپا [illegible]	عطر گلاب [illegible]	عطر ناگیسر اصلی [illegible]	عطر [illegible] [illegible]

خوشبودار تیلون کی فہرست بھی ملاحظہ ہو

روغن چنبیلی فی سیر [illegible]	روغن بیلا فی سیر [illegible]	روغن کیوڑا فی سیر [illegible]	روغن حنائی سیر [illegible]

اعلیٰ درجے کا خوشبودار عمدہ اور بامزہ تنباکو

زردہ تنباکو مشکی فی سیر [illegible]	قوام تنباکو مشکی فی تولہ [illegible]	گولیان تنباکو مشکی طلائی فی تولہ [illegible]
زعفرانی [illegible]	زعفرانی [illegible]	نقرئی [illegible]

نوٹ۔ درخواست آتے ہی ویلو پی ایبل روانہ ہوگا۔ باردانہ اور مصارف ڈاک وغیرہ ذمہ خریدار۔

آپ کا خادم۔ محمد عبد الحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز کٹرہ نزان بیگ خان۔ لکھنؤ

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی تاریخی رسالہ

جلد ۱۵

نمبر ۱۱

نومبر سنہ ۱۹۱۳ عیسوی - مطابق قوس سنہ ۱۳۴۲ محمدی

ایڈیٹر

مولنا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

مینیجر و پبلشر

خاکسار حکیم محمد سراج الحق عفا اللہ عنہ

جو

دلگداز پریس مین چھپ کے لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان

سے شائع ہوا

دلگداز! دلگداز!! دلگداز!!!

سنہ ۱۸۸۷ء سے مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر کی ایڈیٹری میں نکل رہا ہے … یا کسی شیم فتان کی نگاہ ناز ہیں جو دل میں اُترتی اور دل ہی دل میں رہ جاتی ہے اعلیٰ درجے کے ادبی … مضامین ہوتے ہیں۔ ختم سال پر بشرط خریداری سال مابعد مولانا شرر کا ایک نیا ناول خریداران دلگداز کو مفت دیا جاتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک

المشتہر منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان۔ لکھنؤ

مولانا شرر کی کتابون کے نئے لائبریری ایڈیشن

نفیس مزاج قدردانان علم کے لیے مولانا شرر کی نئی اور پرانی کتابیں بڑے اہتمام کے ساتھ … جاتی ہیں جن کی نفاست دیکھنے کے قابل ہے۔ اس سلسلۂ طبع کا نام لائبریری ایڈیشن رکھا گیا ہے … پہلے سے اجازت دے دیتے ہیں اُن کا نام لائبریری ایڈیشن میں درج کر لیا جاتا ہے اور تیار ہوتے ہی … کارڈ بھیجکے بلا انتظار جواب وی۔ پی بھیجدی جاتی ہیں مجلد کتابون کے خریدارون سے اصل قیمت پر … اضافہ کر لیا جاتا ہے اگر علمی مذاق کی سرپرستی منظور ہو تو فوراً لائبریری ایڈیشن کے رجسٹر میں اپنا نام …

نمبر ۱- افسانۂ قیس- مجنون عامری کی لائف جو نہایت مکمل کی گئی ہے- قیمت فی جلد … … …

نمبر ۲- قیس و لبنیٰ- مشہور عاشق عرب قیس بن ذریح اور اُسکی معشوقہ لبنیٰ کے حالات کو ایک نہایت پراثر اور دلچسپ ناول کا لباس پہنایا گیا ہے- قیمت فی جلد …

نمبر ۳- حسن بن صباح بانی فرقۂ باطنیہ کے حالات زندگی اور اُسکی تعلیمیں اُس کا علم و فضل اور اُس کے سرکت خدائی- …

نمبر ۴- عصر قدیم- ایک نہایت کمال سے لکھی ہوئی تاریخ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پیشتر کی تمام قومون اسرائیلیون مصریون اسیریا و بابل والون ایرانیون- یونانیون- مقدونیہ والون- رومیون ساسانیون بطلیمیوسیون وغیرہ کے اجمالی حالات ہیں- …

نمبر ۵- آغا صادق کی شادی لکھنؤ … کی ایک بامذاق تصویر یعنی دولھن کے ساتھ- قیمت …

نمبر ۶- فلورا فلورنڈا اندلس کی آخری … کی برداشت اور مسیحیون کا احمقانہ تعصب نہایت … اور پراثر تاریخی ناول قیمت … … …

نمبر ۷- فلپانا- مولانا شرر کا بہت ہی پرمذاق ناول رض طرابلس الغرب پر صحابۂ کرام کا حملہ … عثمان غنی کا دور صحابہ کی پائمردی و بے نفسی … فلپانا اور عبداللہ بن زبیر- زیر طبع … …

المشتہر حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان- لکھنؤ

قیصرۂ تھیوڈورا

جناب سرورِ کائنات صلعم کی ولادت قسطنطنیہ یا مشرقی سلطنت روم کے تاجدار جسٹن دوم کے عہد مین ہوئی ہے جو ۵۶۵ء یعنی ولادت محمدی کے چوتھے برس تک قسطنطنیہ کے تخت پر حکومت کرتا رہا تھا - اس سے پہلے اُس کا چچا جسٹنین قسطنطنیہ کے تاج و تخت کا مالک تھا اور ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء یعنی ۳۸ سال تک یورپ کی مشرقی دُنیا کے سیاہ و سفید کا وہی مالک تھا جسٹنین کے زمانے اور اُس کے حالات پر غور کرو تو بہت سے متضاد واقعات نظر کے سامنے آ جاتے ہین - وہ عقلمند تھا - اچھا تھا - بڑا زبردست تھا - نئے قوانین جاری کیے - بہت سے ملک فتح کیے - قسطنطنیہ کی جامع ایا صوفیہ کو جو اہل روم کی علم کی دیوی کا مندر تھی از سرِ نو تعمیر کرا کے عیسائیون کا گرجا قرار دیا - پھر اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اُس کے زمانے مین بڑے مظالم ہوئے - اُس کا عہد فتنون اور ہنگامون سے بھرا ہوا تھا - اور اُسے اپنے ملک کے اندرونی جھگڑون اور تعصّبات کی بدولت کبھی ایک گھڑی کو بھی اطمینان سے بیٹھنا نہین نصیب ہوا - اور ان سب باتون سے بڑھی ہوئی یہ بات تھی کہ اُس کی بی بی تھیوڈورا تھی جو ایک عجیب و غریب عورت تھی - جس کے مذاق و اطوار کی دورنگی بابل کی قدیم ملکہ سمیرامیس کی زندگی سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھی - اور ہمین یقین ہے کہ اُس کے حالات ناظرین کو دلگداز

کے لیے بہت ہی دلچسپ تماشے ہوا کرتے۔

اُن دنون قسطنطنیہ کے فرمان روا اور [illegible] قدیم یونانیوں اور رومیوں کی طرح تھیٹروں اور سرکسوں کا بڑا شوق تھا [illegible] جن میں عام ناظرین کے سامنے لا کے باہم لڑائے اور [illegible] رفیدیور چھوڑے جاتے تھے۔ بس ضرورت سے اکثر [illegible] ان رکھے جاتے ان [illegible] کی ایک بڑی بھاری تعداد موجود رہا کرتی تھی۔ اسی سبب سے قدیم زمانے میں قسطنطنیہ میں ان وحشی درندوں کا [illegible] ہوا کرتا تھا جو [illegible] ذات بابرکات [illegible] بادشاہ کے [illegible] کا رہنے والا [illegible] سارے قسطنطنیہ اور اُس کی [illegible] ریچھ والا کہلاتا تھا جو کبھی صورت [illegible] سال [illegible] اکاتیوس کے ریچھ وال [illegible] اُنھیں بڑی کامیابی [illegible] شک نہیں کہ کل [illegible] سے رؤسا کے ایک بڑے حلقے پر اُس کا [illegible] کا مرنا تھا بیٹیاں چھوڑیں۔ بڑی تو میطو [illegible] کے مرنے کے وقت ان میں سے بڑی بچی [illegible] سال سے زیادہ کی [illegible] ماں نے اپنے شوہر کی [illegible] زندگی و خوش حال [illegible] ایک ایک کے پاس جا کے روئی [illegible] دینے کے لیے کسی مرد کی شدید ضرورت [illegible] کر کے اپنے [illegible] شوہر کا نام بھی دربار میں پیش کر دیا مگر سماعت نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔

اب اُس نے اپنی تینوں کمسن [illegible] کو فریاد یوں کے [illegible] کے تھیٹر میں بھیجا۔ اُن دنوں [illegible] دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ سبز بانے والے اور نیلے بانے والے۔ (جن کے مفصل حالات ہم دلگداز کے کسی آئندہ نمبر میں لکھیں گے) ان دونوں گروہوں میں باہم سخت رقابت تھی [illegible] بیٹھی رہا کرتی۔ یہ خوبصورت ننھی ننھی فریادی جو اُن کے سامنے گئیں تو سبز بانے [illegible]

نے اُن کی تحقیر و تضحیک کی - اور دیکھنے والون کو اُن پر ترس آیا - مگر ان کا مطلب اب بھی نہ حاصل ہوا -

ان تینون لڑکیون مین سے منجھلی تھیوڈورا سب مین زیادہ حسین و نازنین اور سب سے بڑھ کے ذہین و ہوشیار تھی - تماشا دیکھنے والون کا یہ سبق اُسی کے دل پر نقش ہو گیا - اور جب موقع ملا تو اپنا بدلا لینے مین اُس نے کوئی کسر نہین اُٹھا رکھی - تھیوڈورا اگرچہ اب تک یتیمہ تھی اور قسطنطنیہ کے لوگون نے اُس کی پامالی مین کوئی بات نہین اُٹھا رکھی تھی مگر تقدیر بہرہ ور ہونے والی تھی - اور خود قدرت نے عجب فیاضی سے اُسے پائندہ دکھا دیا - اور اُس کے حسن و جمال کو چمکانا شروع کیا - اُس کے اُٹھتے ہوئے شباب اور اُس کی دل فریبانہ اداؤن کو دیکھ دیکھ کے سارے زمانے کی زبان پر تھا -

"اب تو فتنہ ہے کوئی دن مین قیامت ہو گی" -

یہ تینون لڑکیان جب جوان ہوئین تو انھی دنون جب کہ کوئی مہربان سرپرست تھا اہل قسطنطنیہ کی جلوت و خلوت کی دلچسپیون اور عشرت پرستیون کا مشغلہ بن گئین - اندرونی زندگی مین اُن کو شہر کی تمام بد وضع عورتون کے ساتھ شہر نے بے آبرو کیا - اور اُن کی ظاہری زندگی یہ تھی کہ خوبصورت ایکٹرسون کی طرح اسٹیج پر آ کے اپنے ناز و کرشمے سے ناظرین کی دلربائی کرتین - سب سے بڑی بہن قومیطو اسٹیج پر آئی - اور اُس کے بعد جب تھیوڈورا بھی اسٹیج پر آ کے نمودار ہوئی تو اُس کے حسن و جمال نے اُسوقت کے قسطنطنیہ مین قیامت کی سی ہلچل ڈال دی - جب وہ ایک نوعمر خوبصورت غلام کے بھیس مین ایک تپائی سر پر رکھے اسٹیج پر آتی تو ہزارون تماشائی دل مسوس کے رہ جاتے - اور جو جو وہ آزادی دکھاتی - سے اپنی دلفریب ادائین دکھاتی لوگون کے دل ہاتھ سے نکلے جاتے - وہ نہ کبھی ناچی نہ گائی - نہ اُس نے بانسری بجائی - صرف اپنے ناز و انداز کے کرتب دکھانے - اور اپنے پیدائشی حسن کے کرشمون سے دنیا کو جیتنا شروع کیا - اکثر مذاق کے کھیلون مین وہ یک بیک کچھ ایسی دلربائی کی ادا سے منھ تھوتھا لیتی - اور ایسے مضحکہ خیز لہجے اور آواز مین شکوہ کرتی - اور بگڑ

بگڑ کے ڈھیلے ہاتھوں سے مارنے لگتی کہ دیکھنے والے آپے سے باہر ہو جاتے اور ہزارہا خلقت سے تحسین اور تعریف کے نعرے بلند ہوتے۔ اُس کے دلفریب حُسن پر اُس کی یہ شوخ ادائیں اور چلبلے پن کی حرکتیں ایسا زیب دیتی تھیں کہ جو اُس کا فریفتہ تھا۔ اُس کے خط و خال نہایت ہی لطیف و نازک تھے۔ اور مصوروں اور شاعروں کا خیال حُسن کی جو اعلیٰ سے اعلیٰ تصویر کھینچ سکے تھیوڈورا کا پیارا چہرہ اُس پر غالب ہی آ جاتا۔ رنگت کسی قدر زرد اور گندمی تھی۔ اور اُس میں ایک ایسی فطرتی دلکشی تھی کہ اُس کے خوبصورت چہرے کو دلوں کا مقناطیس کہیے تو بیجا نہ ہوگا۔ شوخ آنکھیں چلبلے پن کے ساتھ ہر وقت چلتی ہی رہتیں اور اُس کی ہر حرکت اور اُس کے ہر انداز میں اپنا تھوڑا سا جادو اس طرح شریک کر دیا کرتیں کہ کوئی دل نہ تھا جس پر اُس کا جادو چل نہ جاتا۔ اُس کی بات بات میں نزاکت تھی۔ اور ہر ہر ادا میں لگاوٹ۔ غرض ایک فتنہ تھا کہ اُس کے سامنے سارے فتنے دب گئے۔

مگر افسوس تو یہ ہے کہ ایسے اعلیٰ درجے کے حُسن کی سخت بے وقعتی ہو رہی تھی اس لیے کہ یہ آفتاب حُسن عوام کی نظروں کے سامنے تھا۔ ہر شخص کے شہوت پرستی کے جذبات اُسے نہایت ہی آسانی و سہولت سے حاصل کر سکتے تھے۔ اور ایسے بے مثال جمال تمام زناکار لوگوں کے لیے عام اس سے کہ خاص شہری ہوں یا آفاقی اور چاہے کسی طبقے اور درجے کے ہوں اور کوئی پیشہ و حرفہ کرتے ہوں بے عذر موجود تھا۔ عشاق کے ہجوم اور حُسن پرستوں کی مزاحمت نے اکثر یہ رنگ بھی دکھایا کہ ایک عاشق اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتا ہوا اُس کے بستر عیش پر پہونچا مگر ابھی رات کو کسی دوسرے زبردست اور دولتمند عاشق نے اُسے ڈھکیل کے تھیوڈورا کے بستر عیش پر اپنا قبضہ کر لیا۔ آخر یہاں تک نوبت پہونچی کہ جب وہ سڑکوں پر گزرتی تو جو لوگ بدتہذیبی و بےحیائی سے بھاگتے یا جو ایسی ہرجائی نازنین کے عاشق و فریفتہ ہو جانے سے ڈرتے منھ چھپا کے یا راستے سے کترا کے نکل جاتے۔ اسی قدر نہیں مورخین ڈراما بتاتے ہیں کہ تھیوڈورا کی بےشرمی آخر اس درجے کو پہونچ گئی تھی کہ بارہا پبلک اسٹیج پر برہنہ آ کے اُس نے اپنے ہنر اور اپنے ناز و انداز دکھائے۔ عیش پرستی کے فنون لطیفہ میں تھکنے کے بعد وہ فطرت کے اس بخل کی شکایت کرتی کہ انسان کو اس نے

عیش کے برداشت کرنے کی بھی کس قدر کم طاقت دی ہے۔ شائستگی کی زبان اس قسم کے واقعات کو ہمیشہ پردے میں رکھا کرتی ہے۔ مگر تھیوڈورا کی بداعمالیاں اس درجے کو پہونچ گئی تھیں اور اُس کے شہوت رانی کے جذبات۔ اور اُسکے عیاشانہ ہنر اِس قدر اعتدال سے باہر تھے کہ کسی پردے میں نہیں چھپ سکتے ہر حال قسطنطنیہ کے معزز طبقہ والوں اور عام دولت مندوں میں سے شاذ و نادر ہی کوئی باقی رہا ہوگا جس نے تھیوڈورا کے حُسن و جمال کے مزے نہ لُوٹے ہوں۔

تھوڑے زمانے تک حُسن پرستان قسطنطنیہ کی دیوی اور بےشرمی کی ملکہ بنی رہنے کے بعد وہ اقبولوس نام ایک معزز شخص کے گھر بیٹھ گئی اور اقبولوس مصر و افریقہ کا گورنر مقرر ہو کے اپنے علاقے کو گیا تو اُس کے ساتھ وہ بھی روانہ ہوئی مگر قیامت یہ تھی کہ باوجود اس کے کہ اقبولوس اُس کی پرستش کرتا تھا اور اُسکی حکومت و دولت کا زیادہ حصہ اُسی کی نازبرداری میں صرف ہو جاتا تھا مگر وہ اپنی اندرونی عشق بازیوں سے باز نہ آتی۔ ظاہر میں اقبولوس کی پابند تھی اور باطن میں دیکھیے تو اندر ہی اندر بہتوں سے تعلقات تھے۔ جسے اِس کی عادت پڑ گئی ہو کہ سیکڑوں سے آنکھیں لڑائے اور بیسیوں کا آغوشِ شوق گرم کرے اُس سے ایک کا ہو کے رہنا بہت دشوار تھا آخر اقبولوس نے تنگ آ کے ایسی فضول خرچ اور بےعصمت معشوقہ کو نکال باہر کیا۔

اب تھیوڈورا بے یار و مددگار بے انیس و ہمدم اسکندریہ کی سڑکوں پر افلاس و فلاکت زدگی کی حالت میں ماری ماری پھرتی تھی۔ مگر اُس کے بے مثل و نظیر حُسن سے بڑا مددگار کون ہو سکتا تھا؟ اُسی کے کرشموں سے انسانوں کا شکار کھیلتی اور قدم قدم پر خلقت کو اپنا اسیر گیسو بناتی ہوئی خشکی کی راہ سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ملک شام سے ایشیائے کوچک کے آخر تک ہر مقام میں اُس کا گزر ہوا۔ اور ہر شہر نے اِس حسین دیوی جمال قبرسیہ کے حسن کے مزے لوٹے۔ جہاں گئی لوگ اُس کے غیر معمولی حسن کی وجہ سے اُسے کوئی انسان سے مافوق مخلوق حور یا دیوی خیال کرنے لگے۔ یونانیوں کے حسن کی دیوی وینس (زہرہ) بھی جزیرہ قبرس ہی میں پیدا ہوئی تھی۔ لہٰذا عام خیال تھا کہ یہ نئی مہ جبین اگر وینس کا کوئی نیا روپ نہیں

تو اُس کی نسل سے ضرور ہے۔

تھیوڈورا اس بات کو بخوبی سمجھی ہوئی تھی [illegible]

فتحمند و کامیاب ہونے کے لیے خدا نے مجھے جو سلاح دیا [illegible]

لہذا اُس کی حفاظت اور اُس کے اُبھارنے اور چمکانے [illegible] بھی غفلت نہ

کرتی۔ خاصۃً اس بات کی تدبیروں میں بیٹھی رہتی [illegible]

اس آوارہ گردی کے زمانے میں جب وہ [illegible]

پلنگ پر سوتی تھی [illegible] کن میں [illegible]

سے اُس سے کسی [illegible] سردار کے سر [illegible] اور اُسی [illegible]

اس تھیوڈورا کی عام دلربائیوں سے اس قسم کے واقعات [illegible]

اُس کی [illegible] میں آکے اُس کے جمال نازنین بار [illegible]

پاتے تھے اور کوئی دوسرا شخص آکے اُنھیں وہاں سے نکال [illegible]

[illegible] کا مالک بنجاتا۔ ان واقعات نے ہر صحبت میں [illegible] تھیوڈورا [illegible]

سے اُس سے تعلقات ہیں۔ اور یہ اُنھیں کا کام ہے کہ جو کوئی اُس کے [illegible]

پاکے اُس کی خوابگاہ تک پہونچجاتا ہے اُسے [illegible]

بے وفائیوں اور زر پرستیوں پر پردہ ڈال [illegible] عجب [illegible]

ہی نے اس خیال کو پیدا کیا۔"

اسی اثنا میں اُس نے خواب دیکھا کہ "میں کسی بڑے [illegible]

ہوں اور ساری دنیا پر حکومت کر رہی ہوں" یہ خیال اُس کے دل میں

جم گیا۔ اُسی خیال کا پیدا [illegible] میں آگئی [illegible] عظمت و سلطنت [illegible]

[illegible] ایک [illegible] اور اُس [illegible] اگر گویا وہ [illegible]

تھیوڈورا تھی۔ [illegible]

[illegible] بیٹھ گئی

[illegible] اس [illegible]

[illegible] ایک چھوٹے سے مکان میں خاموشی کے ساتھ رہتی اور

اُون کات کات کے پیٹ پالتی تھی۔ اور گویا کسی سے مطلب ہی نہ تھا۔ اگر

[illegible] پاچ [illegible] حسن [illegible] چھوڑ دیا [illegible] ان آدمیوں کا
[illegible] اور [illegible] کے حالات کسی سے پوشیدہ نہ تھے۔ مگر اس انقلاب
[illegible] کا [illegible] کو دیکھ دیکھ کے ہر شخص حیران [illegible] ہو رہا تھا۔
[illegible] دولت [illegible] روم [illegible] قسطنطنیہ میں [illegible] کہ بعد ست
[illegible] شخص تھا جو [illegible] حسین و خوش وضع جوان [illegible]
[illegible] دولت مشرقی [illegible] کی ساری قلمرو پر حکومت [illegible]
[illegible] چھوڑ [illegible] جستجو [illegible] اور دیکھتے ہی [illegible] کیا۔
[illegible] ملاقات [illegible] اس [illegible]
[illegible] پیار [illegible] ختم ہو جاتا۔ [illegible]
[illegible] کے ساتھ [illegible] ایل سے
[illegible] کے [illegible]
[illegible] آخر [illegible]
[illegible] دیکھا [illegible] کی قدر
[illegible] جیسے [illegible] مستقل تھا
[illegible] کام لیا۔ [illegible] رکھتی۔ اور
[illegible] سے کچھ ایسا
[illegible] اور [illegible] اور
[illegible] کہ تھا کہ [illegible]
[illegible] اور دولت مسند
[illegible] کسی مرحلہ میں [illegible] چھوڑ [illegible] رفاقت
[illegible] استقلال مشرقی سلطنت
[illegible] خزانہ [illegible] ڈال دیا اور دل میں ٹھان لی
[illegible] رسوم [illegible] ساتھ [illegible] اور ایسی شریک زندگی بناؤں گا
[illegible] آج [illegible] اور میرے دل
[illegible] کی [illegible] ہے"

مگر دشواری یہ تھی کہ اول تو روم کے قانون مین صراحتہً موجود تھا کہ سنیٹ (مجلس حکمرانی) کا کوئی معزز ممبر کسی ایسی عورت کے ساتھ شادی نہین کرسکتا جو بے آبرو ہو۔ یا ادنےٰ درجے کی ہو۔ یا کبھی اسٹیج پر آچکی ہو۔" اس پر طرہ یہ ہوا کہ موجودہ قیصرۂ روم یعنی اُس کی چچی یوپی فینہ جو اگرچہ خود ایک وحشی قوم کی نسل سے تھی مگر نہایت ہی پاکدامن تھی اُس نے صاف صاف کہدیا کہ مین ایک بازاری کسبی کو اپنی بھتیجی بہو ہرگز نہ بناؤن گی۔ خود جسٹی نین کی ماں وی جی لانشیہ نے باوجودیکہ تھیوڈورا کے حسن وجمال کو بہت ہی پسند کیا مگر اس اندیشہ سے اُسکے بہو بنانے پر وہ بھی راضی نہ ہوتی تھی کہ ایسا نہ ہو یہ مکار حسینہ میرے بھولے بھالے بیٹے کے اخلاق اور اُس کی سیرتون مین فرق ڈال دے۔ مگر جسٹی نین کو یہی دھن تھی کہ شادی کرون گا تو تھیوڈورا سے۔

اُس نے ماں کی مخالفت کی تو پروا ہی نہ کی۔ جو نہایت دلگرفتگی کے ساتھ خاموش ہو رہی۔ چچی کا البتہ اندیشہ تھا اس لیے کہ وہی وارث تاج وہیم تھا اور چچی کے ناراض کرنے مین سلطنت سے محروم ہوجانے کا خوف تھا۔ اس لیے خاموشی کے ساتھ اُس کے مرنے کا انتظار کرنے لگا۔ اِسی درمیان مین اُس نے اپنے چچا کو سمجھا بُجھا کے اور نہایت ہی دانائی سے کام لے کے اِس مضمون کا ایک فرمان جاری کرادیا کہ "قدیم رسوم کی پابندی کی کسی کو کچھ ضرورت نہین ہے۔ اور اِس بارے مین جو پُرانے قوانین مروج ہین منسوخ تصور کیے جائین"۔ اس حکم نے اُن تمام محروم القسمت عورتون کے گھرون مین گھی کے چراغ جلا دیے جنھون نے کسی معزز رکن سلطنت کو اپنے حسن وجمال پر لُبھا کے اور اُس کے دل پر قابو پا کے اُسے نکاح کرنے پر آمادہ کرلیا تھا مگر قانون کی گرفت سے مجبور تھین۔ اور کوئی زور نہ چلتا تھا۔ اب انھین آزادی حاصل تھی کہ جس بڑے سے بڑے امیر سے چاہین شادی کرین اور خوشیان منائین۔ اس نئے قانون پر عملدرآمد شروع ہی ہوا تھا کہ قیصرہ مرگئی اور جسٹی نین کے لیے میدان صاف تھا۔ بڑی دھوم دھام اور نہایت ہی تزک واحتشام سے شادی ہوئی۔ اور جسٹی نین کسی پاکدامن دوشیزہ کی طرح ملائک فریب تھیوڈورا کو بیاہ لایا۔ اب تھیوڈورا قسطنطنیہ کی ساری معزز بیگمون۔ محترم شاہزادیون۔ اور قسطنطنیہ کی کل شریف زادیون کی سرتاج تھی۔ اسی درمیان مین جسٹن قیصر نے جسٹی نین کو باضابطہ طور پر اپنا ولیعہد قرار دیا۔ اور جس وقت شہنشاہ اور مقتدائے اعظم نے حسب

رسوم مروجہ جسٹی نین کو خلعت ارغوانی پنہا کے تاج قیصری اُس کے سر پہ رکھا تو دوسرا خلعت و تاج انھین اپنے معزز و متبرک ہاتھون سے تھیوڈورا کو بھی پنہانا پڑا جو نہایت ہی تمکنت سے اُس کے برابر کھڑی زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ "شرافت و پاکدامنی پر حُسن یون فتح پاتا ہے!" مگر یہ عزت و شوکت بھی تھیوڈورا کی نظر مین کچھ زیادہ نہ تھی - اصل یہ ہے کہ معمولی قسم کی عزتین جو رومی آداب سلطنت نے شاہزادیون خواہ آزادیون اور معزز طبقے کی بیگمون کے لیے مقرر کر رکھی تھین وہ نہ تھیوڈورا ہی کے لیے کافی تھین اور نہ اُس کے عاشق جسٹی نین کی تمنا و آرزو کی پوری کرنے والی تھین جسٹی نین کو ولی عہد مقرر ہوئے پورے دو سال بھی نہین ہوئے تھے کہ شہنشاہ جسٹن اول آغوش لحد کے سپرد کیا گیا اور جسٹی نین نے قیصر روم اور قسطنطنیہ کا شہنشاہ قرار پا کے تاج جہانبانی سر پہ رکھا - اور تخت پر قدم رکھتے ہی اس نے تھیوڈورا کو بھی اپنے برابر بٹھا کے صاحب تاج و تخت بنایا - یون تو ہر بادشاہ بیگم روم مین ایک خاص شان اور خاص اثر رکھتی آئی تھی مگر تھیوڈورا دستور سابق کے خلاف ایک مستقل شریک سلطنت تسلیم کی گئی - اور تمام اہالیان ممالک کے نام رعایا سے عہد وفاداری لینے کے جو فرمان جاری ہوئے وہ صرف جسٹی نین نہین بلکہ اُس کے اور تھیوڈورا دونون کے ساتھ عہد وفاداری کرنے کے بارے مین تھے - اور جو برتاؤ ہندوستان مین جہانگیر نے نورجہان کے ساتھ کیا تھا وہی قسطنطنیہ مین جسٹی نین نے تھیوڈورا کے ساتھ کیا - گو کہ تھیوڈورا کو نورجہان سے کوئی نسبت نہین ہو سکتی - نورجہان پاکدامن اور عفیفہ تھی اور تھیوڈورا ایک بازاری عورت اور انتہا درجے کی بدنام فاحشہ مگر تقدیر دونون کی ملتی جلتی تھی - بہر تقدیر جسٹی نین کی سریر آرائی کے ساتھ ہی مشرقی دولت روم کی ساری رعایا تھیوڈورا کے آگے سجدے مین گر پڑی اور وہی بازاری کسبی جس نے بے شمار خلقت کے سامنے قسطنطنیہ کے تھیٹر مین اسٹیج پر نقالی کی تھی اسی شہر مین متین و سنجیدہ مجسٹریٹون مقدس و دیندار اُسقفون - فتحمند سپہ سالارون - اور ایسے شاہان ارض سبھی نے اُسے بلا تامل اپنی ملکہ اور اپنے جان و مال کی مالکہ تسلیم کر لیا -

اکثر لوگون کا خیال ہے کہ بے عصمتی عورت کی ساری خوبیون کو مٹا دیتی ہے - اس

خیال کے لوگ غالباً اُن مورخون کے بیان کو بڑے شوق اور بڑی دلچسپی سے سنین گے جو تھیوڈورا کو ہر بات پر الزام دیتے ہین - اُس کی برائیان بتانے مین غلو کرتے ہین - اور اُس کے ہنرون کو بھی عیب بنا کے دکھاتے ہین - اِس مین شک نہین کہ اُسے ہر صحبت مین جوانانہ شہوت پرستی کے الزام دیے جاتے تھے - اور یہ ہر شخص جو اُس کے حسن سے لطف اُٹھا چکا تھا اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا - اور کی ندامت سے تھیوڈورا کو بھرے دربار مین اہل دربار سے چار آنکھین کرنے کی جرأت نہ ہوتی - خواہ ندامت یا توہین و تحقیر کے ڈر سے جہان تک بنتا وہ عام مجمعون مین آنے سے بچتی - اور کسی ایسے بڑے دربار مین بلائی جاتی تو انکار کر دیتی - اسی وجہ نہین وہ دار السلطنت قسطنطنیہ مین رہنے ہی سے بھاگتی - اور اُس کا سال کا زیادہ حصہ اُن عالیشان قصرون باغون کوشکون اور نزہت گاہون مین گزرتا جو اسپانٹس اور باسفورس مین سمندر کے کنارے بنے ہوئے تھے -

یہان اُس کی زندگی عیش و نعم اور خود آرائی مین بسر ہوتی - ہوشیار مشاطائین اس کا بناؤ سنگھار کرتین - اس کے چاند سے چہرے کی آب و تاب کو چمکاتین - اور اُس حسن و جمال کی آبیاری کرتین جس نے جسٹی نین کے دل کو ہاتھ مین سے کے سارے دنیا کو مفتوح کر لیا تھا - حمامون مین نہا نہا کے نکھرتی - میز پر بیٹھ کے الوان نعمت کا مزہ لیتی - عشرت گاہون مین بیٹھ کے اپنی خواصون سے ہنستی بولتی - اور نرم و نازک بچھونون پر لیٹ کے جوانی کی نیندین لیتی - اُس کے حضوری کے اسٹاف مین حسین و خوش سلیقہ خواصین - نازک اندام و خوش رو نوعمر لڑکے - اشارون پر دوڑنے والے خواجہ سرا اور صدہا غلام تھے - جن کے جھگڑے چکانے مین اُسے گھر بیٹھے عدالت و حکمرانی کا مزہ آجاتا - اُسکے خلوت کدے کے قریب وہ دیوان خانہ تھا جس مین بڑے بڑے ارکان دولت - اُمرا و رؤسا - سپہ سالار اور وزرا - رہبان اور مقتدایان ملی آستان بوسی کی تمنا مین آکے جمع ہوتے - گھنٹون انتظار کرتے - اور امیدواری کی سختیان برداشت کرنے کے بعد اُنھین صرف اتنی اجازت ملتی کہ ادب و تعظیم سے آکے تھیوڈورا کے قدمون کو بوسہ دین اور نظر نیچی کیے واپس چلے جائین اکثر ایسے موقعون پر یہ منظر دیکھ کے خود اُس کا دل دھڑکنے لگتا کہ وہی امیر جس

کبھی اُس کے حسن و جمال کے مزے لوٹے تھے اُسے آغوش شوق مین بٹھایا تھا
اُس کے لب لعلین کے بوسے لیے تھے آج اس بات کو اپنی بڑی اقبالمندی سمجھتا
ہے کہ اُس کے قدمون کو چوم سکے - تھیوڈورا کو اس کا اندیشہ لگا رہتا تھا کہ اگر
جسٹی نین مرگیا تو میرا کوئی نہ ہوگا - اور وہ لوگ جو آج میری پرستش کر رہے
ہین میری تذلیل کے درپے ہوجائین گے - اس خیال سے اُس نے بے انتہا روپیہ
جمع کر لیا - تاکہ وقت پڑنے پر کم از کم اتنا تو ہو کہ مین کسی کی محتاج نہ ہون -

مگر سب سے بڑی قیامت یہ تھی کہ تھیوڈورا کے دل سے یہ خیال کسی طرح نہ جاتا
تھا کہ لوگ مجھے ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین - یہ خیال بڑھتے بڑھتے جنون
کے درجے کو پہونچ گیا - اُس نے ہزارون جاسوس مقرر کر دیے تھے
جو محلّون محلّون مارے پھرتے - اور گھر گھر کی خبر لیتے - اور روز آ کے اُسے
خبر دیتے کہ فلان شخص نے آپ کی نسبت یہ کلمہ کہا - فلان نے آپ کو یہ الزام دیا -
فلان آپ کو یہ کہتا تھا - اور فلان آپ پر یہ حملہ کرتا تھا - اس قسم کی صدہا رپورٹین
روز آتین - اور وہ ہر ایک سے بدگمان ہوتی جاتی - ایسے لوگون کے سزا دینے
کے لیے جنکی نسبت ایسی مخبریان ہوتین اُس نے ایک بڑا بھاری خوفناک اور
زمین دوز قیدخانہ بنا رکھا تھا جو ایک طلسمی راز تھا - اور کسی کو اس کے مفصل حالات
معلوم نہ ہو سکے - جاسوس جن لوگون کی نسبت ایسی کوئی مخبری کرتے - دو تین روز کے
بعد وہ یک بیک گھر سے یا راہ چلتے سے غائب ہوجاتے اور اسی قیدخانے مین
لا کے ڈال دیے جاتے - بغیر کسی تحقیقات کے اور بغیر اس کے کہ کسی عدالت
نے فیصلہ کیا ہو یہ لوگ زبردستی جبرا لائے جاتے اور اس قیدخانے مین بند ہوتے
جہان رحم اور ترس کھانے کے نام سے بھی کوئی آشنا نہ تھا - آسمان کبھی کسی کو دیکھنا
نہ نصیب ہوتا - سورج کی روشنی وہان تک پہونچ نہ سکتی - اور اندھیرے مین روشنی
لے کے کوئی بڑی ہی سنگدل اور ظالم عورت آتی جو تمام اسیرون کو کوڑون سے
پٹواتی - اُن پر طرح طرح کے عذاب کرتی - اور اُنھین ہر قسم کی تکلیفین دیتی - زمین
کے اندر یہ مظلوم ستم زدہ درد و تکلیف سے چیختے چلاتے - دوہائیان دیتے - ایک
ایک کی خوشامد کرتے - مگر کوئی اُن پر ترس نہ کھاتا - اور نہ کبھی ان کی آہ و زاری

سُنی جاتی - غرض یہان ایسی روح فرسا اور جان گزا تکلیفین دیجاتین کہ بہت سے لوگ اسی قیدخانے مین تکلیفین اور اذیتین اُٹھاتے اُٹھاتے مرگئے - اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہوئے اور کہان گئے - بعض برگشتہ بخت تاشا وچھوٹ کے بھی آئے تو اس قابل نہ تھے کہ زندگی سے لطف اُٹھائین یا کسی کو دنیا مین منہہ دکھائین کیونکہ کسی کی ناک غائب تھی - کسی کے کان کٹ گئے تھے - کسی کی آنکھ پھوٹ گئی تھی - کسی کا کوئی اور عضو کاٹ لیا گیا تھا - اور پھر اس کے ساتھ اکثر مخبوط الحواس تھے - اور دل دماغ نہین ٹھکانے رہے تھے - ماسوا اس کے اُن کی تمام دولت وجائداد تباہ کردی جاتی - اور قید خانے سے باہر آنے کے بعد وہ سڑکون پر مارے مارے پھرتے - پڑ رہنے کے لیے کوئی جگہ بھی نہ نصیب ہوتی - اور اپنی ناکارگی کی حالت اور تباہی وبربادی سے دنیا کے سامنے تھیوڈورا کے انتقام کا زندہ ثبوت پیش کیا کرتے - اُس کے ہاتھ کے سزایافتون مین عوام ہی نہین بعضے ارکان سلطنت اور محترم مقتدایان دین بھی تھے - ایسے معزز مجرمون کی نسبت قتل وغیرہ سزاؤن کا حکم دیتے وقت تھیوڈورا اپنے معتمد علیہ اور غلہ قہاری سے کہتی "اگر میرے حکمون کی تعمیل مین تم نے ذرا بھی کمی کی تو مین اُسی خدا کی قسم کہہ کے کہتی ہون جو ہمیشہ زندہ رہے گا کہ تمھاری کھال کھنچوا لونگی" رہائی پانے والون مین زیادہ تعداد اُن نوعمر لڑکون کی تھی جنکی نسبت وہ بدگمان ہوگئی ہوتی -

ہم بیان کر آئے ہین کہ ایشیاے کوچک مین تھیوڈورا ایک لڑکا جن کے کسی اپنے منظور نظر آشنا کے پاس چھوڑ آئی تھی - اُس لڑکے کو اُس شخص نے بڑی حفاظت سے پالا - اِس راز کو اُس سے مخفی رکھا کہ اُس کی مان تھیوڈورا ہے - جب اُسے یہ خبر پہونچی کہ اب تھیوڈورا قیصرۂ روم اور شہنشاہ قسطنطنیہ کی شریک زندگی وشریک سلطنت ہے تو اس خوف سے کہ ایسا نہ ہو مان کی مامتا جوش مارے اور اس لڑکے کو زبردستی چھنوا لے اُس نے اس بچہ کو ارض عرب مین بھیج دیا - جہان کی آزاد سرزمین روم وفارس دونون کی دست رس سے باہر تھی - اس کے بعد جب وہ شخص بیمار رہوا اور جانا کہ میرا یہی مرض مرض موت ہے تو اُس نوعمر لڑکے کو عرب سے بُلوایا - اور مرنے سے چند ساعت پہلے بستر مرگ پر پڑے پڑے اُسے بتایا

"تمھاری ماں اِس وقت دُنیا کی سب سے بڑی ملکہ اور قسطنطنیہ کی شہنشاہ بیگم تھیوڈورا ہے" اس راز کے کھلتے ہی سادہ مزاج لڑکے کے دل مین خدا جانے کامیابی و مقصدری اور دولت مندی و حکومت کی کیسی کیسی آرزوئین پیدا ہوگئین کہ باپ کو آغوش لحد کے سپرد کرتے ہی قسطنطنیہ کی راہ لی۔ اور قیصرہ کے محل کے پھاٹک پر پہونچ کے اپنے آنے کی خبر کرائی۔ تھیوڈورا یہ سنتے ہی چونک پڑی اُردا بیگنی (عرض بیگین) کو حکم دیا کہ اُسے قدر و منزلت سے اندر لے آؤ۔ لڑکا خوش خوش اندر گیا۔ ماں کے تخت کے سامنے ادب سے زمین بوس ہوا۔ ماں نے اُس پر سر سے پاؤن تک ایک نظر ڈالی۔ اور پھر اس کے بعد پتہ نہ لگا کہ وہ کہان گیا اور کیا ہو گیا۔ تھیوڈورا کی زندگی ہی نہین اُس کے مرنے کے بعد پھر کسی نے اُس لڑکے کی صورت نہ دیکھی اور یقیناً وہ اُس کے دوزخ مین پہونچ گیا۔ اُس کے زمانے والے اس سے اسقدر جلے ہوئے تھے کہ اُس کے عقائد اور مذہب پر بھی اعتراض کرتے اور اُسے بدمذہب کہتے ہین۔ مگر یہ صرف تعصب ہے۔ وہ دل سے سچی مسیحیہ تھی۔ اور مسیحیت کی ترقی اور دینی خدمات کی جانب اپنے شوہر کو ہمیشہ متوجہ کرتی رہی۔ لیکن لامذہب ہونے پر بھی اس مین شک نہین کہ وہ متکبر حریص طامع اور ظالم تھی۔ محض ظالم ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ مسیحیہ نہ تھی تاریخ عالم کی تغلیط کرنا ہے۔ وہ تو ایک نفس پرست اور بد اطوار ملکہ تھی اچھے اچھے پابند دین اور خدا پرست مسیحیون نے انتقام لیتے وقت روم کے بت پرستون پر یہودیون پر مسلمانون پر جیسے جیسے مظالم کیے ہین اُنسے تھیوڈورا کی سنگدلیان کچھ زیادہ بڑھی ہوئی نہین۔

اب بمصداق ع عیب اُو جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو ہم تھیوڈورا کے بعض محاسن بھی بیان کرتے ہین۔ اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ شہنشاہ جسٹی نین کے ناقابل برداشت غیظ و غضب کو ہمیشہ اعتدال پر لے آتی تھی۔ اس مین شک نہین ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو جسٹی نین نہایت ہی ظالم و جابر اور اُس کے ساتھ ہی بہت ہی ناکام و نامراد بادشاہ ثابت ہوتا۔ اور غالباً اس کو ہر واقف کار تسلیم کرے گا کہ جسٹی نین مین جتنی خوبیان تھین وہ اُسکی نہین بلکہ اصل مین تھیوڈورا کی خوبیان تھین۔ دینداری اور جرأت و شجاعت کے سارے کامون مین جسٹی نین

کے نام کے ساتھ تھیوڈورا کا نام یکسان عزت و وقعت کے ساتھ شامل تھا۔ اور یہ ایسی نیکی تھی کہ اُس کے دشمن بھی امید دلاتے ہین کہ باوجود تمام گناہون کے شاید وہ اُس کی نجات کا ذریعہ ہو سکے۔

ہر شخص کو اپنے گروہ والون سے زیادہ ہمدردی ہوا کرتی ہے۔ اس لیے کہ انکی تکلیفون اور مصیبتون سے جسقدر وہ واقف ہوتا ہے دوسرا نہین ہو سکتا چنانچہ تھیوڈورا کو سب سے زیادہ ہمدردی عصمت فروش ناکام رنڈیون سے تھی۔ اُس نے جو سب سے بڑی اور اعلیٰ درجہ کی فیاضانہ تربیت گاہ قایم کی اپنے اُن ستم زدہ بہنون کے لیے تھی جنھین کسی مرد کی بے رحمانہ بے شرمی نے بے آبرو کر ڈالا تھا۔ یا جو ہر طرف سے عاجز آکے رنڈی کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئی تھین۔ اس غرض کے لیے باسفورس کے ایشیائی ساحل کا ایک عالیشان قصر شاہی ایک باعظمت و جبروت خانقاہ بنا دیا گیا۔ اس کے مصارف نہایت فیاضی کے ساتھ سلطنت نے اپنے ذمے لیے اور اُس مین ۵۰۰ ایسی عورتین لا کے رکھی گئین جو قسطنطنیہ کی سڑکون اور وہان کے قحبہ خانون سے سمیٹ لائی گئی تھین اس امن و امان کے قلعہ اور تقدس و اتقا کے امن مین یہ سوسائٹی کی ستائی اور مذہب و دربار سے ملعون بنا کے نکالی ہوئی عورتین خاموشی اور تنہائی کی زندگی بسر کرتی تھین۔ ان عورتون کی روم مین یہ حالت ہو رہی تھی کہ اسی طبقہ کی چند بدنصیب عورتین ہجوم آلام سے گھبرا کے اور زندگی سے عاجز آ کے سمندر مین پھاند پڑی تھین۔ اُنکی ناقابل برداشت نامرادی اب اس فیاض مربیہ کی عنایت سے شکر گزاری اور اصلاح سے بدل گئی۔ اور سچ یہ ہے کہ تھیوڈورا نے اس تربیت گاہ کے ذریعہ سے ہزارون عورتون کو گناہ و عذاب اور ذلت و بے عزتی سے بچا لیا۔

تھیوڈورا کی دانائی و ذہانت کا خود جسٹی نین معترف تھا۔ جن عمدہ اور مضبوط قوانین کو اُس نے جاری کیا اُنھین وہ اپنی نہایت ہی مقدس و محترم ملکہ ہی کی جانب منسوب کرتا ہے اور اس کی نسبت یہ الفاظ زبان پر لاتا ہے کہ "دنیا کے لیے وہ ایک بڑی نعمت و برکت ہے" تھیوڈورا دل کی نہایت ہی مضبوط اور بات کی بہت ہی پکی تھی۔ بڑے بڑے صاحب اثر امرا و وزرا کے مجمعون مین نہایت آزادی و ہوشیاری

سے مناسب رائے دیتی - اور اکثر خوفناک موقعون پر اُس سے ایسی غیر معمولی جرأت ظاہر ہوئی کہ بڑے بڑے جوانمرد حیران رہ گئے - ایک بار سبز اور نیلے بانے والون کی برہمی سے قسطنطنیہ مین سخت بلوہ ہوگیا تھا - بلوائیون نے شہر کی عمارتون مین آگ لگا دی تھی - سارے شہر پر شعلے بلند تھے - سینٹ صوفیہ کی عالیشان عمارت جو قسطنطین اعظم نے دانائی کی دیوی کی یادگار مین بنائی تھی جل کے خاک کا ڈھیر رہ گئی - رعایا شہر چھوڑ کے بھاگنے لگی - جسٹی نین بھی اپنے ایک بیرونی قصر مین چلا گیا - اور وہان بھی اطمینان نہ نظر آتا تھا - امراے دربار نے یہ تجویز پیش کی کہ جسٹی نین کو مع اُس کے نقلون اور حرمون کے جہازون پر سوار کرا کے کسی دور کے شہر مین پہونچا دیا جائے - اس تجویز کی محرک گو کہ دغابازی و سازش تھی اور اس وقت شہر سے نکلنا تاج و تخت سے جدا ہونا تھا مگر جسٹی نین گھبراہٹ مین فریب کو نہین سمجھا اور چلے جانے پر راضی ہوگیا - اِس موقع پر تھیوڈورا بہادرون کی طرح اُٹھ کھڑی ہوئی اور کمال جوانمردی سے بولی "مانا کہ بھاگتے ہی مین جان بچتی ہے مگر مین بھاگنے کو ذلت و حقارت سمجھتی ہون - موت پیدا ہوتے ہی ہماری قسمت مین لکھ دی گئی ہے - مگر جو صاحب تاج ہین وہ تاج و تخت سے علٰحدہ ہو کے زندہ نہین رہ سکتے - میری درگاہ الٰہی مین یہ تمنا ہے کہ کبھی کوئی دن بغیر تاج جہانبانی اور خلعت ارغوانی کے نہ دیکھون - اے قیصر! اگر تم نے بھاگنے ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو تمھارے پاس دولت کے خزانے ہین - اور سامنے دیکھو جہاز بھی کھڑے ہین - جب چاہو ان پر چلے جا سکتے ہو - مگر اِس سے ڈرو اور کانپو کہ مبادا زندگی کی ہوس مین بھٹکین بدنصیبی کی جلاوطنی اور ذلیل قسم کی موت نہ نصیب ہو جائے باقی رہی مین تو میرا شعار تو یہ قدیم الایام کا مقولہ ہے کہ "تخت ہی مبارک مقبرہ ہے!"
تھیوڈورا کی اس تقریر نے سارے دربار پر غضب اثر کیا - اور اسی کی اس مضبوطی کا نتیجہ تھا کہ جسٹی نین اپنے دارالسلطنت سے نہین ہٹا - اور اس کو کسی قسم کا آزار نہ پہونچ سکا -

جسٹی نین کے نکاح مین آنے کے بعد سے تھیوڈورا کی عصمت کا دعوی کیا جاتا ہے - اور اس مین شک نہین کہ اب کبھی اس سے کوئی ایسی بدعنوانی نہین ہوئی جو

طشت از بام ہوئی ہو یا جسٹی نین کو اُس کی عفت پر شبہ ہوا ہو - لیکن اُسی کی اس پاکدامنی مین زیادہ دخل اس کے محض قید خانے اور اُس کی سختیوں کو تھا دشمن تو کیا کہتے سارے شہر مین کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے چال چلن کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے - ممکن ہے کہ اس زمانے مین بھی اس کے مخفی عشاق ہون - اس کی پرائیوٹ خدمت اور ہر وقت کے کامون کے لیے دس خوش رو اور بانکے ترچھے نوجوان تھے - جو جلوت و خلوت مین ہمیشہ سامنے رہتے - اور اُس کے نہایت ہی منظور نظر تھے - لیکن جب خود جسٹی نین کو اُس پر بدگمانی نہین ہوئی تو اور کسی کو بُری رائے قایم کرنے کا کیا حق ہے ؟ اور واقعی وہ دل کی ایسی مضبوط تھی کہ کوئی تعجب کی بات نہین اگر اُس نے اپنے شوق عیش اور بداطواری کی پُرانی عادتون کو اپنے موجودہ فرائض و مقاصد پر قربان کر دیا ہو ؟

اسی اخلاقی پالسی کا اثر تھا کہ اپنی رعنائی و قابلیت سے اُس نے جسٹی نین کی محبت کو کبھی گھٹنے نہ دیا - اور ہمیشہ اُسے یکسان درجے پر قایم رکھا - بلکہ جسٹی نین کو روز بروز قطعی یقین ہوتا جاتا کہ بغیر تھیوڈورا کے مین نہ حکومت کر سکتا ہون اور نہ زندہ رہ سکتا ہون - بہر تقدیر جس مٹھی مین قیصر کا دل تھا وہ کبھی ڈھیلی نہ پڑنے پائی کبھی کبھی خفیف سی باتون پر میان بی بی مین شکر رنجی بھی ہو جاتی مگر وہ دراصل ملاپ کا مزہ لینے اور جوش وصل مین تازگی پیدا کرنے کے لیے تھی - بعض بے وقوفون نے اُن رنجشون کو دلی عناد خیال کر لیا اور بادشاہ کو تھیوڈورا کے زیادہ مخالف بنا کے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی - مگر یہ کوشش اُن کے حق مین سم قاتل ثابت ہوئی - دو ہی تین روز مین میان بی بی مین پھر ملاپ ہو گیا اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہونچے -

شادی کے بعد تھیوڈورا کو سب سے بڑی تمنا اولاد نرینہ کی تھی - تاکہ سلطنت روم اُسی کی نسل مین رہے - مگر اس برکت کی صلاحیت کو اپنی ابتدائی بے اعتدالیون مین اُس نے خود ہی ہاتھ سے کھو دیا تھا - تاہم قدرت نے اُس کے آنسو پونچھے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی - مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی - اور بچپن ہی مین ماں باپ دونون کے کلیجون کو داغ دے کے آغوش اجل مین چلی گئی - جسنے تھیوڈورا نے اپنے

اپنے آنسوؤن مین نہلا کے دفن کیا۔

جوانی کی بیوی اعتدالیون نے اُسے اولاد ہی کی برکت سے محروم نہین رکھا بلکہ اُس کی صحت بھی اچھی نہ تھی۔ وہ کبھی موٹی اور تیار نہین ہونے پائی۔ ہمیشہ نازنین ذنارک اندام دُبلی پتلی اور چھریری تھی۔ اور اب آخر مین اس کی صحت زیادہ بگڑنے لگی۔ اُس کے طبیبون نے یہ علاج بتایا کہ علاقۂ ہسپانیہ کے حامون مین جاکے نہائے اور اس نے فوراً اُس سرزمین کا ارادہ کر دیا۔ سفر مین ایک بڑا بھاری جلوس اُس کے ساتھ تھا۔ اطبا کے علاوہ ایک اسقف سلطنت کا سب سے بڑا افسر، چند کاؤنٹ (نواب) اور بطریق (امرا) تھے۔ اور چار ہزار ملازمون اور خادمون کا باشان و شوکت گروہ ہمراہ رکاب تھا۔ جس طرف سے ملکۂ عالم کی سواری گزرتی سڑکین دو تین روز پہلے سے درست اور صاف کر دی جاتین اور اُس کے فروکش ہونے کے لیے ہر منزل پر ایک قصر شاہی بنا ہوا ملتا۔ جو خاص اسی کے مقیم ہونے کے لیے تعمیر کیا جاتا۔ جاتے جاتے جب شبیلیہ مین پہونچی تو وہان کے گرجون خانقاہون اور ہسپتالون پر اس نے بڑی بڑی فیاضیان کین۔ اور عام انعام و اکرام کے ساتھ مذہبی خدمات بجا لانے مین ذرا بھی کوتاہی نہین کی۔ یہ سب اس امید مین تھا کہ گرجون خانقاہون اور ہسپتالون والے اُس کی صحت کے لیے دعا کرین۔ مگر کسی کی دعا کارگر نہ ہوئی۔ اور فرشتۂ اجل آ ہی پہونچا۔ چنانچہ شادی کو چوبیسوان اور فرمان روائی کا بائیسوان سال تھا کہ ناگہان زہرباد ہو گیا۔ جس سے جان بر نہ ہو سکی۔ اور جسٹنین کو اُس کے مرنے کا بیحد صدمہ ہوا۔

ہندوؤن کے علوم

دُنیا اپنی نادانی سے چاہے قدر نہ کرے مگر سچ یہ ہے کہ ہندو مذہب اور اُس کے ساتھ ہندوؤن کی قوم موجودہ دنیا کے آغوش مین ایک نامعلوم قدامت کی قابل قدر امانتین ہین۔ اور سلف کے جو ایام قدامت کے دُھندلکے مین آ گئے اُن کے نہایت ہی بیش بہا تبرکات ہندوؤن کی پُرانی زبان سنسکرت اور اُن کے ہمیشہ زندہ رہنے والے علوم ہین۔ زمانہ ہر چیز کو مٹاتا رہتا ہے۔ کسی مین چاہے کیسی ہی ابدی زندگی کی صلاحیت

ہو زمانہ اُس پر آہستہ آہستہ مرور ایام کی خاک ڈالتا ہی جاتا ہے - یہاں تک کہ مُدت دراز کے بعد وہی خاک اُس کی قبر بن جاتی ہے - اور وہ بے مرے زندہ دفن ہو جاتا ہے - زمانے کے اِن زندہ مدفونون مین مصری - بابلی اسیریائی یونانی اور رومی ہین جو ایسے علوم وفنون اور ایسی تاریخی یادگارین چھوڑ گئے ہین کہ قدامت کی خاک مین دب جانے کے بعد بھی نہ خاک سے پکار پکار کے اپنا نام بتاتے اور اپنی زندگی کا ثبوت دیتے رہتے ہین - مگر ہندوستان کی پرانی آریہ قوم نے باوجودیکہ سب سے قدیم ہے زمانے کی اُس خاک کو ہمیشہ جھٹک جھٹک کے ہٹا دیا - اور اُس پر مرور ایام کا زور نہ چلنا تھا نہ چلا - اور زمانہ اور رون کی طرح اُس کے زندہ دفن کرنے مین کسی طرح کامیاب نہ ہو سکا - ہندو قوم نے زندگی کی مزاحمتون پر ہمیشہ فتح پائی - جو جو دشواریان پیش آئین سب کو خاک کی طرح جھاڑ کے الگ پھینک دیا - اور حضرت مسیح سے ہزارہا سال پیشتر کے اِن پس ماندگان سلف کو آج بیسوین صدی عیسوی مین ہم دیکھتے ہین کہ معجز نما زندگی ابدی کا جامہ پہنے ہوئے اپنے پُرانے علوم کو خود ہی دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہین - آغاز ہستی کے دنگل کے پہلوانون مین سے آج کون باقی ہے ؟ بابل والے - اسیریا والے - مصر والے - ایران والے - یونان والے - اور اُن کے زلہ خوار اہل روم سب مٹ گئے - نہ اُن کا مذہب باقی ہے - نہ اُنکی معاشرت باقی ہے - صرف اُن کے چند علوم ہین جو غیرون کے ہاتھ کا کھلونا ہین - مگر ہندو آبحیات کے سرشار ہندو - ابد کی ڈھائی چھونے کے مشتاق ہندو آج پامردی کے ساتھ خود ہی کھڑے ہوئے اپنے مذہب - اپنی معاشرت - اپنے کارنامو اور اپنی تاریخ کو دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہین - اور اگر کوئی غیر اُن کے علوم کے سمجھنے مین ذرا بھی غلطی کرتا ہے تو فوراً جھڑک کے ٹوک دیتے ہین - اور اپنی تاریخ وقسمت کا فیصلہ دوسرون کے ہاتھ مین نہین چھوڑتے -

ہندوون کا نایاب علمی ذخیرہ کیا بہ لحاظ اُن کی مذہبی روایتون کے اور کیا بہ لحاظ اُن کے رسم تعلقات نہایت ہی قدیم ہے - اور جس قدر قدیم ہے اُسی قدر نادر - اس موقع پر ہم چاہتے ہین کہ اُن کے علمون کا ایک مختصر گوشوارہ اپنے احباب کے سامنے پیش کرین اُن کے پُرانے تصانیف قریب قریب سب نظم مین ہین جو امر کہ اُنکی قدامت کا ایک بڑا

ثبوت ہے - ظاہر بین لوگ سمجھتے ہین کہ نثر نظم پر مقدم ہے - لیکن علمی دنیا میں بہ تحقیق ہین - گفتگو مین بیشک نثر کو تقدم ہے - مگر جذبات دلی کے ظاہر کرتے وقت انسان پر ایک ایسی متانت اور غیر معمولی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ چاہتا ہے " نہیں کسی غیر معمولی وضع وعنوان سے ظاہر کرے - اسی شوق نے انسان کو اُس کے بچپن ہی مین نظم کی طرف متوجہ کر دیا - جذبات وخیالات شاعرانہ کو نثر مین ادا کرنا شاعری کے بہت دنون بعد شروع ہوا - لہذا ہندؤن مین اُن کے تمام علوم کا نظم مین ادا کیا جانا ہی اُنکی قدامت کا ثبوت ہے -

ہندؤن کے قریب قریب تمام علوم کو مذہب نے اپنے آغوش مین لے لیا ہے یا اپنا لباس پہنا کے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے - ان کے علوم مین سب سے مقدم چار وید مین جو انسان مین مذہبی روح پھونکنے کے مکمل ذرایع ہین - اُن مین دعاؤن اور مناجاتون کے ذریعہ سے فلسفہ دین اور خدا شناسی کی بہت اعلی تعلیم دی گئی ہے - وہ چارون وید حسب ذیل ہین (اول) رگ وید - (دوسرا) یجر وید - (تیسرا) سام وید (چوتھا) اتھر وید - ان چارون ویدون کے ماتحت چار اُپ وید ہین - اور اُن کے نام یہ ہین (پہلا) ایش (دوسرا) دھنش (تیسرا) گندھرب (چوتھا) ارتھ - ان چارون اُپ ویدون کے بعد اُپ انگ ہین -

چار اُپ وید جن کا ذکر آچکا ہندو مذہب مین دوسرے درجے کی مقدس ومحترم کتابین ہین - جن مین جراحی - طب - موسیقی - رقاصی - سپہ گری - معماری اور دیگر فنون عملی کا بیان ہے - اور ان کے دیکھنے سے انسان کو حیرت ہوتی ہے کہ اُس قدیم زمانے ہی مین ہندؤن نے امور معاشرت اور ضروریات زندگی کے متعلق فنون مین کس قدر ترقی کر لی تھی -

چھ وید انگ ان فنون کے بیان مین ہین جو خاص ویدون کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہین یا یون کہنا چاہیے کہ ویدون کے سیکھنے اور برتنے کے آلات ہین - اُن مین پہلے فن تجوید ہے جس کے ذریعہ سے ویدون کی قرأت وتلاوت کے قاعدے معلوم ہوتے ہین - انہین الفاظ کے ادا کرنے کے لہجے - آوازون کے مخارج اور دیگر خصوصیات صوت مذکور ہین جنکا ویدون کے پڑھنے کے وقت لحاظ رکھنا ضروری لازمی ہے - اسی سلسلہ مین

نحو و صرف کا فن - آوازون کی ترتیب اور اُن کے باہمی تناسب کے قاعدے اور علوم نجوم و ہیئت بھی بصراحت بتائے گئے ہین -

ان تمام علمون اور فنون کی نسبت ہندؤن کا اعتقاد ہے کہ خداوند جل وعلا نے اُنھین الہام کے ذریعے سے نیک نفس و پاک باطن برہمنون کے دلون مین القا کر دیا تاکہ اُن کی مدد سے دنیا والے ویدون کو پڑھیں اور سمجھیں - کیونکہ بغیر ان علمون کے دنیا ویدکی ربانی تعلیمون سے فائدہ نہ اُٹھا سکتی -

اُپ انگ کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وید انگون کے بعد اور ان سے کم درجے کے ہین - لیکن اگر غور سے دیکھو تو وہ بہت ہی عظیم الشان اور اعلے درجے کے علوم عقلی و روحانی پر حاوی ہین - اُن مین منطق ہے - اور الٰہیات ہین - یعنی وہ مسائل و رموز علم الٰہی جو ویدون کی تصریحات کی تشریح کے لیے بعد والون کے ذریعہ سے معلوم ہوئے - احکام شریعت کا شمار بھی اُنھین مین ہے اور اسی سلسلہ مین دیوتاؤن اور پرانے رشیون اور منیون کی کہانیان اور داستانین بھی ہین - ان سب ضروری کتابون کی مجموعی تعداد اٹھارہ ہے اور یہی کتابین پُران کہلاتی ہین جن کے ماننے سے آریہ سماج والے انکار کرتے ہین - لیکن چاہے اُن پر بھروسہ نہ کیا جائے مگر یہ غیر ممکن ہے کہ اُن سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے اسلیے یہ تمام علوم ویدون کے حرم مین داخل ہونے کی کنجیان ہین - جن کو چھوڑ دیا جائے - تو نہ ویدون کے مضامین سے صحیح استدلال کیا جاسکے گا اور نہ اُن کے سمجھنے پر پورا وثوق ہوسکے گا -

مذکورہ علمی کتابون کے علاوہ ہندؤن کے قدیم علمی خزانے کا زیور دو نہایت ہی مہتم بالشان منظوم کتابین ہین جو مقدس روایات مین شامل کر دی گئی ہین - یہ دونون راماین اور مہابھارت ہین - راماین مین اجودھیا کے چندربنسی تاجدار راجہ رام چندر جی کے حالات و واقعات عجیب موثر معجز نما شاعری مین بیان کیے گئے ہین جو نہایت ہی دلچسپ و نتیجہ خیز ہین اور تاریخی قصے کے عنوان سے دینی و روحانی برکتین ظاہر کرتے ہین - رام چندر جی بشن جی کے ساتوین اوتار مانے جاتے ہین - اور اُنکی زندگی اعلیٰ ترین کمالات انسانی کا نمونہ ہے - مہابھارت مین وہ عظیم الشان لڑائی مذکور ہے جو ہستناپور کے تخت کے لیے پانڈو اپنے بنی اعمام کورؤن سے لڑے تھے - اور

جنکی نسبت ہندؤون کا عقیدہ ہے کہ دنیا مین کبھی اس سے بڑی کوئی لڑائی نہین ہوئی ان کتابون کے مقابلہ مین یونان کے پہلے شاعر ہومر کی مثنویان ایلیڈ و اوڈسے پیش کی جاتی ہین مگر کیا بہ لحاظ وسعت بیان اور کیا بہ اعتبار شاعرانہ خوبیون کے یونان کی اُن دونون پرانی منظوم کتابون کو ہندوستان کی رامائن و مہابھارت سے کوئی نسبت نہین - مہابھارت ۱۸ کتابون یا بابون پر منقسم ہے - اور اُس مین ایک لاکھ سے زیادہ بند ہین -

اب ہندؤون کی اُن چند کتابون کا مختصر تذکرہ بھی ضروری ہے جو اُن کے مذہبی قدیم لٹریچر سے ملحق اور اُنکے ضمیمے ہین - اول مُگدھ بُدھ دیعنی حُسن علم) مصنفہ گوسوامی جی یہ اصل مین سنسکرت کی بہترین گرامر ہے - جس مین قواعد صرف و نحو نہایت صفائی و توضیح سے بتائے گئے ہین - فن لغت مین سنسکرت کی اٹھارہ کتابین مشہور ہین - مگر اُن سب سے بہتر اور مکمل "امرسنگھ" ہے -

سنسکرت کی نظمون سے عجب قسم کا سوز و گداز اور نہایت ہی شیرینی ظاہر ہوتی ہے جس کا آغاز اُن کے قدیم تر شاعر والمیکی جی سے ہوا ہے - انھون نے اپنی مشہور کتاب رامائن کے علاوہ ایک اور پر درد واقعہ منظوم کیا ہے - وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک نوجوان اپنی ناز آفرین معشوقہ کے ساتھ گھر بار سے دور ایک پُرفضا دشت مین سب سے الگ تھلگ رہتا تھا - جو مار ڈالا گیا اور اُس کی معشوقہ اُس جنگل مین اپنے ہمیشہ کے لیے چھوٹ جانے والے عاشق کی لاش پر روتی بیٹھی اور آہ و زاری کرتی ہے ظاہر ہے کہ والمیکی کے متبرک قلم نے جسے مبداو فیاض سے الہامی مدد ملتی تھی اس حسرتناک داستان مین کیسا سوز و گداز اور کیسا دل کو تڑپا دینے والا اثر پیدا کر دیا ہوگا -

ڈراما کی ایجاد اگرچہ بہت پہلے سے ہو چکی تھی مگر کالی داس کی شہرت نے پرانے سنسکرت ڈراما کو تقریباً فنا کر دیا - یورپ والے اب جو اس کے کمالات سے واقف ہوئے ہین اسے مشرق کا شیکسپیر کہتے ہین - اس کا بہترین ڈراما "سکنتلا" ہے جس کا ترجمہ انگریزی مین سر ولیم جونس نے اور جرمنی زبان مین فارسٹر ہرڈر نے اور دیگر سنسکرت دان مصنفین جرمنی نے کیا ہے - ہرڈر کو یہ ڈراما اس قدر پسند آیا کہ کہتا ہے " اس عظیم الشان

ڈراما کا ہر سین ایک چمن ہے۔ جس کی ہر ہر کیاری مین سے دلچسپ واقعات فطرتی طور پر خوبصورت پودھون کی طرح اُگ آتے ہین۔ اور اس مین کثرت سے وہ پر اثر اور نازک خیالات ملتے ہین جن کا یونانی ڈراما مین کہین پتہ نہین۔ اسی کالی داس کی ایک اور نظم "میگھ دُوت" ہے۔ ولکنسن نے انگریزی مین اُس کا ترجمہ کیا ہے اور مشرق کے شاعرانہ کمالات پر شعراے مغرب کو حیران کر دیا ہے۔

ہندو لٹریچر کی قدر یورپ خصوصاً جرمنی مین روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ مگر ہندو لوگ محض اس غرور مین کہ یہ علوم اُن کے اور اُن کے گھر کے ہین اُس قدر توجہ نہین کرتے جیسی کہ ہونی چاہیے۔ خوشی کی بات ہے کہ اب ہندوؤن کو سنسکرت دانی کا شوق ہو چلا ہے۔ اور جا بجا اُس کے مدارس اور کالج قائم ہو رہے ہین۔ خصوصاً بنارس تعلیم سنسکرت کی اعلی یونیورسٹی قرار پا گیا ہے۔ لیکن جب تک سرکاری یونیورسٹیون کا یہی طرز عمل رہیگا اور جب تک یونیورسٹی کی ڈگریان ذریعہ معیشت بنی رہین گی ابناے وطن مین ہندو ہون یا مسلمان تحصیل علم کا سچا ذوق پیدا ہونا دشوار ہے۔ دعوے کیا جاتا ہے اور بظاہر صحیح بھی نظر آتا ہے کہ ان یونیورسٹیون اور تعلیم کے موجودہ انتظامات نے ہندوستان مین علم کو بڑھا دیا ہے۔ لیکن اگر غور کرو تو علم بڑھا نہین بلکہ گھٹا اور گھٹتا جاتا ہے جو قوم علم کو کاسۂ گدائی بنانا چاہتی ہو اسے علم ہرگز نہین آ سکتا۔ اگلے زمانے کا ایک متبحر ویدانت یا شاستری اور اسی طرح مسلمانون مین ایک عالم و فاضل آج کل کے سیکڑون سند یافتہ گریجویٹون سے اچھا تھا۔ ویسے وہ عالم اچھے۔ اور ایسے دو ہزار زبردست علم فروش نہین اچھے کاش ہندو مسلمان اپنی اپنی یونیورسٹیان قائم کرنے کے خبط کے عوض اس بات کی کوشش کرتے کہ سرکاری یونیورسٹیان علم کی سچی اکاڈمیان بنا دی جائین۔ اور ملازمت و کسب معیشت سے اُن کو کوئی واسطہ نہ رہے جیسا کہ خود انگلستان مین ہے۔ مگر ابھی ہندوستانیون کو اس کی مصلحت سمجھنے کے قابل ہوش نہین آیا ہے۔ ابھی اس مسئلہ کو چھیڑنا انگریزی تعلیم یافتون اور گریجویٹون کے حقوق مین دخل دینا ہے۔ وہ زمانہ بعد آئے گا جب ہندوستان کے تمام فرزندون کو معلوم ہوگا کہ اپنے وطن اپنی قوم۔ اپنے علوم۔ اور اپنے قدیم کمالات کے حقوق چند گریجویٹون کے حقوق سے مقدم ہین۔

چند خیالات و واقعات

کانپور کا جھگڑا عام مسلمانون کے جوش، بعض معززین اسلام کے ایثار نفس اور حضور وائسراے کی عنایت و توجہ سے طے ہو گیا۔ اسیران بلا چھوٹے اور مسجد کے اوپر کا دالان بننے کی اجازت ملی۔ اگرچہ بیچ میں ایک عام راستہ نکال دیا گیا۔ ہر طرف سے اطمینان و شکرگزاری کی آوازین بلند ہوئین اور قیامت کا شور و ہنگامہ ختم ہو کے ملک مین ایک خوشگوار خاموشی ہے۔

مسلمانون کے بعض حلقون سے اب بھی ناراضی کی آوازین سُنی جاتی ہین۔ لیکن اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اور جب سارے ہندوستان سے شکرگزاری کا نعرہ بلند ہو گیا تو اختلاف بے نتیجہ ہے بلکہ اب اس کو دیکھنا چاہیے کہ وائسراے کی اس فیاضی و رعایا نوازی پر اینگلو انڈین اخبارات کیسا سخت حملہ کر رہے ہین۔ کیا یہ اچھا ہے کہ ہمارے ہی لیے حضور وائسراے اپنے لوگون مین برے ہون اور پھر ہم بھی مطمئن نہ ہون؟ اگرچہ اس مین شک نہین کہ انگریزون کے اخبارات کی ناراضی بھی موجودہ پالٹکس کی پیسیون اور کانسٹی ٹیوشنل گورنمنٹ کی نیرنگیون مین سے ایک نہایت ہی آن بان کی، دلکش و دلربا ادا ہے۔ مگر جو ہو ہمین اپنی وفاداری کی وضع نہ چھوڑنا چاہیے

بعض حضرات مولانا عبدالباری صاحب پر حملے کر رہے ہین کہ اُنھون نے بغیر دیگر علما سے پوچھے کیون اس صورت کو قبول کر کے اس کے جواز کا فتوے دے دیا؟ مگر سچ یہ ہے کہ مولانا نے ایک فتنہ کو مٹتے دیکھ کے اور اُن مصیبت زدون کی حالت اور ان کے انجام کا خیال کر کے جو اسیر و پابزنجیر تھے ایک مناسب و معقول صورت کو منظور کر لیا جس پر صرف نیک نیتی کی بنا پر وہ آمادہ ہو گئے۔ اور شکریے کے مستحق ہین۔

مگر لطف یہ ہے کہ نواب رامپور کے طرفدار اس کامیابی کا [illegible] نواب کے سر باندھ رہے ہین۔ خیر اُن کے سر پر جس کا سہرا چاہے باندھین ہمین [illegible] عذر نہین لیکن ہندوستان کی آزاد پبلک کے سٹیج پر قدم رکھ کے اُنھون نے جو مزہ اُٹھایا ہے نہ ہم اُنھین بھولینگے اور نہ ہمین۔ لیکن اس سے زیادہ لطف کی یہ بات ہے کہ حامیان

ذاتی دربار مین سے بعض تو یہ فرماتے ہین کہ یہ فیصلہ جو ہوا یہی اُن کا منبع فساد ہے - اور بعض فرماتے ہین کہ نواب صاحب جو فیصلہ کرانے تھے اس سے اچھا اور مسلمانون کی پوری آرزو کے موافق تھا جس کی رو سے مسجد کی نیچے کی زمین بھی مسجد کو ملتی مقتولین کی بیواؤن اور یتیمون کی خبرگیری ہوتی - اور جن اخبارون سے ضمانتین لی گئین واپس ہو جاتین - خدا جانے دونون مین کون سچا ہے - بہتر ہو کہ نواب صاحب پھر ایک بار قومی دربار مین قدم رنجہ فرما کے خود ہی بتا دین کہ ان مین سے کون سچا ہے ؟ مگر ہمین تو افسوس اس بات کا ہے کہ وایسرائے بہادر کے ارشاد کے موافق ہم تو اس جھگڑے کو بھول جانا چاہتے ہین مگر نواب صاحب کے طرفدار ہمین بھولنے دیتے -

ریویو

نقاد - شروع سنہ ۱۹۱۳ع سے یہ اُردو رسالہ ایسی آب و تاب اور ایسی خوبی و رعنائی کے ساتھ نکل رہا ہے کہ اُسے دیکھ کے جی چاہتا ہے ہماری زبان اُردو بھی ایسی ہی ترقی یافتہ اور دلفریب ہوتی جیسا یہ اُس کا رسالہ ہے - اُس کا ہر نمبر ماسبق نمبرون سے ترقی کرتا گیا ہے - اور حضرت دلگیر کی مستعدی سے امید ہے کہ آئندہ بھی یونہین ترقی کرتا رہے گا - اُردو خوان پبلک کا فرض ہے کہ اس کی قدر کرے - ٹائٹل کے علاوہ ۲۰×۲۶ پیمانہ کے ۵۲ صفحون پر ہوتا ہے - کاغذ اور لکھائی اور چھپائی اچھی ہی نہین دلفریب ہین - سالانہ چندہ صرف تین روپیہ سالانہ - درخواستین "میوہ کٹرہ آگرہ" کے پتے پر حضرت شاہ دلگیر صاحب کی خدمت مین بھیجی جائین -

اطلاع

جملہ خریداران دلگداز کی خدمت مین التماس ہے کہ وہ خط و کتابت مین اپنا نمبر خریداری لازمی طور پر بتا دیا کرین جو اُنکے پتہ کے ساتھ لکھا ہوتا ہے - رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۰ ڈاکخانہ کا نمبر ہے اسکے حوالہ کی ضرورت نہین - اگر نمبر کا حوالہ نہ ہوگا تو ممکن ہے جواب مین تاخیر ہو یا جواب ہی نہ دیا جا سکے -

منیجر دلگداز

تمام تصانیف مولانا شرر اور مطبع دلگداز کی دوسری کتابیں

تصنیفات مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

تاریخ و سیر وغیرہ

(۱) جنید بغدادی — حضرت جنید کے حالات

(۲) ابوبکر شبلی — حضرت شیخ شبلی کے حالات

(۳) تاریخ سندھ — سندھ کی مکمل تاریخ دو جلد قیمت

جلد اول — جلد دوم

(۴) [illegible] طلیعہ — [illegible]

(۵) تاریخ بغداد — خلافت عباسیہ قیمت

(۶) ملکہ زنوبیہ — ایک عربی نژاد ملکہ

(۷) خواجہ معین الدین چشتی

(۸) الحکم الرفاعیہ — مصنفہ شیخ احمد رفاعی کا ترجمہ

(۹) آغائی صاحبہ — [illegible] لکھنؤ [illegible] کے حالات

(۱۰) سکینہ بنت حسین — جناب سکینہ کے حالات

(۱۱) [illegible] دینی [illegible]

ناول

(۱۲) حسن کا ڈاکو — [illegible] اخلاقی ناول حصہ اول

(۱۳) زوال بغداد — شیعہ و سنیوں کا جھگڑا اور نسل عباسیہ کا خاتمہ

(۱۴) غیب دان وطن — پاکدامن اور عفیفہ اور قابل بی بی کی [illegible] اسکی حیرت انگیز غیب دانی

(۱۵) ماہ ملک — مولانا کا پیارا اور اچھوتا ناول

(۱۶) یوسف و نجمہ کامل — [illegible]

(۱۷) شوقین ملکہ — پہلی و دوسری صلیبی لڑائی

(۱۸) فتح اندلس — اندلس پر عربوں کا حملہ

(۱۹) مقدس نازنین — [illegible]

(۲۰) ملک العزیز ورجنا — تیسری صلیبی لڑائی

(۲۱) ایام عرب — جاہلیت عرب کے حالات

(۲۲) فردوس بریں — حقیقت جنت [illegible]

(۲۳) حسن انجلینا — [illegible]

(۲۴) منصور موہنا — [illegible]

(۲۵) شہید وفا — سپین میں مسلمانوں کی [illegible]

جلد ہائے دلگداز

جلد دلگداز سنہ [illegible] — جلد دلگداز سنہ [illegible]

جلد دلگداز سنہ [illegible] — جلد دلگداز سنہ [illegible]

جلد دلگداز سنہ [illegible] — جلد دلگداز سنہ [illegible]

جلد دلگداز سنہ [illegible] — جلد دلگداز سنہ [illegible]

دیگر اعلیٰ مطبوعات دلگداز پریس

معاشرت — ایک اعلیٰ درجہ کی اخلاقی کتاب انگریزی کی گلستان سرجان لبک کی پلیژرز آف لائف کا ترجمہ

اتالیق بی بی — میاں بی بی کے اخلاق [illegible] کی ذمہ دار [illegible] بیبیاں

رفع النقاب — مروجہ پردے کے خلاف ایک مدلل رسالہ

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی تاریخی رسالہ

جلد ۱۵   نمبر ۱۲

دسمبر سنہ ۱۹۱۳ عیسوی۔ مطابق جدی سنہ ۱۳۳۲ محمدی

ایڈیٹر

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

منیجر و پبلشر

خاکسار حکیم محمد سراج الحق عفا اللہ عنہ

جو

دلگداز پریس مین چھپ کے لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان

سے شائع ہوا

دلگداز! دلگداز! دلگداز!!

۱۸۸۷ء سے مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کی ایڈیٹری مین نکل رہا ہے مضامین نظم [illegible] یا کسی چشم فتان کی نگاہ ناز ہین جو اس مین اترتی اور دل ہی دل مین رہ جاتی ہے اعلیٰ درجے کے ادبی اور [illegible] مضامین ہوتے ہین۔ ختم سال پر بشرط خریداری سال آیندہ مولانا شرر کا ایک نیا ناول مزید [illegible] دلگداز کو مفت دیا جاتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک

المشتہر منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان۔ لکھنؤ

مولانا شرر کی کتابون کے نئے لائبریری ایڈیشن

نفیس مزاج قدردانان علم کے لیے مولانا شرر کی نئی اور پرانی کتابین بڑے اہتمام کے ساتھ وضع [illegible] جاتی ہین۔ جن کی نفاست دیکھنے کے قابل ہے۔ اس سلسلۂ طبع کا نام لائبریری ایڈیشن رکھا گیا ہے [illegible] پہلے سے اجازت دے دیتے ہین اُن کا نام لائبریری ایڈیشن مین درج کر لیا جاتا ہے اور تیار ہوتے ہی ہفتہ [illegible] کارڈ بھیجکے بلا انتظار جواب وی۔ پی بھیجدی جاتی ہین۔ مجلد کتابون کے خریدارون سے اصل قیمت پر [illegible] منہا کر لیا جاتا ہے۔ اگر علمی مذاق کی مربی گری منظور ہو تو فوراً لائبریری ایڈیشن کے رجسٹر مین [illegible]

نمبر ۱۔ افسانۂ قیس۔ مجنون عامری کی لائف بجائے نثر نظم مین کی گئی ہے۔ قیمت فی جلد . . . . ۳ ر

نمبر ۲۔ قیس و لبنیٰ۔ مشہور عاشق عرب قیس بن ذریح عذری اور اسکی معشوقہ لبنیٰ کے حالات کو ایک نہایت پر اثر اور دلچسپ ناول کا لباس پہنایا گیا ہے۔ قیمت فی جلد . . عہ ر

نمبر ۳۔ حسین بن صباح بانی فرقۂ باطنیہ کے حالات زندگی اُسکی تعلیمین اس کا علم و فضل اور اس کے سرکبت خدائی۔ ۶ ر

نمبر ۴۔ عصر قدیم۔ ایک نہایت مکمل اور سلجھی ہوئی تاریخ جسمین حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پیشتر کی تمام قومون اسرائیلیون مصریون آسیریا بابلیون ایرانیون یونانیون مقدونیہ والون رومیون ساسانیون بطلیموسیون وغیرہ کے اصلی حالات ہین . . ۔

نمبر ۵۔ آغا صادق کی شادی لکھنؤ کے دربار کی ایک بامذاق تصویر کیسی دلہن کیسے ساتھ قیمت [illegible]

نمبر ۶۔ فلورا فلورنڈا اندلس آخری [illegible] کی برداشت اور مسیحیون کا احمقانہ تعصب نہایت دلچسپ اور پر اثر تاریخی ناول قیمت . . . . . . ۔

نمبر ۷۔ فلپانا۔ مولانا شرر کا بہت ہی پر مذاق تاریخی ناول ارض طرابلس الغرب پر صحابۂ کرام کا حملہ حضرت عثمان غنی کا دور صحابہ کی پاکبازی دیکھنے [illegible] فلپانا اور عبد اللہ بن زبیر [illegible] زیر طبع ہے . . . . .

المشتہر حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان۔ لکھنؤ

سنہ ۱۹۱۳ع کا خاتمہ

اس سال کا دور بھی ختم ہونے کو آیا۔ مگر دنیا اسی طرح سرگردان ہے۔ سقف نیلگوں کی تبدیلوں کو تحیر سے دیکھ کے اگلے سمجھتے تھے کہ ہم تو اپنی جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہین اور قدرت نے ہمارے مزاج کا یہ رنگ دیکھ کے کہ ایک حالت پر قرار نہین آتا اور گھڑی بھر کو بھی نچلے نہین بیٹھ سکتے ہم مین سکون و مشغولیت پیدا کرنے کو ہمارے خیال ایک تغیر کی انقلاب پذیری مین مصروف کرنے کے لیے آسمان کو ایک دولاب دوار خیال دیا ہے۔ مگر اب معلوم ہوا کہ چند زندہ دلوں کے سوا سقف نیلگوں اپنی جگہ پر قائم ہے خود ہمارے پاؤن مین چکر ہے۔ اور جس چیز کی تحریک کو ہم اپنے سرون پر تصور کیے ہوئے تھے وہ در اصل ہمارے پاؤن کے نیچے اور زمین مین ہے۔

مگر ہمارے علم و خیال مین جا ہے جتنا بڑا عظیم الشان انقلاب ہو گیا ہو مرور ایام کا ظاہری سلسلہ ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ اسی طرح صبح و شام کے ردّ و بدل سے دن۔ دنون کے چکر سے ہفتے۔ ہفتے کے مرور سے مہینے اور مہینون سے دورے برس ایسی خاموشی کے ساتھ چلے جاتے ہین کہ اکثر اسی وقت خبر ہوتی ہے جب جا چکے ہین۔

زمانے کا مکتوب آگے کی طرف کھلتا جاتا ہے اور پیچھے سے لپٹتا آتا ہے جو لپیٹ دیا گیا۔ اور ماضی کے محافظ خانے مین مقفل ہو گیا اور ہمیں اس سے کوئی واسطہ

نہین رہا۔ کیونکہ وہ ہماری گرفت سے باہر ہے۔ جو حصہ آگے کی طرف کھنچنے والا ہے
وہ ابھی آیندہ کے دھندلکے مین ہے۔ لپٹے چکنے والا حصہ گو ہماری دسترس سے
باہر ہوگیا مگر اُس مین لپٹی ہوئی چیزون مین سے بعض [illegible] یا [illegible] آیندہ [illegible]
سے [illegible] تو سلسلے نہین معلوم کیا ہے۔ [illegible] کیا ہوگا۔ [illegible]
پوچھتے ہین۔ رمالون سے قرعہ ڈلواتے ہین۔ [illegible] دکھاتے
ہین سوال کرتے ہین۔ [illegible] کچھ نہین پتہ لگتا
اور آخر تھک کے اور عاجز آ کے [illegible] یہ ہو
یہ نہ ہو۔ ہماری فلان آرزو پوری ہو [illegible] فلان [illegible] خلاصہ
یہ ہے کہ اسی فکر مین رہتے [illegible] اور ہوتا وہی
جو ہوتا ہے۔

ان دونون جانب کے کھلنے اور لپٹنے والے [illegible] "اب" نہایت
ہی مختصر اور تنگ وسعت ہی جس مین اتنی بھی گنجایش نہین کہ پوری طرح پلک [illegible]
"اب" کا میدان [illegible] اور کم [illegible] ہم اگر [illegible]
بیجا نہ ہوگا۔ تنگی اور بے حقیقتی مین اگر اس کی کوئی تشبیہ [illegible]
شعرا کے معشوق کے [illegible] ہین۔ [illegible]
بے حقیقت و بے بنیاد [illegible] قدر کہ زمانے کے [illegible] آیندہ کے
لپٹے ہوئے حصون کے فیما بین "اب" کا میدان [illegible]
ایک تیز جھونکے کی طرح آیا اور نکل گیا۔ [illegible] جا
چکتی ہے "کہ اب" کی رفتار اس قدر تیز ہے [illegible]
چورون کی طرح دبے پاؤن آیا۔ اور عجیب معشوقانہ [illegible]
نکل گیا۔ اور ہنوز خبر بھی نہ ہونے پائی تھی [illegible]
آچکا تھا۔

لیکن خدا کی قدرت کا تماشا جیسا اس مختصر [illegible]
آتا ہے کسی چیز مین نہین نظر آسکتا۔ باوجود اس اختصار [illegible]
اسی "اب" مین ہوا ہے۔ اور ہمین اور ساری دنیا [illegible] عالم [illegible] کو

جو کچھ ملتا ہے "اب" ہی کی معرفت ملتا ہے - غور سے دیکھو تو تخلیق کا نقش طلسمی اور عالم ہستی کی زندگی "اب" ہے - جو کچھ ہے "اب" ہے - اور جو "اب" نہین وہ دراصل نہین ہے [illegible] تکلف ہے کہ کوئی چیز ہو اور "اب" نہ ہو - [illegible] "اب" ہی تو [illegible] کا وہ کلمہ "کن" [illegible] ہے جس نے سارے عالم ہستی کو پیدا کیا ہے ؟

آہ! اے "اب"! امید کو یاس اور یاس کو امید بنانے والی ہستی وہ تو ہے "اب" تجھ مین بڑی [illegible] ہین [illegible] تو ہی [illegible] لاتی ہے - تو ہی [illegible] کرتی ہے تو ہی [illegible] ہے - تو ہی ہنساتی ہے اور تو ہی رُلاتی ہے - کاش تجھے قیام ہوتا - کبھی تیرا دامن ہمارے ہاتھ مین آجاتا اور ہم ایک گھڑی کے [illegible] روک کے اتنا دیکھ لیتے کہ تیری صورت کیسی ہے؟ تیرے طلسمی چہرے مین کیا بات ہے کہ اُس پر کسی کی نظر نہین ٹھہرتی؟ اور تجھ مین کون سا جادو کوٹ کوٹ کے بھر دیا گیا ہے کہ تیری تیز [illegible] سارے عالم تخلیق کو حیران کیے ہوئے ہین - تو ہمین شاد [illegible] آرزو سے ہم کنار کراتی ہے [illegible] تک ستاتی ہے اور [illegible] تو ہمین ہموم و غموم مین مبتلا کرتی ہے مگر برسون تک امید کی بھیاری دے دے کے اور خوشی کے خواب دکھا دکھا کے -

لیکن "اب" مین جب رنج و راحت کے یہ دونون مساوی اور متضاد پہلو موجود ہین تو پھر یہ ہمین اچھی اور دلچسپ کیون معلوم ہوتی ہے؟ ہمارے دل مین اس کا اشتیاق کیون ہے؟ اس کے شوق مین آئندہ کے تیرہ و تار [illegible] ظلمات کی طرف ہماری نظر کیون لگی رہتی ہے؟ اور جب یہ آنکھ بچائے گزر جاتی ہے تو اس کے پانے یا کم سے کم چھو لینے کی دُھن مین ہم کمال از خود رفتگی کے ساتھ گذشتہ کی قلمرو کی طرف کیون رخ کر کے کھڑے ہو جاتے ہین جدھر اگر ذرا بھی قدم بڑھایا تو کارخانۂ قدرت کے پہرے والے ڈپٹ کے کہتے ہین "ہٹا دب!" - اگرچہ یہ شوخ اور چلبلی "اب" ایک معشوقۂ طرار کی طرح سامنے سے نکل گئی ہے مگر اصل مین یہ کوئی محبوبۂ شیرین ادا نہین کہ عشاق دلدادہ کی طرح ہمین اُس کے وصال کا انتظار ہو - یا شاعرون کے مثل اپنا ہاتھ سے کھویا ہوا دل اُس کی زلف سے چھڑانے کے لیے ہم اُس کے پیچھے دوڑین؟ پھر آخر ہم اس کے لیے کیون بیقرار ہین؟ کیون مستقبل کے پھاٹک کے سامنے اُس کے شوق مین آغوش شوق کھولے کھڑے ہین؟ اور کیون اُس کے گذرتے ہی ماضی کے دروازے کی طرف حسرت سے دیکھ کے اور ر

ہاتھ مل کے رہ جاتے ہین ؟

صرف اس لیے کہ "امید" "اب" کے آغوش مین پلتی اور "اب" ہی کے ہاتھ سے ہمین ملتی ہے - وہ امید کہ جس کی نسبت لوگ کہتے ہین کہ "دنیا بامید قائم" مگر ہم کہتے ہین "ہماری دنیا ہی امید ہے" بس یہی شوق ہے جو ہر حال مین اور ہر طرح کی مصیبتین جھیلنے بھی ہمین اس بے وفا "اب" کی طرف سے بدظن نہین ہونے دیتا - یہ "اب" ہمارے ساتھ جو چاہے کرے ہم اُس کے شیدا ہی بنے رہتے ہین اور نہین چاہتے کہ اس کے ایسے پُر امید رفیق سے ہمارا ساتھ چھوٹے -

اسی قدر نہین - ہمین نظر آرہا ہے کہ ہماری زندگی اور ہستی بھی "اب" ہی کے ساتھ ہے - ہم اُسی وقت تک ہین جب تک "اب" ہے - اور جب "اب" نہ ہوگی ہم بھی نہ ہونگے اگرچہ یہ معمہ نہین سمجھ مین آتا کہ "اب" کے اس عجلت کے ساتھ گزر جانے کے بعد ہم زندہ کیون ہین ؟ لیکن بے سمجھے بھی اگر اپنی زندگی کو "اب" سے اس قدر وابستہ دیکھ کے ہم اس بات کی کوشش کرین کہ "اب" کو روک کے اپنی عمر بڑھائین - اور اُس کے تنگ اور نہایت محدود دامن سے اپنی آرزوؤن کو زبردستی چھین لین تو ہمین معذور خیال کرنا چاہئے گو کہ غیر ممکن تھا کہ بیوفا "اب" کو وفاداری و قیام کا سبق دیا جا سکے لیکن ہماری ہوس نے یہ خیال پیدا کر لیا اگرچہ "اب" کا دامن فی الحقیقت وسیع نہ ہو سکے گا مگر ہمین تو اُس مین اپنے مذاق و مقاصد کے مطابق وسعت نظر آجائے گی -

اسی پہلو کو پیش نظر رکھ کے ہم نے زمانے کو دنون - ہفتون - مہینون - برسون اور صدیون پر تقسیم کر لیا - اور اُن مین سے ہر ایک کو جس مین "اب" کی موہوم گھڑی واقع ہو "موجودہ" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین - غور سے دیکھو تو اُن مین ایک نہایت ہی مختصر موہوم گھڑی تو اب ہے باقی جو کچھ ہے گذشتہ اور آیندہ کی لپیٹ مین آیا ہوا ہے - مگر چونکہ وہ مبارک گھڑی ان کے آغوش مین ہے اور ان کے سبب سے ہمین "اب" کا پُر امید دامن زیادہ وسیع اور پھیلا ہوا نظر آتا ہے اس لیے ہم ان سب کو موجودہ کے لفظ سے تعبیر کرکے اپنا دل خوش کر لیا کرتے ہین -

رخصت ہونے والا سنہ ۱۹۱۳ع بھی اُنھین برسون مین سے ہے جنھین اُن کے گزرنے کے زمانے تک ہم "موجودہ برس" یا "اب کا سال" کہتے رہے - اور اُن کے ذریعے سے

ہی بے ثباتی زندگی کو بارہ مہینوں تک کی وسعت دے لی۔ یا یوں کہیے کہ اپنے دل کے بہلانے کو اسے ایک دھوکے کی ٹٹی بنا لیا تھا۔ مگر افسوس زمانے کو ہماری اتنی تسلی بھی منظور نہیں۔ اور یہ سنہ ۱۹۱۳ء کی ٹٹی بھی ہم سے چھینی جاتی ہے۔

ہم نے کیا خود دنیا نے اپنی ساری زندگی میں کوئی ایسا سال نہ دیکھا ہوگا جو صرف برا یا صرف بھلا ہو۔ ہر برس اپنے ساتھ خوشیاں بھی لاتا ہے اور رنج بھی لاتا ہے۔ اور اس کے دور میں ہماری حالت ہر روز نئی ہوتی ہے۔ کبھی نہایت ہی مسرور و شادکام ہوتے ہیں۔ اور کبھی بہت ہی مغموم و مبتلائے آلام۔ ختم سال پر پہونچ کے پیچھے کی طرف دیکھنے اور یاد کرنے سے اس بات کا فیصلہ البتہ کیا جا سکتا ہے کہ اب کی سال میں صدمے زیادہ پہونچے یا خوشیاں زیادہ نصیب ہوئیں۔ اور اسی پر برسوں کے اچھے یا برے ہونے کا دار و مدار سمجھا جاتا ہے۔

اسی اصول کے مطابق اگر ہم اس وقت توجہ سے دیکھ کے اس قریب الختم سنہ ۱۹۱۲ء کے حالات پر غور کریں تو ماننا پڑے گا کہ بعض شکایات کی وجہ سے ہمارا جوش و خروش اس سال چاہے ہمیشہ سے بڑھ گیا ہو مگر قریب ہی کے گزرے ہوئے ماقبل برسوں کے دیکھتے یہ سال اچھا تھا۔ سنہ ۱۹۱۳ء جب شروع ہوا ہے مشرق و مغرب کی زمینیں ہنگاموں سے بھری ہوئی تھیں۔ اور دنیا نہایت ہی خطرناک حالت میں نظر آتی تھی۔ مشرق اقصیٰ میں چین بغاوتوں اور ہنگاموں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور مغرب میں دولت عثمانیہ کی انتہا سے زیادہ نازک حالت تھی۔ سنہ ۱۹۱۲ء ترکی کو اس طرح ذبح کر کے گیا تھا کہ اس اسلامی بسمل کے جانبر ہونے کی کوئی امید نہ نظر آتی تھی۔ جس کے غم میں مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ساری اسلامی دنیا سوگوار تھی۔ اور سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کی نظر میں دنیا تیرہ و تار اور زندگی دشوار تھی۔ ڈر رہے تھے کہ دیکھیے یہ نیا سال کون سی آفتیں اور مصیبتیں اپنے ساتھ لاتا ہے۔

مگر تجربے سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے حکمرانوں وائسراؤں اور گورنروں کی طرح قضا و قدرت کے دربار سے برس بھی کبھی گرم بھیجے جاتے ہیں اور کبھی سرد۔ چنانچہ اسی سنہ ۱۹۱۳ء نے تجربہ کرا دیا کہ سنہ ۱۲ جو فساد و ہنگامے پیدا کر گیا تھا ان کو اس سنہ ۱۹۱۳ء نے بہت کچھ رفع کیا۔ اس صدی کے اندر قسمت کے ہاتھ سے نفع اٹھانا تو ترکی کیا معنی

شاید کسی ایشیائی مملکت کی قسمت مین نہین ہے - اور اس زمانے مین جبکہ آفتاب (گو وہ تہذیب و علم و فضل ہی کا کیون نہ ہو) مغرب سے طلوع کیا اور در شرق سے لیے بھی بند ہو چکا تھا ایشیا والون کو کسی فلاح کی امید رکھنا بالکل بے سود ہے مگر [illegible] کے سنبھل جانا اور دست برد زمانہ سے بچ جانا بھی موجودہ حالات کے دیکھنے پر اہل مشرق کے حق مین نعمت غیر مترقبہ ہے اور یہی نعمت اس سال کی بدولت ترکی کو نصیب ہوئی۔ یا تو اندیشہ تھا کہ قسطنطنیہ بھی ملک کو چھوڑ کے یعنی ہاتھ سے جاتا ہے اور سینٹ صوفیا کے گنبد پھر تثلیث کی صلیب نصب ہوا چاہتی ہے - ایشیائی مقبوضات کا کیا ذکر، شام و ارض اور حرمین کی آزادی مین بھی فرق پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ کامل پاشا کی وزارت ذلت کے ساتھ سلطنت کو ہاتھ سے دے رہی تھی - اور ایڈریانوپل کو اگرچہ ساری دنیا کے مسلمان نہین دینا چاہتے تھے مگر خود ترکی گورنمنٹ دینے کو تیار تھی - یا تو یہ مایوسانہ حالت تھی یا یکایک چند بہادر حامیان وطن نے اٹھ کے ایک دم اس کو پیچھے سے پکڑ کر ... ذلیل وزارت عثمانی تھی اور نہ وہ پستی و حقارت - اگرچہ بگڑی ہوئی حالت کا سنبھالنا دشوار نہ تھا مگر یہ بھی کم نہین کہ چند نوخیز بہادرون نے قومی تاریخ کی آبرو رکھ لی اور دولت عثمانیہ اُس سخت ذلت کی صلح سے بچ گئی - ابتداءً اگرچہ ایڈریانوپل کو حریف کے حملون سے نہ بچا سکے - مگر اُس پر دوبارہ قبضہ کر لیا - اور گو ملک کا بہت بڑا حصہ نکل گیا مگر ایڈریانوپل کے مل جانے سے ایک بات رہ گئی -

بے شک جزیرہ نمائے بلقان مین اس سال سال گذشتہ سے زیادہ خونریزی ہوئی - اور لاکھون بندگان خدا قتل ہو گئے - مگر سچ پوچھیے تو یہ سنہ ۱۲ کی کارستانیون کا نتیجہ تھا - سنہ حال نے اول ہی سے اصلاح کی بنیاد ڈالنا شروع کی - اور اُس مین اس قدر کامیاب ہوا کہ جاتے وقت دولت عثمانیہ کو نہایت ہی امن و خاموشی کی حالت مین چھوڑ کے جاتا ہے - وہی نہین آج چین مین بھی امن ہے - اور اُن دونون مشرقی و مغربی دول ایشیا کو سنہ ۱۹۱۳ء موقع دیے جاتا ہے کہ اگر سچے قومی جوش اور حقیقی ایثار نفس سے کوشش کرین تو اپنے آپ کو سنبھال لے جائین - ترکی پر سب سے بڑا احسان اس سال کا یہ ہے کہ کامل پاشا کے ایسے ملک و ملت فروش کو اپنے ساتھ لیے جاتا ہے - جس سے بڑا خطرناک دشمن ترکی کے لیے کوئی نہ ہو سکتا تھا - کامل پاشا کی

[illegible] ترکی کو سنہ ۱۹۱۲ء کا نہایت ہی شکرگزار ہونا چاہیے۔ مگر اصلی شکرگزاری یہ ہے کہ آج ان آل عثمان میں پھر ایسے قومی ولولے پیدا ہوں۔ ترکی میں جو چیز سب سے زیادہ خطرناک نظر آتی ہے وہ یہی ہے کہ انہیں اور انھیں پر موقوف نہیں سارے ایشیا میں ایسے ایسے بہت سے کامل پاشا پیدا ہو سکتے ہیں۔

مسلمانان ہند میں سنہ ۱۹۱۳ء میں کانپور کی مسجد کا ایک نہایت ہی ناگوار واقعہ پیش آ گیا تھا جس نے انھیں ایک مدت تک نہایت ہی مشتعل رکھا۔ مگر اسی سال نے اس جھگڑے کو نہایت ہی کامیابی و خوش اسلوبی کے ساتھ رفع دفع بھی کر دیا۔ اور اب جاتے وقت ہمیں ہر طرف سے نہایت ہی مطمئن چھوڑے جاتا ہے۔

دلگداز کے ساتھ بھی اس کا سلوک قابل شکرگزاری رہا۔ حسین کی انتظامی حالت اب بفضلہ تعالیٰ اچھی ہے۔ اور امید ہے کہ آیندہ سال میں وہ بہت نمایاں ترقی کرے گا۔ ناول "حسن کا ڈاکو" جو سنہ ۱۹۱۲ء کے خریداروں کی نذر کیا گیا تھا اس کا دوسرا حصہ بھی خریداروں کی خدمات میں پہنچ گیا اور پسند کیا گیا۔ چونکہ اس ناول سے اکثر بے حیثیت والیان ملک کی اچھی تادیب ہوئی ہے اس لیے اکثر حضرات سائل ہیں کہ اس ناول کا سلسلہ "اسرار دربار حرام پور" کے نام سے جاری رکھا جائے۔ مگر سر دست ایسے بے حیثیت زمینداران بنی نوع انسان کے لیے اسی قدر سزا کافی ہے۔ ہمارے بعض احباب کے اصرار سے ہم نے اُن صدہا واقعات کو جو مختلف مقامات سے روز لکھے جاتے ہیں اور ہمارے پاس کثرت سے پہنچ رہے ہیں ترتیب سے جمع کرنا شروع کر دیا ہے۔ اگر ضرورت پیش آئی اور مناسب معلوم ہوا تو انھیں زیادہ خوبی و تفصیل کے ساتھ آیندہ شایع کرتے رہیں گے۔ ناول دلگداز کے خریداروں کو آیندہ اس ناول کا کوئی جز نہ دیا جائے گا۔ بلکہ علاحدہ شایع ہو گا۔

سنہ ۱۹۱۴ء کے خریداروں کے لیے ایک نیا اور بہت اہم تاریخی ناول جس کا نام "رومتہ الکبریٰ" ہے زیر طبع ہے۔ اس میں تاریخ روم کے ساتھ رومیوں کی معاشرت اور ان کی وہ زوال پذیری کی حالت نہایت ہی دلچسپی کے ساتھ دکھائی گئی ہے جب رومیوں نے پرانا مذہب بت پرستی چھوڑ کے دین مسیحی اختیار کیا تھا۔ اور قوم "گوتھ" کے فرمانروا "الارق" نے رومتہ الکبریٰ کو تباہ کیا تھا۔ تاریخ روم کے شایق اس

ناول مین رومی عہد کی جیتی جاگتی تصویرین دیکھ لین گے - اور چودہ پندرہ صدی پیشتر کا روشتہ الکبری اُن کی نیچر آنکھون کے سامنے پیش ہو جائے گا۔

اس ناول کے متعلق کوشش ہو رہی ہے کہ جنوری ۱۹۱۴ء ہی مین تیار کر لیا جائے لیکن اگر نہ ہو سکا تو فروری کے آخر تک اس کے فی ہر یا عہد کے وی - پی جن کے ذریعے سے ۱۹۱۴ء کی قیمت وصول کی جائے گی قدردانون و حوصلہ افزا ناظرین دلگداز کی خدمات مین حاضر ہو جائین گے -

گنگا کنارے کا پُرانا برگد

بڑھاپے کے وقار و تمکنت سے خاموش کھڑا ہے - اگرچہ ایک بلند ٹیلے پر ہے - اور اسکی چوٹی کوسون سے دکھائی دیتی ہے مگر اپنی عزلت گزینی کے لیے اس نے ایسا خاموش اور سنسان مقام اختیار کیا ہے جہان آبادی کا کوسون پتہ نہین - اُس کے سائے مین ایک چھوٹی سی ویران مسجد ہے - ایک مختصر سا اُجاڑ شوالہ ہے - اور چند اور عمارتون کے منہدم و شکستہ آثار ہین جن کو دیکھ کے کسی کی سمجھ مین نہین آتا کہ آیا کسی کے رہنے کے مکان تھے ؟ خانقاہ تھے ؟ ٹھاکر دوارے تھے ؟ کیا تھے ؟ ہان مسجد کے متصل چند پُرانی قبرین ہین جن مین سے بعضی اپنی حالت پر قائم ہین اور بعض مٹ رہی ہین - جس سے اندازہ ہی نہین یقین ہو جاتا ہے کہ بہت سی مٹ بھی گئین - لیکن اتنا اطمینان ضرور ہے کہ سیہ ستان خواب فنا کا پورا ساتھ دے کے اور اُن کی ہڈیون تک کے گل گل کے خاک ہو جانے کے بعد مٹی ہین -

دن کو اکثر گڈریون کے لڑکے اپنی بھیڑ بکریون کے ساتھ اس پُرانے گھنے درخت کے سائے مین آ کے بیٹھتے - کھیلتے کودتے - اور بےفکری کے گیت گاتے ہین - اُن کی بکریان اور بھیڑین ادھر اُدھر دوڑ کے چرتی - ٹیلے کے دامن پر جولانیان دکھاتی - اور نیچے اُتر کے گنگا کے پانی سے سیراب ہوتی ہین - اس کی ٹہنیون پر اور بڑے بڑے پتون کی چلمنون مین صدہا طیور اور گلہریان - اور ہزارہا قسم کے حشرات الارض آرام سے چھپے بیٹھے ہین - جو ہر صبح و شام کو اپنے مستانہ نغمون سے ساکنان گورغریبان کے

شگوفون پر نوبت بجایا کرتے ہین۔ مگر رات کا اندھیرا ہوتے ہی سب کے سب نہایت ہی خوشی و سکون کے ساتھ اپنے نشیمنون مین غائب ہوجاتے ہین اور اُس وقت شب زندہ دار اُلو جو دن کے شور و ہنگامے سے کھوہ کے اندر سرک کے روشنی سے ہٹ کر دور پڑ جا کے مصروف مراقبہ ہوگیا تھا باہر نکل کے خاموش دنیا اور سنسان عالم پر نگاہ عبرت ڈالتا۔ اور اپنے حجرے سے گردن باہر نکال کے ہو الباقی کی ضربین اور نعرہ لگانا شروع کرتا ہے۔

اس دنیا کے پردے پر اس سے زیادہ عبرت ناک منظر کوئی اور نہین ہے ہاں اور یہان کی خموشی سے بڑھ کے بھی کوئی پُرمعنی اور مضمون خیز کتاب ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہین۔ اس چھوٹے اور محدود عالم مین ایک غیر محدود خلقت آباد ہے۔ جو اپنے شور و ہنگامے سے زندگی و زندہ دلی کا اور اپنے سکوت و سکون سے ہماری ہستی موہوم کی بے ثباتی و بے استقلالی کا ثبوت دیتی رہتی ہے۔

خدا جانے یہ پُرانا درخت کب سے یہان گنگا کا پجاری بنا کھڑا ہے۔ اور اس عالم کی نیرنگیون کے کیسے کیسے تماشے دیکھ چکا ہے۔ طیور کا جو عالم اس پر بسا ہوا ہے خدا جانے کیا کیا انقلابات دیکھ چکا ہے۔ اس عالم مین طوفان آئے ہین۔ آندھیان چلی ہین۔ قیامتین ہوئی ہین۔ اور بڑے بڑے ہنگامے بپا ہوئے ہین۔ زندگی و موت کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ خدا جانے کتنے ایک اور کیسے کیسے خوبصورت طیور اس کی ٹہنیون مین پل کے بڑے ہوئے ہین۔ اور یک بیک کمال بے اُنسی اور بے پروائی کے ساتھ بچپن کے دوستون اور طفولیت کے رفیقون سے رخصت ہو کے چلے گئے ہین۔ یہی وہ صحرا کا درخت تو نہین جس کی پُرعبرت تاریخ کا ایک ٹکڑا نظیر اکبر آبادی نے اپنی نظم "ہنس نامہ" مین اس تمہید سے بیان کیا ہے کہ

آیا تھا کسی شہر سے اک ہنس بچارا — اک پیڑ پہ صحرا کے کیا اُس نے گزارا

لیکن چاہے یہ وہی درخت ہو یا کوئی اور اس مین شک نہین کہ اس پر روزانہ ویسے ہی ہنگامے مچے رہتے ہین۔ فرق اتنا ہے کہ جو مخلوق اس نباتی عالم مین آباد ہے نہایت ہی متین و ضابط ہے۔ اور ہماری طرح ادنی ادنی سی باتون پر آپے سے باہر نہین ہوجاتی۔ یہان بھی روز ولادتین ہوتی ہین۔ اور اس دنیا مین بھی روزانہ

بازار رگ گرم رہتا ہے - مگر ہمارے گھروں کی طرح نہ یہان ولادت [illegible] اور نہ موت پر شور ماتم بلند ہوتا ہے - دنیوی مسرت والم پر یہ لوگ ہم سے زیادہ فلسفیانہ نظر ڈالتے ہین اور ہم سے بدرجہا زیادہ بے پروا ہین - وہ اپنی مخلوقیت کے راز اور "فعل الحکیم لایخلوعن الحکمۃ" کے فلسفہ کو بخوبی سمجھ گئے ہین - اور قدرت کی شکایت [illegible] نہین کرتے - نہ کبھی کوئی کلمۂ شکایت اُن کی زبان سے نکلتا ہے - اور زندگی سخت [illegible] اُن کرتے ہین -

لیکن جو عالم اس مرقع عبرت درخت کے اندر واقع ہے اس سے قطع نظر کیجئے اگر اُس چھوٹے سے شہر خاموشان کے حالات پر نظر ڈالیے جو اس کے سامنے ہے اور اس کے آس پاس ہے تو خدا جانے کیا کیا باتین خیال مین آجاتی ہین - خود اس سے پوچھیے تو کچھ نہ بیان کرے گا - کیونکہ مقدس رود گنگا کے کنارے کھڑی ہو کے یہ سوا خالق کے تسبیح وتہلیل کے کوئی اور بات گناہ سمجھتا ہے - اور خالق سے باتین کرنے مین اس قدر محو اور اس درجہ مصروف ہے کہ ہماری نہین سُنتا - لیکن اس کا ہر ہر پتہ تاریخ کا ایک ورق ہے - اور اس کے دامن مین اگلے فسانون کی تصویرین نظر آرہی ہین حقیقت مین نظر جاتی ہے مسجد مندر قبرین - منہدم مکان کے آثار رکھے رہے ہین کہ کبھی یہان آبادی تھی - یہ لوگ جو ان ٹوٹی قبرون مین سو رہے ہین کبھی زندہ تھے - اس درخت کے قریب رہتے اور گرد و پیش کے میدانون مین چلتے پھرتے نظر آتے تھے - مسجد مین اذان ہوتی تھی - اور شوالے مین ناقوس بجتا تھا - خدا پرستی کے دو لولے [illegible] زندہ تھے اور ایک دوسرے سے ربط و اُنس رکھتے تھے اگرچہ مذہب واعتقادات مین باہمی اختلاف تھا مگر نہ لڑائی تھی نہ جھگڑا - جس کا اس سے زیادہ واضح ثبوت کیا ہوگا کہ دونون کی عبادت خانے جو ایک دوسرے کے جوار مین تھے اپنی اصلی حالت پر قائم ہین اور سلف کی تبرکات کی شان سے ہم تک پہونچے ہین - جو ہندو مسلمان اس پرانے برگد کے آغوش فنا مین سو رہے ہین اپنے عہد مین ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے - اور مختلف المذہب ہمسایون کو ستانا اُن کے اصول اخلاق سے ناجائز تھا انھین کہین دور لیجا کے اپنا معبد بنانے کا خیال نہ تھا بلکہ چاہتے تھے کہ ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو کے اپنے خدا کی پرستش کرین - ممکن ہے کہ آج کل کے

زمرہ یا ذات سے وہ کبھی متاثر ہو جاتے۔ اور نہ جھگڑے کے ایسا قانون بنواتے کہ ایک فریق کا معبد اپنی دوسرے فریق کے معبد سے دور رہو۔ مگر خدا نے ایسے پرفتن زمانے کے شروع ہونے سے پہلے ہی انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ ان کے معبد ہیں۔ اور حال تک ان کی تعمیر معابد کی طرح معرکہ آرائی اور جنگ و پیکار کے قلعہ ہونے کے عوض خالص عبادت کدے ہیں اس لیے کہ انھیں خاموش اور سنسان پڑا رہنا پسند ہے اور یہ نہیں کہ ان کے جھگڑالو نمازیوں اور پوجاریوں کے معبد نہیں۔ موجودہ سپاہیانہ شان والے معبدوں کو بھی یہ [illegible] سے اور بے شر معبدوں کو پسند ہیں۔ وہ اپنے لیے مذاق کے معبد بنائیں گے مگر ان میں نماز گزاری کے لیے نہ جائیں گے۔

آہ! اس زمانے کے لوگ چاہے اُن کی بے شری کی زندگی اور اُن کے صلح جوئی کے مذاق کو نہ پسند کرتے ہوں مگر ہمیں اُن کی اگلی بے آزار زندگی پر بھی حسد آتا ہے اور ان کی بعد مرگ کی اس خاموش زندگی پر بھی۔ خیال کرو کہ جب وہ زندہ ہوں گے اور یہ مکانات آباد ہوں گے تو اُن کے باہمی اُنس و محبت نے اس مبارک خطۂ زمین کو مسرت و شادمانی کا کیسا پُر لطف مامن بنا دیا ہوگا۔ یہاں کے ہندو مسلمان خلوص اور صاف دلی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جُلتے ہوں گے۔ اور کسی کا کوئی کام بغیر دوسرے کی مدد اور شرکت کے پورا نہ ہوتا ہوگا۔ اور جب دنیوی کاروبار سے فرصت ملتی ہوگی اُس وقت دونوں نہایت ہی اخلاق و رفق و مواسنت کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہو کے خدا کی عبادت کے لیے اپنے اپنے معبدوں میں بیٹھ جاتے ہوں گے۔ اور جس طرح طیور اس برگد کی ٹہنیوں پر بیٹھ کے بقول فیضی فیاضی

مرغان سحر بہر صباحے — خوانند ترا بہ اصطلاحے

اپنے جدا جدا نغموں سے خدا کو یاد کرتے ہیں یہ دونوں گروہ اپنی اپنی وضع اور اپنے اپنے مذاق میں اُس خالق بے ہمتا کی عبادت کرتے ہوں گے۔ نہ ان کی آذان اُن کو ناگوار ہوتی ہوگی اور نہ ان کا سنکھ ان کو مشتعل کرتا ہوگا۔ زندگی بھر ساتھ دینے کے بعد مرنے میں بھی دونوں نے ساتھ دیا۔ اور اسی درخت کے نیچے ایک کی ہڈیاں آغوش لحد کے سپرد کی گئیں اور ایک کی خاک کو گنگا مائی

نے مادر شفقت کی طرح اپنی تبرک گود مین لے لیا۔

غرض دونون مبارک زندگیان بسر کرکے چلے گئے۔ اور جو سلامت روی کی جو اختیار کی تھی اُسے دم واپسین تک نباہ گئے اور اپنی باقیات الصالحات کے ذریعے سے آج تک نباہ رہے ہین۔ افسوس ہے تو اس بات کا کہ ہم اور ہمارے زمانے والے نہ اُن کی مبارک زندگیون سے سبق لیتے ہین اور نہ اُن کی قبرون پر جا کے دو آنسو بہاتے اور فاتحے کو ہاتھ اُٹھاتے ہین۔

مسجد ایاصوفیہ

قلادیوس والیریوس نے جو تاریخ مین قسطنطین اعظم کے نام سے مشہور ہے جب اپنے حریف اور شریک سلطنت لی قی نوس کو ۳۲۳ء مین یعنی ولادت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۴۷ برس پیشتر شکست دے کے قتل کیا۔ اور بلا شرکت غیرے شہر روم قرار پا کے رومۃ الکبریٰ مین داخل ہوا تو اہل روم جو بت پرست تھے اور اپنے شہر کی پوجا کیا کرتے تھے قسطنطین کے جھنڈون اور برقون پر بجائے عقاب کے صلیب کو اور اُس کے ہاتھ مین بعوض سپٹر (عصائے شاہی) کے ایک صلیبی چھڑی کو دیکھ کے اس قدر برافروختہ ہوے کہ نہ سچے دل سے اُس کا استقبال کیا اور نہ اُس کی مشایعت مین ویسی گرمجوشی دکھائی جیسی کہ قیاصرہ کے داخلے کے وقت ظاہر کیا کرتے تھے۔ اہل روم کے اس سلوک نے قسطنطین کو خود رومۃ الکبریٰ کا دشمن بنا دیا۔ اور وہ اس فکر مین ہوا کہ اپنا دار السلطنت رومہ کے علاوہ کسی اور شہر کو قرار دے۔

قسطنطین نے اپنی کامیابیون مین ہمیشہ الہامی وعدون سے کام لیا تھا۔ اپنے حریف لی قی نیوس کے مقابل صف آرا ہوتے وقت اُس نے اپنی فوجی قوت کو ضعیف اور حریف کے لشکر کو زبردست پا کے اور یہ دیکھ کے کہ لی قی نیوس اور رومیون کے جانی دشمن عیسائی ہین جن پر طرح طرح کے ظلم ہو رہے تھے اپنی روحانی آنکھون سے آسمان پر نورانی صلیب دیکھی تھی۔ اور اُسی رات خواب دیکھا تھا کہ

حضرت مسیح نے باوجود اس کے کہ وہ عیسائی نہ تھا اُسے ایک صلیبی جھنڈا دیا اور بتایا کہ "جا اس جھنڈے کو لے کے اپنے دشمنوں سے مقابلہ کر۔" جس کا یہ اثر تھا کہ سارے عیسائی اُس حضرت عیسیٰ کے دیے ہوئے جھنڈے کے نیچے کٹنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ اب اس موقع پر اُس نے روۃ الکبریٰ کی عداوت میں دوسرا یہ خواب دیکھا کہ خدا اُس سے کہتا ہے کہ "جا اور بیزان طیوم کو اپنا دارالسلطنت قرار دے کے از سر نو آباد کر۔"

بیزان طیوم جس سے موجودہ قسطنطنیہ مراد ہے ایک پرانا شہر تھا جو لوگوں کے لیے ایشیا سے یورپ میں اور یورپ سے ایشیا میں آنے کی پرانی گزرگاہ تھا اور بحری اور بری دونوں حیثیتوں سے نہایت عمدہ موقع پر واقع تھا۔ قسطنطین نے اسے آکے دیکھا تو اُجاڑ اور ویران پایا۔ فوراً اپنا خواب پورا کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اُس کی تعمیر شروع کر دی۔ اور تکمیل میں اس سرگرمی سے متوجہ ہوا کہ خلاف امید چند ہی روز میں ہر طرف صدہا نئی عالیشان عمارتیں بنا کے کھڑی کر دیں اور تیاری کے بعد "نیا روم" نام رکھ کے اُسے اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ مگر زمانے کے دربار نے اُس کے مجوزہ نام کو نامنظور کر کے "قونس طان طینو پلی" نام رکھ دیا جسے بگاڑ کے انگریزوں نے کانسٹین ٹی نوپل اور عربوں نے قسطنطنیہ کر دیا۔

ان دنوں مغربی شہروں کا زیارت خانے اور دیوی دیوتاؤں کے مندر اور استھان سمجھے جاتے تھے اس لیے قسطنطین اعظم نے بھی اگرچہ مسیحیوں کی طرف بے انتہا رجحان رکھتا تھا اپنے اس نئے شہر کی رونق بڑھانے کے لیے بجائے اس کے کہ اُس میں کوئی گرجا تعمیر کرائے جابجا کئی ایک عالیشان مندر بنوائے۔ جن میں دیویوں کی مورتیں رکھوائیں اور کئی معبد غیر مجسم روحانی قوتوں کے نام سے بھی تعمیر کرائے جن میں سے ایک یہی مسجد ایا صوفیہ تھی جسے اُس نے بڑے اہتمام سے بنوا کے دانائی کی روحانی دیوی "صوفیا" کے نام نذر کر دیا تھا۔

قسطنطین اعظم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس نے مرتے وقت مسیحیت کا بپتسما لے لیا تھا۔ لیکن اُس کے مذہب کی نسبت بہت سوچ سمجھ کے اور اُس کی حالات پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنی چاہیے۔ اُس کے حالات اور اُس کے طبعی رجحان سے معلوم

ہوتا ہے کہ اُس کا پولٹیکل مذہب مسیحیت ضرور تھا - اور مرنے وقت ہی نہیں شروع سے اُس نے مسیحیون کی طرفداری اور مسیحیت کی حمایت کی پالیسی اختیار کر لی تھی - جس کے نتیجے مین وہ اپنے تمام حریفون کو پامال کر کے ساری مغربی دنیا کا شہنشاہ بن گیا۔ اور مسیحیون کا اُس پر ایسا احسان تھا کہ اس کے معاوضے مین اُس نے اُن کو قوت دی - ہر جگہ اُنھین تبلیغ دین اور آزادی کے ساتھ اپنا مذہب پھیلانے کا موقع دے دیا - اُن مین مہلک مذہبی اختلافات دیکھ کے نیقیہ کی کونسل شاہانہ تزک و احتشام سے منعقد کرا کے مسیحیت کو ایک مضبوط اور باقاعدہ مذہب بنا دیا - اور وہ "نیقین کریڈ" عقائد نیقوی مدون کرا دیے جو آج تک کیتھولک مسیحیت کے معتقد علیہ ہین - مگر یہ جو کچھ ہوا قسطنطین اعظم کی خوش اعتقادی یا دینی سرگرمی کے تقاضے سے نہین بلکہ سب مسیحیون کے احسانات کا بدلہ تھا -

سچ پوچھیے تو اپنی ذات سے وہ پُرانے عقائد کا بُت پرست ہی تھا جس مذہب کے ذریعے سے وہ سکندر اعظم اور دیگر قیاصرۂ سلف کی طرح اپنے آپ کو انسانیت کے درجے سے اوپر چڑھا کے ایک آسمانی دیوتا بنانا چاہتا تھا - چنانچہ باوجودیکہ وہ مسیح کی صلیب نے کے لڑنے کو چلا تھا - اور باوجودیکہ مسیح ہی کے حکم سے اُس نے اپنے نئے شہر قسطنطنیہ کو آباد کیا تھا مگر اُس مین جتنی مذہبی عمارتین تعمیر کرائین سب بُت پرستون کے مذاق کی تھین - اور سب سے زیادہ لطف کی یہ بات کی کہ ایک مینار پر یونانیون کے مہادیو "اپالو" کی ایک مورت اس ترمیم کے ساتھ قائم کرائی کہ سارا دھڑ تو اپالو کا تھا مگر اُس پر چہرہ اپنا لگا دیا - اور دیوتاؤن کے چہرون کے گرد تصویرون مین جو روشنی کی کرنین جھلکائی جاتی ہین اُن کی جگہ تین طرف صرف تین کرنین دکھا کے نور کی ایک صلیب بنوا دی -

یہی اوصاف بتا رہا ہے کہ قسطنطین بہ خلاف دین مسیحی اختیار کرنے کے خود دیوتا بننا چاہتا تھا - اس کوشش مین اُس نے بت پرستی اور مسیحیت کو ایک مین ملایا - اور اُس مذہبی معجون مرکب کا مہادیو خود بنا - جس دھوکے مین پڑ کے عیسائی بے تکلف اُس کی پرستش بھی کرنے لگے تھے - الغرض قسطنطین کے دم واپسین تک قسطنطنیہ مین کوئی کنیسہ موجود نہ تھا - اور سینٹ صوفیا کی عمارت اصل مین ایک غیر متشکل

دیوی کا مندر تھی۔ مگر اس کے بعد جب اُس کی اولاد متدیّنہ عیسائی ہو گئی۔ اور تھیوڈوسیئس قیصر کے زمانے مین دولت روم کا مذہب مسیحیت قرار پائی۔ اور تمام مندر منہدم کر دیے گئے تو اس عالیشان مندر پر یہ بڑا احسان کیا گیا کہ بجائے کھود مٹا دینے کے وہ مسیحیون کا ایک کنیسۂ اعظم بنا لیا گیا۔

تھیوڈوسیس کے بعد جب اس کے بیٹون کی باہمی نزاع کی وجہ سے مشرقی و غربی سلطنت ہائے روم جدا جدا قائم ہوئین اور ۳۹۵ء عیسوی مین ارکادیوس پہلا مشرقی شہنشاہ قرار پایا تو روما الکبریٰ اور قسطنطنیہ مین برابر کی رقابت شروع ہو گئی۔ اور اگرچہ ابھی تک یونانی کلیسا پوپ کی حکومت سے عاری نہین ہوا تھا مگر قسطنطنیہ کے مقتدائے اعظم کو پوپ ہی کے قریب قریب مرتبہ دے دیا گیا۔ اور سینٹ صوفیا چونکہ اس مشرقی مقتدائے دین کا دار الامارہ تھا۔ اس لیے اسے بھی قریب قریب وہی عظمت حاصل ہو گئی جو روما کے گرجون لٹران وغیرہ کو حاصل تھی۔

اب سینٹ صوفیا کے جوار مین راہبون اور محترم اچھوتیون (ننون) کی خانقاہین تھین۔ دولت و حکومت نے ان مرتاضون و تارک الدنیا بزرگون کو چند ہی روز مین ایسا غارت کر دیا کہ اُن کی فتنہ پردازیون کی بدولت سینٹ صوفیا نہایت ہی ناپاک سازشون کا مرکز بن گیا۔ اور کوئی دن کم گزرتا تھا جب اُن اچھوتیون کے کسی جوان سے چھوت ہو جانے اور اُن کی بدکاریون کے طشت از بام ہونے کا کوئی نیا واقعہ نہ سنا جاتا ہو۔ ان سازشون اور بے شرمیون کے دور کرنے کے لیے شہنشاہ نے ۳۹۰ء مین انطاکیہ کے اسقف اعظم یوحنا کریسوسٹوم کو جس کا وعظ کسی سفر مین سن کے وہ بہت متاثر ہوا تھا نہایت ہی رازداری کے ساتھ انطاکیہ سے بلوایا اور قسطنطنیہ کا مقتدائے اعظم مقرر کر دیا۔ یہ شخص حقیقت مین نہایت ہی نیک نفس و پاک باطن تھا۔ ریاکاری نام کو نہ تھی۔ مذہب کے آگے کسی کی کچھ پروا نہ کرتا تھا۔ اور سینٹ صوفیا کے ممبر پر کھڑے ہو کے نہایت ہی آزادی سے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر نکتہ چینی کرتا۔ عام رعایا اور تمام مسیحی اُس کی حد سے زیادہ معتقد تھے۔ اور اُس کے نام پر جان فدا کرنے کو تیار رہتے۔ مگر اُس نے آتے ہی ننون کی بدکرداری پر سخت حملے کیے۔ اور

راہبون کی سازشون کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام پبلک مین تو اُس کی قدر اور زیادہ ہوگئی مگر مقتدایانِ ملت دل مین اُن سے عناد رکھنے لگے۔ آخر اُنھون نے اندر ہی اندر سازش کرکے ایک طرف شہنشاہ بیگم قسطنطنیہ ملکۂ یودوکسیا کو اُس کے خلاف کر دیا۔ اور دوسری طرف سکندریہ کے اسقف تھیوفیلوس نے اُس پر بہت سے مذہبی الزام عائد کیے۔ پھر اس کے بعد یہ کارستانی کی گئی کہ اسکندریہ کے اسقف اور راہب ایک جہاز پر آئے۔ ایک کونسل منعقد کی۔ مقتدائے اعظم قسطنطنیہ یوحنا کری سوسٹوم کو ملزم قرار دے کے اُس کی جلاوطنی کا حکم جاری کیا۔ اور ملکہ کے ایک ملازم افسر نے فوراً کری سوسٹوم کو گرفتار کرکے چپ چپاتے شہر بثینہ مین پہونچا دیا۔ لیکن دوسرے مقتدا کے منتخب ہونے سے پہلے ہی رعایا کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سب لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اسکندریہ سے آئے ہوئے راہبون کو قسطنطنیہ کی سڑکون پر ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے اور چُن چُن کے قتل کر ڈالا۔ اور ملکۂ یودوکسیا کو ہنگامہ آرایون کے سامنے خوشامد اور لجاجت سے التجا کرنی پڑی کہ جس قدر جلد ممکن ہو یوحنا کری سوسٹوم کو بُلوائیے تاکہ شہر مین امن و امان قائم ہو۔ چنانچہ کری سوسٹوم پھر اپنی مقدس خدمت پر بڑے شان و شکوہ سے بُلوایا گیا۔ اُس کے داخلے مین شاہی جلوس کی شان تھی۔ اور اُس کے آنے کی خوشی مین شہر مین روشنی کی گئی۔

اتفاقاً ملکہ نے اپنی ایک مورت بنوا کے سینٹ صوفیا کے قریب نصب کرانی چاہی۔ اس سے یوحنا نے اختلاف کیا۔ اور جب ملکہ کی طرف سے اس پر اصرار ہوا تو اُس نے آزادی کے ساتھ سینٹ صوفیا کے ممبر پر کھڑے ہو کے یہ سخت ترین الفاظ کہے "ہروڈیا پھر قہر آلود ہے۔ ہروڈیا پھر ناچ رہی ہے۔ اور پھر یوحنا کا سر مانگتی ہے" ع۵

ع۵ یہ انجیل کی تاریخ کے ایک ہولناک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ارض جلیل کے یہودی بادشاہ ہیرود انٹی پاس کے سامنے ہروڈیا نام اُسی کے خاندان کی ایک لڑکی ناچی۔ اور ناچ کے اُسے اپنا فریفتہ کیا۔ اور جب وہ بے اختیار اُس پر شیدا ہوگیا تو اپنے وصال کے لیے یہ شرط پیش کی کہ حضرت عیسیٰ کے بپتسما دینے والے پیش رو یوحنا کا سر کاٹ کے مجھے دیا جائے جس کی فوراً تعمیل ہوئی۔ یہان کری سوسٹوم کی مراد ہروڈیا سے ملکہ یودوکسیا اور یوحنا سے خود آپ ہے

آخر چند روز کے بعد ملکہ نے پورا بندوبست کرکے اور شہر والون کی روک تھام کرکے رہا ہونے کی مونتے پھر کری سوسٹوم کو جلا وطن کرا دیا۔ اور اب کی جلا وطنی مین وہ اتنی دور بھیجا گیا کہ سفر و غربت ہی مین جان دی۔ اس مرتبہ اُسے دوبارہ قسطنطنیہ آنا نہین نصیب ہوا بلکہ اُس کے مرنے کے تیس برس بعد اُس کی ہڈیان لا کے قسطنطنیہ مین دفن کی گئین۔ اس کی نیک نفسی اور اُس کے علم و فضل کا سب نے اقرار کیا۔ اور رومن کیتھولک اور کلیسا ئے یونان دونون آج تک اُس کی یاد مین ایک مبارک دن منایا کرتے ہین۔

جب یوحنا کری سوسٹوم کی پہلی جلاوطنی کے وقت پانچوین صدی کے دوسرے ہی تیسرے برس شہر مین ہنگامہ بپا ہوا ہے تو بلوائیون نے دوسری مسیحی عمارتون کے ساتھ سنیٹ صوفیا مین بھی آگ لگا دی تھی۔ جس سے اُسے بہت نقصان پہونچا۔ لیکن غالباً اُسی زمانے مین اُس کی مرمت کر دی گئی۔ اور وہ نقصان زیادہ نہین محسوس کیا گیا۔ لیکن اُس کے سوا سو برس بعد عہد جسٹی نین ۵۳۲ء مین یعنی حضرت رسول آخر الزمان علیہ السلام کی ولادت سے اُنتالیس برس پیشتر قسطنطنیہ مین نیلے بانے والون اور سبز بانے والون کی وجہ سے ایسا عظیم الشان ہنگامہ ہوا اور اس بے رحمی سے ہر عمارت مین آگ لگائی گئی کہ سارا شہر جل کے خاک ہو گیا۔ اور سنیٹ صوفیا کی مہتم بالشان عمارت بھی اس بلوے مین بالکل منہدم و برباد ہو گئی۔ اس بلوے کے وقت تو شہنشاہ جسٹی نین کو خود اپنی جان کے لالے پڑے تھے۔ مگر بلوے کے فرو ہونے کے بعد جب اُس کے حواس درست ہوئے اور عیسائیون نے آکے اپنی مذہبی بے حرمتی کا حال بیان کیا تو شہنشاہ نے اُنھین تسلی دی۔ اور مضبوط وعدہ کیا کہ سنیٹ صوفیا کو مین بہت جلد بنوا دون گا۔ چنانچہ اُس مشہور ہنگامے کے چالیس ہی روز بعد جسٹی نین نہایت ہی خوش عقیدگی سے سنیٹ صوفیا کی تعمیر مین مصروف ہوا۔ جس مین اُس کی مذہبی ارادت کو شاہانہ غرور روز بروز زیادہ اُبھارتا رہتا تھا۔ انتھے میوس مہندس نے نقشہ تیار کیا جسے سب نے نہایت پسند کیا۔ اب پہلے سے بہت زیادہ رقبۂ اراضی اُس کے حدود مین داخل کر دیا گیا۔ قرب و جوار کے مکانات شہنشاہ نے بڑی سیرچشمی کے ساتھ خاطرخواہ معاوضہ دے دے

کے لیے اور گرجے مین شامل کر لئے۔ جب پورا رقبہ مشخص ہو چکا۔ تو پُرانے منہدم کھنڈر کھود دیے اور ملبہ ہٹا کے زمین برابر کی گئی۔ اور ایک ساتھ دس ہزار کاریگر کام مین لگا دیے گئے۔ ہر روز بلا ناغہ شام کے وقت غروب آفتاب سے پہلے چاندی کے سکّون مین اُجرت مل جاتی۔ خود جسٹی نین ہر وقت نگرانی مین لگا رہتا۔ اور جب دیکھیے ایک سادہ سوتی ڈھیلا ڈھالا کوٹ پہنے ہوئے کام کو ادھر اُدھر دیکھتا پھرتا۔ اور انعام دے دے کے کاریگرون کی حوصلہ افزائی کرتا۔

اس اہتمام سے پانچ سال گیارہ مہینے اور دس دن مین یہ عالی شان گرجا بن کے تیار ہوا۔ اور بڑے ہی دھوم دھام اور نہایت ہی تزک و احتشام سے اُس کا افتتاح کیا گیا۔ اور جسٹی نین اس عمارت کی خوشنمائی اور شانداری کو دیکھ کے اس قدر آپے سے باہر ہو گیا تھا کہ افتتاح کے موقع پر عُجب و نخوت کے یہ کلمات اُن کی زبان سے نکلے "وہ عظمت و جبروت والا ہے وہ خدا جس نے مجھے ایسے بڑے کام کی توفیق دی اور اس کا اہل جانا۔ اور اب اے سلیمان مین نے تیری عظمت مٹا دی!" جسٹی نین کا اس موقع پر حضرت سلیمان پہ حملہ کرنا کسی کو پسند نہ آ سکتا تھا۔ اور اگر سچ پوچھیے تو جسٹی نین کے اس کام کو چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو حضرت سلیمان کے کام سے کوئی نسبت نہین ہو سکتی۔ نہ یہان وہ سلیمان علیہ السلام کی سی پیغمبرانہ پاک نفسی تھی۔ اور نہ اتنا اہتمام ہی کیا جا سکتا تھا جتنا کہ حضرت سلیمان نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر مین کیا تھا۔

خدا کو بھی جسٹی نین کا یہ دعوی پسند نہین آیا۔ اور تعمیر کو پورے بیس برس نہ گزرے ہون گے کہ آسمان سے بجلی گری اور سنیٹ صوفیا کے عظیم الشان گنبد کا مشرقی حصہ ٹوٹ گیا۔ جسٹی نین اب تک برسر حکومت تھا گنبد کے ٹوٹنے سے اُس کے دل کو صدمہ ہوا مگر اُسی پہلی تندہی سے پھر اُس کی اصلاح اور مرمت مین مصروف ہو گیا۔ اور اُس کے زمانہ حکومت مین جس کی مدت ۲۳ سال کی تھی سنیٹ صوفیا کا بڑے کر و فر سے دوبارہ افتتاح ہوا۔ مگر جسٹی نین کا غرور توڑنے کے بعد خدا نے اُس کی حفاظت کی۔ یہان تک کہ قسطنطین اعظم کی بنیاد کے ۱۱۲۹ برس اور جسٹی نین کی تعمیر اول کے ۹۲۱ برس بعد آل عثمان کے نامور اعظم سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے سنیٹ صوفیا کو مسجد جامع ایا صوفیہ بنا دیا۔

اس درمیان مین اس گرجے کو مسیحی دنیا مین بہت اہمیت حاصل رہی تھی۔ اور جب

کلیسائے یونان کلیسائے روم سے الگ اور پوپ کی غلامی سے آزاد ہوا تو یہی معبد اعظم
یونانی کلیسا کا مرکز قرار پا گیا تھا۔ اور یہاں کا اسقف اعظم ساری یونانی العقیدہ مسیحی دنیا کا
سب سے بڑا مقتدا تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس خودسری کے زمانے میں جبکہ سینٹ صوفیا یونانی
عیسائیوں اور اُن کے ساتھ روسیوں اور تمام شمالی نصرانیوں کا قبلہ بنا ہوا تھا۔
اُس نے بہت ہی غیر معمولی عظمت و وقعت حاصل کی۔ اور اُس کے حلقے میں گویا ایک شہر
بسا ہوا تھا۔ جس میں ہر قسم کی خانقاہوں مدرسوں اور عبادت گاہوں کے علاوہ
بازار بھی تھے۔ اور شان و شوکت میں اُس کا مقابل شاید دنیا کا کوئی اور معبد نہ ہوگا۔
کیونکہ اب مشرقی سلطنت روم کو جو جاہ و حشمت حاصل تھی خود رومۃ الکبریٰ کی حکومت
میں نصیب نہ تھی۔

مسلمانوں کے قبضے میں آنے سے پیشتر اس کا حال ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے
میں بیان کیا ہے۔ وہ جب پھرتے پھراتے سلطان محمد اوزبک خان کی قلمرو میں پہونچا
جو روسیا اور بحر اسود کے شمالی سواحل (موجودہ قلمرو روس) پر واقع تھی تو اس سلطان
کے چار محل پائے اور وہ چاروں ملکائیں پردے کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے
علانیہ دربار کیا کرتی تھیں۔ انھیں ملکاؤں میں ایک یونانی فرمان روائے قسطنطنیہ
کی بیٹی تھی جس کا نام وہ "بیلون" بتاتا ہے۔ یہ مسیحیہ شاہزادی اُس سے بہت مانوس
ہو گئی۔ اُس نے ابن بطوطہ کو دنیا کا ایک غیر معمولی سیاح و جہان گرد اور سیر و سفر کا
شائق دیکھ کے اپنے وطن قسطنطنیہ کی سیر کا شوق دلایا۔ اور جب ماں باپ سے
ملنے کے لیے اپنے میکے میں گئی تو اُسے اپنے ہمراہ لیتی گئی۔ یوں ابن بطوطہ کو قسطنطنیہ
جانے کا شوق ہوا۔ ورنہ سوا اسلامی ممالک کے کسی غیر مذہب حکومت میں وہ
کم جاتا تھا۔

الغرض اسی شاہزادی "بیلون" کے ہمراہ رکاب وہ بلغاریہ ہوتا ہوا قسطنطنیہ
پہونچا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ یعنی ملکہ "بیلون" کے باپ کا نام وہ شاہ "تکفور" بتاتا ہے
اور لکھتا ہے کہ اس بادشاہ کا باپ جرجیس ابھی زندہ موجود تھا مگر بیٹے کو تخت
سلطنت پر بٹھا کے تارک الدنیا ہو گیا تھا۔ آج ہی کل کے مثل اُس زمانے میں
بھی وہ قسطنطنیہ کے دو حصے بتاتا ہے۔ ایک باسفورس (جس کا نام اُن دنوں وہ

"اسبی" لکھا ہے) کے مشرق جانب ہے جو اسطنبول کہلاتا ہے - اور دوسرا باسفورس کے بائین یعنی مغربی جانب جس کا نام اُن دنون بھی "غلطہ" تھا - اسطنبول مین شاہی محل تھا اور خاص اہل شہر اور درباریون کا مسکن تھا - اور غلطہ مین دیگر ممالک فرنگ کے لوگ جنوا والے - فرانسیسی - فرنگی - رومی وغیرہ آباد تھے جیسا کہ آج کل بھی ہے -

ایا صوفیا کی نسبت اُس کا یہ بیان ہے کہ ہم نے صرف اس گرجے کو باہر سے دیکھا - اندر نہین دیکھ سکے - اس کا نام ایا صوفیا ہے - لوگ کہتے ہین کہ یہ عمارت آصف بن برخیا کی بنائی ہوئی ہے جو حضرت سلیمان کے خالہ زاد بھائی تھے - یہ کنیسہ ممالک روم کے تمام کنیسون سے بڑا ہے - اُس کے گرداگرد ایک دیوار احاطہ کیے ہوئے ہے - جس کی وجہ سے بجائے خود ایک شہر معلوم ہوتا ہے - اس چاردیواری مین داخل ہونے کے لیے تیرہ پھاٹک ہین - اور اُس کے اندر خاص حرم کا جو حصہ ہے وہ ایک میل کے پھیلاؤ مین ہے - اور اُس مین ایک عظیم الشان پھاٹک لگا ہوا ہے - جس مین جانے سے کسی کو روک ٹوک نہین کی جاتی - خود بادشاہ کے تارک الدنیا باپ کے ساتھ مین اُس پھاٹک مین داخل ہوا - اس پھاٹک کے اندر ایک ڈیوڑھی سی ہے جس کے اندر صحن مین سنگ مرمر کا فرش ہے اُس فرش کے بیچ مین ایک نہر گذری ہے جو کنیسہ کے اندر سے نکل کے آئی ہے اور اس کے دونون جانب سنگ مرمر کی ایک گز اونچی منڈیر چلی گئی ہے - جس مین طرح طرح کے نقش و نگار بنے ہوئے ہین - اور اُس منڈیر کے برابر دونون جانب ترتیب وار درخت چلے گئے ہین - خاص گرجے کے دروازے سے اس بیرونی پھاٹک تک انگور کی تاکین خوشنمائی کے ساتھ پھیلی ہوئی ہین - اور اُن کے نیچے زمین پر چنبیلی اور دوسری قسم کے خوشبودار پھولون کے درختون سے چمن بندی کی گئی ہے - ڈیوڑھی سے نکلتے ہی ایک خوبصورت چوبی بنگلہ سا ملتا ہے جس مین لکڑی کی بنچین ہین - اور اُن پر دربان اور ڈیوڑھی کے خدام بیٹھے رہا کرتے ہین - اُس بنگلے کے داہنی جانب کمرے اور کوٹھریان ہین جو زیادہ تر لکڑی کی بنی ہوئی ہین - اُن پر قسطنطنیہ کے قاضی اور اہل دفتر بیٹھ کے اپنا کام کرتے ہین - اور اُن کوٹھریون اور کمرون کے درمیان مین بھی ایک چوبی بنگلہ ہے جن مین کئی زینے چڑھ کے انسان جا سکتا ہے - اُس مین ایک کرسی ہے

جس پر غلاف پڑا ہوا ہے - اُس پر یہان کا سب سے بڑا قاضی بیٹھ کے اجلاس کرتا ہے
یہ سب تو اُس بڑے بنگلے کے داہنی جانب تھا - اُس کے بائین طرف عطارون کا
بازار ہے اور وہ نہر نما حوض جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے تقسیم ہو کے دونون جانب
بڑھ جاتی ہے - ایک حصہ قاضیون کے اجلاس کی طرف پھیلا ہوا ہے اور دوسرا عطارون
کے بازار کی طرف - کنیسے کے گرد کے صحن کا یہ منظر دیکھ کے جب انسان اُس کے خاص
اندرونی دروازے پر آتا ہے تو اُسے وہان متعدد برج نظر آتے ہین جن مین خدام
کنیسہ بیٹھے رہتے ہین جو اندر باہر سب جگہ جھاڑو دیتے ہین - شام کو چراغ روشن
کرتے ہین - اور رات کو سب پھاٹک بند کرتے ہین - اور کسی شخص کو جب تک وہ صلیب
اعظم کے سامنے جو یہان قائم ہے سجدہ نہ کرے کنیسہ کے اندر قدم نہین رکھنے دیتے -
اس صلیب کی نسبت ان لوگون کا عقیدہ ہے کہ جس شہتیر پر حضرت مسیح کی صورت کا
ہمجانے والا شخص مصلوب کیا گیا تھا اُسی کے ایک ٹکڑے سے یہ بنی ہے - یہ کنیسہ کے
دروازے پر نصب ہے - دس دس گز کے لمبے دو سونے کے خول ہین جن مین اصلی صلیب
کی لکڑی اُتار دی گئی ہے - اور یہی دونون خول صلیبی وضع سے ایک دوسرے
سے وابستہ کر دیے گئے ہین - اس دروازے کی دیوار اور محراب مین سونے چاندی کے
پتر جڑے ہوئے ہین - اور اس کی دونون زنجیرین بھی خالص سونے کی ہین -
مجھ سے بیان کیا گیا کہ اس کنیسہ مین ہزارون کی تعداد مین راہب اور اسقف
رہتے ہین جن مین سے بعض خاص ایسے ہین حضرت مسیح علیہ السلام کی نسل سے ہین - اور
اسی احاطے کے اندر ایک کنیسہ عورتون کے لیے مخصوص ہے جس مین ہزارون دنیا ترک
کرنے والی عابدہ وزاہدہ کنواریان (اچھوتیان) رہتی ہین - اور جو دوسری عورتین
دنیا ترک کر کے زہد و تقوی کے جوش مین یہان آ کے گوشہ گزین ہو گئی ہین اُن کی
تعداد اُن اچھوتیون سے بھی زیادہ ہے -

بادشاہ اور اُس کے تمام اہل دربار اور عام اہل شہر کا معمول ہے کہ ہر روز صبح کو
اس کنیسے کی زیارت کے لیے آیا کرتے ہین - اور سال مین ایک بار خود پوپ روم اس
کی زیارت کو آتا ہے - بادشاہ شہر سے باہر چار میل جا کے اُس کا استقبال کرتا ہے
سامنا ہوتے ہی ادب سے پا پیادہ ہو جاتا ہے - شہر کے اندر اُس کی سواری کے

آگے آگے پیدل چلتا ہے۔ اور جب تک قسطنطنیہ مین اُس کا قیام رہے روز بلا ناغہ صبح شام کو اُس کے سلام کو حاضر ہوتا ہے۔

ابن بطوطہ اس کنیسے کے اندر کے حالات نہین دیکھ سکا جس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ تارک الدنیا بادشاہ سابق کے ساتھ کنیسے کے اندر جانے لگا تو اُن راہبون نے جو دربانی کی خدمت بجا لا رہے تھے روکا اور بادشاہ نے ترجمان کے ذریعے سے اُسے بتایا کہ یہان معمول ہے کہ جب تک کوئی صلیب کا سجدہ نہ کرے اندر نہین جانے پاتا۔ اور اس قاعدے کی اس سختی سے پابندی کی جاتی ہے کہ مین بغیر اس کے آپ کے اندر لے جانے سے معذور ہون۔ ابن بطوطہ نے شرک کو گوارا نہ کیا۔ اور صاف کہہ دیا کہ اگر ماسوا اللہ کا سجدہ کیے بغیر کوئی اندر نہین جا سکتا تو مین اس کی سیر سے باز آیا۔

ابن بطوطہ آگے بڑھ کے بتاتا ہے کہ ایا صوفیہ کے احاطہ کے اندر بہت سے دانشتار (مانسٹریان) یعنی خانقاہین ہین۔ اور ہر ایک کے متعلق علحدہ عبادت خانہ ہے۔ زنانی اور مردانی دو خانقاہین پھاٹک مین داخل ہوتے ہی ملتی ہین جن مین نہرین جاری ہین۔ اُن کے علاوہ بائین طرف ایک اندھون کی اور ایک مسلوب القواس بوڑھون کی خانقاہ ہے جس کے گرد اُن لوگون کے رہنے کے حجرے ہین۔ مجھے یہان ایک ایسی خانقاہ ملی جس مین شاہی خاندانون کی پانسو کے قریب خوبصورت باکرہ شاہزادیان تھین۔ اور ایک دوسری خانقاہ مین اس کے قریب وزیرون اور امیرون کی کنواری بیٹیان تھین۔ جو موٹے جھوٹے کپڑے پہنے تھین۔ اور راہبانہ زندگی بسر کرتی تھین۔ اُن کے حلقون مین بیٹھ کے خوبصورت لڑکے ایسی خوش گلوئی سے انجیل پڑھتے ہین کہ سُننے سے دل پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

الغرض سنہ ۱۴۵۳ء تک اس کنیسے کی یہی حالت رہی۔ اور مسیحی فرمان روایان قسطنطنیہ اُسے روز افزون ترقی دیتے رہے یہان تک کہ سنہ مذکور مین سلطان فاتح محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے توحید کے زیر علم کیا اُس وقت سینٹ صوفیا کے کلسون پر سے صلیب اُتاری گئی اور اُس کی جگہ ترکون کا نشان ہلال قائم کیا گیا۔ سلطان محمد شہر مین داخل ہوتے ہی پھرتا پھراتا جب سینٹ صوفیا کے صدر دروازے پر پہنچا تو گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اندر داخل ہو کے اُس کی حالت دیکھی اور ساتھ والون سے کہا اگر مال غنیمت مجاہد

سپاہیوں کے لیے ہے تو شہر کی عمارتیں بادشاہ کی ہیں۔ اور اسی حق اور اختیار کی رُو سے میں اِس مسجد کو خداے وحدہ ذو الجلال کی مسجد قرار دیتا ہوں۔

یہ کہہ کے سلطان چلا گیا۔ اور اُسی وقت سے اُس کے حکم کی تعمیل شروع ہو گئی۔ مقبرکانہ عبادت کے آلات و ظروف سمیٹ کے باہر کیے گئے۔ صلیبین اکھاڑ کے دور کی گئیں۔ مورتیں توڑ کے باہر پھینک دی گئیں۔ دیواروں پر جو تصدیریں اور صلیبیں بنی تھیں مٹا دی گئیں۔ اور ساری عمارت دھو دھلا کے اور پاک و صاف کر کے خداے وحدہ لا شریک کا ایک سادہ عبادت خانہ بنا دی گئی۔ بعد والے جمعہ کو موذن نے اونچے مینار پر چڑھ کے نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا۔ اور امام نے جس کے پیچھے خود عثمانی شریک جماعت تھا نماز جمعہ اور نماز شکرانہ ادا کی۔

بس اُس وقت سے آج تک یہ عمارت مسلمانوں کی مسجد ہے۔

دلگداز کی قیمت میں اضافہ

قدر دانان دلگداز! دلگداز کی حیثیت درست کرنے کے لیے جو کچھ کوششیں گذشتہ تین سال کے اندر کی گئیں محض اس امید پر تھیں کہ اشاعت بہت زیادہ ترقی کر جائے گی۔ ورنہ آپ خود خیال فرما سکتے ہیں کہ ولایتی چکنا کاغذ لگانا جو زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ اُس کی آب و تاب قائم رکھنے کے لیے خشک چھپوانا جس میں چھپائی کے مصارف پورے دونے ہو جاتے ہیں۔ صفحات کی تعداد کو ۱۶ سے بڑھا کے ۲۴ کر دینا جس میں کل مصارف ڈیوڑھے ہو گئے۔ اور ان سب باتوں کے علاوہ ہر سال ختم سال پر تقریباً دس جز کا ایک نیا ناول طبع کر کے مفت خریداروں کی نذر کرنا ایسے مصارف ہیں جو ایک روپیہ سالانہ میں کسی طرح نہیں پورے پڑ سکتے۔ اس ایک روپیہ میں سے بھی ۳؍ ہر سال محصول ڈاک کے نکل جاتے ہیں۔ اور دفتر کے مصارف کے لیے کل ۱۳؍ ان تمام ملکی و قومی خدمات کا سالانہ انعام باقی رہ جاتے ہیں۔ ٹائٹل ملا کے رسالوں کی سالانہ مقدار ضخامت ۲۱ جز کی ہوتی ہے اور ناول کے اگر ۱۰ جز قرار دیے جائیں تو کل ۳۱ جز ہوئے جو ۱۳؍ میں خریداروں کو دیے جاتے ہیں۔

عمدہ چھاپنے والے مطابع دیسی کاغذ کی صاف اور واضح چھپائی جو خشک کاغذ

کبھی نہین ہوتی فی روپیہ ۳۲ جز کے حساب سے دیتے ہین - اور اگر ولایتی کاغذ خشک چھپوایا جائے تو چھپائی کا نرخ عموماً فی روپیہ ۲۵ جز ہو جاتا ہے - اس کے مقابل دلگداز کو ایک مستقل مطبع اور اعلی درجے کا اسٹاف رکھنے پر ۱۳ ر مین اسعہ دینا پڑتی مین - یہ قیمت اُس وقت البتہ قائم رہ سکتی ہی جب اشاعت پانچ ہزار سے زیادہ ہوجاتی اور ہم وعدہ کرتے ہین کہ جب اشاعت ہوگی ہم سالانہ قیمت ایک روپیہ ہی کر دین گے موجودہ حالت مین جبکہ تین سال کی تجربہ مین دلگداز کی اشاعت ڈھائی ہزار سے نہ بڑھ سکی تو ہم قیمت بڑھانے پر مجبور ہین - اور آیندہ سے سالانہ قیمت بجائے ایک روپیہ کے ڈیڑھ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک قرار دیتے ہین - اور سچ پوچھیے تو حساب سے یہی قیمت ہونی چاہیے آپ کو یاد ہوگا کہ جب دلگداز کا حصۂ مضامین صرف ۱۶ صفحون کا تھا - چھپائی بہت معمولی تھی اور کوئی ناول مفت نہین نذر کیا جاتا تھا اکیلے حصۂ مضامین کی قیمت سالانہ سوا روپیہ عہ/ تھی لہذا اب صفحون کے تعداد کے ۱۶ سے ۲۴ ہو جانے - نہایت عمدہ چھاپے - اور ایک ناول مفت نذر کرنے کی صورت مین ایک روپیہ کیونکر کافی ہو سکتا ہے ؟ اگر انصاف کیجیے تو ڈیڑھ روپیہ بھی زیادہ نہین ہو سکتا -

قیمت کے کم اور غیر کافی ہونے ہی کا سبب ہے کہ باوجود ہر طرح کی کوششون اور جفاکشیون کے کسی طرح انتظام نہین سنبھل سکتا - انھین دشواریون کو خیال کر کے ہمارے صدہا احباب برابر تین سال سے لکھ رہے ہین کہ موجودہ قیمت بہت کم ہے کچھ نہ کچھ ضرور بڑھائی جائے - مگر ہم نے محض اس امید مین کہ اشاعت کی کافی تعداد اُس کمی کو پورا کرے جائے گی تین سال تک وہی ایک روپیہ قائم رکھا مگر اب مجبور ہو کے ہم اپنے اُن عاقبت بین احباب کے مشورے کے مطابق سالانہ چندہ ایک روپیہ سے ڈیڑھ روپیہ (عہ/) کیے دیتے ہین - اور ناول ہدیۂ روم الکبریٰ کے وی - پی جو آخر جنوری یا اوائل فروری مین حاضر ہون گی عہ/ (ڈیڑھ روپیہ) چندۂ سالانہ - اور ۲ ر یا ۳ ر محصول و منی آرڈر فیس ملا کے ایک روپیہ دس آنے (عہ/) یا ایک روپیہ گیارہ آنے (عہ/) کے ہون گے اس پرچہ کے ناول میں "سنہ ۱۹۱۳ع کا خاتمہ" والی مضمون کے آخر مین غلطی سے اُن دیلوون کی قیمت جو عہ/ یا عہ/ بتائی گئی ہے وہ غلط ہے اس کی جگہ عہ/ یا عہ/ خیال کی جائے - جو حضرات اس اضافہ قیمت کو ناپسند فرمائین بذریعۂ تحریر منع فرما دین تاکہ اُن کی خدمت مین وی - پی نہ روانہ کی جائین - خاکسار - محمد عبد الحلیم شرر ایڈیٹر

کتب خانہ مہذب بک ایجنسی لکھنؤ

حکیم محمد علی صاحب ایڈیٹر مرقع عالم کی تصانیف

عبرت - جان و ہنوریا کا دلچسپ تاریخی قصہ عقد پر محققانہ بحث تین حصوں میں مجموعی قیمت [illegible]

جعفر عباسہ - اس میں عورتوں کے پردہ نہ کرنے کے نقصانات بہت کامیابی کے ساتھ دکھائی گئی ہیں ۱/

اختر حسینیہ - عورتوں کو تعلیم کہاں تک دینا چاہیے اور نارضامندی کی شادی کے کیسے برے نتائج ہوتے ہیں دو حصوں میں - عہ/

نیل کا سانپ - کلیوپیٹرا اور انطونی کی حسرت بھری داستان بالکل تاریخی واقعہ - عہ/

گورا - رنڈاپے کی ہاتھوں دو شریف خاندانوں کی بربادی وید مقدس اور شرع شریف کی طرف سے عقد بیوگان پر دلائل - ۱۲/

حسن مصر - دلچسپ تخیل دل ہلا دینے والا سچا اور نیا ناول تین حصوں میں - [illegible]

دیول دیوی - علاء الدین خلجی کے عہد کا ایک دلچسپ واقعہ قابل دید - ۶/

اہرام مصر - کب اور کس نے انکو تعمیر کیا - ۲/

تقدیر - تقدیر اور تدبیر پر ایک محققانہ بحث ۲/

مسیحائے عالم - حفظ صحت کی ایک بہت کارآمد و مفید کتاب ۸/

مضامین مرقع عالم ۱۸۹۶ء لغایۃ ۱۹۰۵ء [illegible]

دوسری دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
نوجوان	۱۲/	حیات شیخ چلی	۸/
مرقع نظر ابلیس	۶/	ترچھی نظر	[illegible]
عروج و زوال	۶/	کنیز فاطمہ	۸/
شہنشاہ عیاران	[illegible]	مالن کی بیٹی	۸/
نشتر	عہ/	ایران کی شہزادی	۸/
ارمان	عہ/	حاجی بغلول	عہ/
محبوبہ لندن	[illegible]	محبت کی پتلی	عہ/
اندھے	[illegible]	کرشمہ الفت	۸/
پُر ارمان لڑکی	[illegible]	خون تمنا	[illegible]
میٹھی چھری	عہ/	کرشمہ محبت	۸/
احمق الذین	۱۲/	دبدبہ امیری	[illegible]
پرستان کی پری	[illegible]	کہکشان	۱۰/
رزم بزم	[illegible]	وینس کا بانکا	۶/
امراؤ جان	[illegible]	ثمرہ دیانت	۶/
کشتۂ ناز کامل	[illegible]	حسرت دید	۱۰/
بروگ	عہ/	تاریخ جنگ جاپان و روس	[illegible]
ہماری دنیا	۱۲/	سرور رامائن	عہ/
سوانح عمری شہنشاہ بابر	[illegible]	نرالا عاشق	۱۰/
نشۂ جوانی	۸/	دستاویز محبت	۸/
بہشت بریں	۱۲/	کایا پلٹ	[illegible]

ان مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ [illegible] کتابیں بھی بکفایت روانہ ہو سکتی ہیں

المشتہر منیجر مہذب بک ایجنسی - کٹرہ بزن بیگ خان - لکھنؤ

…ـنیف مولانا شرر اور مطبع دلگداز کی دوسری کتابیں:

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

…یخ و سیر وغیرہ

…ادی حضرت جنید کے حالات۔

…ن حضرت شیخ شبلی کے حالات۔

… سندھ کی مکمل تاریخ ہر دو جلد قیمت

جلد دوم۔ … … …

…لیبہ مصنفہ مسٹر کاکس کا ترجمہ یونس …

…راد۔ مرکز خلافت عباسیہ۔ قیمت

…بیہ۔ ایک عربی نژاد ملکہ۔ … …

…ن الدین چشتی۔ … …

…عیہ مصنفہ شیخ احمد فاعی کا ترجمہ

…احب رئیس لکھنؤ مرحوم کے حالات۔

…حسین جناب سکینہ کے حالات۔

…ا دینی برکتیں۔ … …

ناول

…الوسب سے بنا اخلاقی ناول …

…ہد او شیعہ و سُنیوں کا جھگڑا اور نسل بنیا کا بیٹیا …

…دلھن۔ پاکدامن اور عفیفہ اور قابل …

…اسکی حیرت انگیز غیب دانی۔

…۔ مولانا کا نیا اور اچھوتا ناول۔

…کامل سے جگ بیتی نہیں آپ بیتی …

(۱۷) شوقین ملکہ۔ پہلی اور دوسری صلیبی لڑائیاں۔

(۱۸) فتح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ۔

(۱۹) مقدس نازنین۔ ایک رہبہ کی کا پوپ بن جانا۔

(۲۰) ملک العزیز ورجنا۔ تیسری صلیبی لڑائی۔

(۲۱) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کے حالات ہر دو حصہ۔

(۲۲) فردوس بریں۔ جیتے جی جنت کی سیر۔

(۲۳) حسن انجلینا۔ روس کی لڑائی۔

(۲۴) منصور موہنا۔ ایک عربی خاندان سندھ میں۔

(۲۵) شہید وفا۔ اسپین میں مسلمانوں کی پامالی۔

جلد ہائے دلگداز

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۱ء — جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۹ء

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۴ء — جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۰ء

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۵ء — جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۱ء

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۶ء — جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۲ء

دیگر اعلیٰ مطبوعات دلگداز پریس

معاشرت۔ ایک اعلیٰ درجے کی اخلاقی کتاب انگریزی کی گلستان سرجان لبک کی پلیزر آف لائف کا ترجمہ۔

اتالیق بی بی۔ میاں بی بی کے اعمال پر بی بی کی فریدار نکتہ چینیاں۔ … … …

رفع النقاب۔ مروجہ پردے کے خلاف ایک مدلل رسالہ۔ … … …

…ر حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز گٹرہ مزن بیگ خان لکھنؤ

...یاصین لکھنو کا اعلیٰ عطر

...آزما کے تو دیکھیں!

...دہ باہر والوں کو نہیں ملتا کیونکہ یہیں ال کی مدد انگی تو کرتے
...ی کو اٹھانا چاہتے ہو اپنے منگوانے اور دیکھنے ...
...ہر کہ روپیہ کا مال دو کا دو کبھی ... کو بھیجتے ہیں ...
...اسکے لیے معتبر اور مستند کارخانوں کے عطر اعلیٰ درجے کے ... خاص
...لے روانہ کر دیا کریں جب کا بہت اچھا اور ... اطمینان ...
لیا ہو حضرت ... ہمارے ذریعے سے اطمینان کیسا، اچھا عطر اور ... خوشبو

عطروں کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر حنا فی تولہ [illegible]	عطر مولسری فی تولہ [illegible]	عطر سنگترہ فی تولہ [illegible]	عطر مخلوط عنبری فی تولہ [illegible]
عطر مخلوط مشکی فی تولہ [illegible]	عطر موتیا [illegible]	عطر پانڑی [illegible]	عطر بیلا فی تولہ [illegible]
عطر کیوڑا [illegible]	عطر چمیلی [illegible]	عطر شہناز [illegible]	روح گلاب [illegible]
عطر کیوڑا [illegible]	عطر برگ حنا [illegible]	عطر عود [illegible]	روح خس اصلی [illegible]
عطر خس [illegible]	عطر مٹی [illegible]	عطر اگر عرقی [illegible]	عطر اگر ... [illegible]
روح پانڑی اصلی [illegible]	عطر فتنہ [illegible]	عطر جوہی [illegible]	عطر سہاگ [illegible]
عطر چمپا [illegible]	عطر گلاب [illegible]	عطر کیسر اصلی [illegible]	عطر سمامہ عنبر [illegible]

خوشبودار تیلوں کی فہرست بھی ملاحظہ ہو

روغن چنبیلی فی سیر [illegible]	روغن بیلہ فی سیر [illegible]	روغن کیوڑائی سیر [illegible]	روغن حنائی سیر [illegible]

اعلیٰ درجہ کا خوشبودار عمدہ اور بامزہ تنباکو

زردہ تنباکو مشکی فی سیر [illegible]	قوام تنباکو مشکی فی تولہ [illegible]	گولیاں تنباکو مشکی طلائی فی تولہ [illegible]
زعفرانی [illegible]	زعفرانی [illegible]	نقرئی [illegible]

نوٹ - درخواست آتے ہی ویلیو ایبل روانہ ہوگا۔ باردانہ اور مصارف ڈاک وغیرہ ذمہ خریدار۔

آپ کا خادم محمد عبد الحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز کٹرہ نواب بیگمان لکھنؤ